بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو
اپنے ہر در پیش جھگڑے کا فیصلہ اللہ اور اسکے رسول کے ہاں سے ہی طلب کرو۔

اصحاب الحدیث اور اصحاب ابو حنیفہؒ کے مابین
بہت سے اختلافی مسائل میں سے اہم ترین

۱۲ مسائل

جن پر اس کتاب میں قرآن وسنت کی روشنی میں نہایت
منصفانہ مدلل اور آسان فہم محاکمہ پیش کیا گیا ہے

از قلم

حکیم عبد الرحمٰن خلیق

ناشر
نیر اقبال شجاع ناظم دار الاشاعۃ رحمانیہ بدوملہی ضلع نارووال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو
اپنے ہر درپیش جھگڑے کا فیصلہ اللہ اور اسکے رسول کے ہاں سے ہی طلب کرو۔

اصحاب الحدیث اور اصحاب ابو حنیفہ کے مابین
بہت سے اختلافی مسائل میں اہم ترین

۱۲ مسائل

جن پر اس کتاب میں قرآن و سنت کی روشنی میں نہایت منصفانہ
مدلل اور آسان فہم محاکمہ پیش کیا گیا ہے

از قلم

حکیم عبد الرحمن خلیق بدھلی ضلع نارووال

ناشر

نیر اقبال شجاع ناظم دارالاشاعۃ حمایتیہ بدھلی ضلع نارووال

نام کتاب : ۱۲ مسائل

مصنف : مولانا حکیم عبدالرحمن خلیق

ناشر : دارالاشاعۃ رحمانیہ بدوملہی

فون نمبر : ۸۱۰۰۱۵' ۸۱۰۰۵۵ (۰۴۳۶)

اشاعت : ششم

مطبع : شمیمہ پبلشرز (مستنصر محسن) لاہور

کمپوزنگ : مستنصر محسن' لاہور۔ فون : ۷۲۲۲۶۲۶

قیمت : ۱۳۰ روپے

فہرست

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ
ابن خزیمہؒ	۱۲۵
دارمی شریف	۱۲۵
دار قطنی شریف اور الحاکم	۱۲۶
علماء اکابرِ ملت	۱۲۶
حضرت امام ابن قیمؒ	۱۲۷
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	۱۲۷
حضرت امام غزالیؒ	۱۲۹
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ	۱۳۰
اجماعِ اُمت	۱۳۰
اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم	۱۳۰
صحابیات	۱۳۱
تابعین حضراتؒ	۱۳۱
ائمہ دین	۱۳۱
محدثین	۱۳۱
حنفی علماء	۱۳۱
حضرت ابن الہمامؒ	۱۳۲
علامہ بدر الدین عینیؒ	۱۳۳
مولانا عبدالحئی لکھنویؒ	۱۳۵
شیخ عبدالحق دہلویؒ	۱۳۵
مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	۱۳۷

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

پیش لفظ

ہم نے اپنی پیش نگاہ کتاب میں اہلحدیث مسلک کی روشنی میں ذیل کے بارہ مسائل پر گفتگو کی ہے :

۱- **رفع الیدین** اس مسئلہ کی بحث میں ہم نے یہ بتایا ہے کہ نماز کے اندر رفع الیدین کا عمل رسول اللہ ﷺ کی ایک ایسی سنت ہے جسے آپ نے اپنی زندگی کی آخری نماز تک کبھی ترک نہیں کیا تھا۔

۲- **وضع الیدین علی الصدر** اس عنوان سے ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے اندر نیت کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر ہی باندھتے تھے یہی سنت ہے۔

۳- **فاتحہ خلف الامام** اس عنوان سے ہم نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ سورہ فاتحہ نماز کا رکن ہے اور اس کا ہر رکعت میں قیام کے اندر پڑھنا ہر نمازی پر واجب ہے' خواہ وہ اکیلا ہو یا امام کے پیچھے ہو اور نماز خواہ جہری ہو جیسے فجر' مغرب اور عشاء' خواہ دوسری ہو جیسے ظہر' عصر' نمازی بہر حال سورہ فاتحہ پڑھے گا ورنہ اس کی نماز شمار نہیں ہوگی۔

۴- **آمین بالجہر** اس عنوان کے تحت یہ بتایا گیا ہے کہ جہری نمازوں میں جب امام بآواز بلند قرأت کر رہا ہوتا ہے' جب وہ سورہ فاتحہ کا آخری کلمہ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پکارے گا تو وہ خود بھی بآواز بلند ہی آمین پکارے گا اور اس کے بعد مقتدی بھی بلند آواز سے آمین کہیں گے۔

۵- **تراویح** اس مسئلہ کی بیان میں ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول

اللہ ﷺ کی نماز تراویح ہمیشہ آٹھ رکعت پر ہی مشتمل ہوتی تھی۔اس سے زیادہ کبھی نہیں ہوئی۔تراویح دراصل تہجد کی نماز ہی ہے۔ رمضان المبارک میں اس کو نماز عشاء کے ساتھ شامل کر کے پڑھا جاتا ہے تو یہ نماز تراویح کہلاتی ہے۔جب اس کو پچھلی رات ادا کیا جائے تو یہی تہجد کہلاتی ہے۔

۶۔ **نماز جنازہ** اس نماز کی بحث میں ہم نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ کا پڑھنا بھی بالکل اسی طرح لازم ہے جس طرح دوسری نمازوں میں اس کا پڑھنا لازم ہے۔ نیز یہ ثابت کیا ہے کہ اگر میت حاضر نہ ہو تو اس کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی جائے گی۔اور یہ بات رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہے۔اس کے علاوہ جنازہ کے بعض دوسرے مسائل بھی ذکر ہوئے ہیں۔

۷۔ **نماز جمعہ اور ظہر احتیاطی** حنفی بزرگوں کا کہنا ہے کہ جمعہ کی نماز صرف شہر میں ہی ادا کی جاسکتی ہے دیہات میں جمعہ جائز نہیں۔ اور اگر شہر میں بھی ایک سے زیادہ جگہ جمعہ ہوتا ہو تو پھر ظہر احتیاطی پڑھی جائے گی۔ ہم نے ثابت کیا ہے کہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں' ایسی صورت میں اگر ظہر احتیاطی ادا کی جائے گی تو یہ نماز جمعہ کو بھی ضائع کر دے گی اور خود بھی شمار نہیں ہوگی۔

۸۔ **ایک مجلس کی تین طلاق** حنفی حضرات کے ہاں مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیک زبان اپنی بیوی کو تین طلاق کہہ دے تو وہ پھر حلالہ کے بغیر اپنی بیوی کو واپس نہیں لے سکتا۔ ہم نے ثابت کیا کہ یہ تین طلاق بھی رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ایک ہی رجعی طلاق ہے اس لئے حنفی عورت کو بھی کسی حلالہ کے دردناکی کے سپرد کرنا حلال نہیں ہے

بلکہ یہ حرام امر ہے۔

۹- مفقود الخبر کی بیوی جس عورت کا شوہر کسی وجہ سے گم ہو جائے تو حنفی فقہ کے بموجب اس کی بیوی اس کا ۹۰ برس تک انتظار کرے۔ پھر اسے مردہ سمجھ کر نکاح کر سکتی ہے۔ ہم نے بتایا ہے کہ یہ غلط اور غیر منطقی بات ہے اور ناقابل عمل بھی ہے۔ وہ عورت صرف چار برس تک ہی انتظار کی مکلف ہے۔ پھر وفات کی عدت گذار کر نکاح کر سکتی ہے۔

۱۰- عدم جواز تقلید شخصی اس بحث میں ہم نے بتایا ہے کہ تقلید ایک اختراعی' بے بنیاد اور بدعت امر ہے اور اس کو اختیار کرنا انسانی عزت نفس کی توہین ہے۔

۱۱- مسلک اہلحدیث اس عنوان سے ہم نے اس مسلک اہلحدیث کا تعارف پیش کیا ہے' جس کی طرف ہم دنیا کو دعوت دیتے ہیں۔

۱۲- فرقہ نہیں جماعت لوگ جماعت اہلحدیث کو بھی اسلام کے دوسرے فرقوں کی طرح ایک فرقہ ہی سمجھتے ہیں۔ ہم نے بتایا ہے کہ اہلحدیث فرقہ نہیں بلکہ یہ ایک تحریک ہے اور دراصل یہی وہ جماعت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے قائم کیا تھا۔

اہلحدیث کے یہ مسائل قرآن پاک کی صراحتوں سے مصرح رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ سے منصوص اور دوسرے ہر قسم کے منقولی و معقولی دلائل سے صحیح اور ثابت ہیں۔ مگر عجیب بات ہے کہ ان مسائل کے سلسلہ میں حنفی بزرگوں نے از اول تا آخر اختلاف کیا ہے اور ان کے بارے میں ان کا رد عمل بالکل دوسرا ہے اور ان کی سوچ بالکل الگ ہے۔ ہم نے اپنی اس پیش نظر تصنیف میں اپنی حد تک پوری کوشش کی ہے کہ ان مسائل پر گفتگو

کرتے وقت حنفی اہل علم بزرگوں کے احترام واکرام کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے مسائل زیر بحث کے بارے میں صرف کتاب وسنت کا موقف ہی ان کے سامنے پیش کر دیں اور اپنے بھائیوں کے غلط عقائد کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ان کے اعمال وافکار کی اصلاح کی سعی کریں اور صحیح راہ عمل ان کے سامنے کھولنے کا فریضہ انجام دیں۔

اس باب میں جہاں تک احناف بزرگوں کے اپنے دلائل کا تعلق ہے' جن کو وہ اپنے موقف کی صحت کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ ہم نے اپنی اس کتاب کی گنجائش کے مطابق ان کو بھی اپنے ہاں من وعن نقل کرنے میں کوئی بخل روا نہیں رکھا اور جہاں تک ممکن ہو سکا ہے ہم نے ان کے استدلال سے کوئی ناانصافی نہیں کی۔ ان کے دلائل نقل کرنے کے بعد ان کے جواب میں ہم نے اپنی گزارشات پیش کی ہیں تاکہ ہمارے قارئین فریقین کے دلائل کا تقابلی جائزہ لے سکیں اور انہیں صحیح نتیجہ پر پہنچنے اور اپنے لئے راہ عمل متعین کرنے میں آسانی میسر آ سکے۔

ہم اپنے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ سب کو راہ حق کے پانے' اس کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق ارزانی کریں' آمین

عبدالرحمن خلیق

نوٹ: بعض مقامات پر کاتب کی غلطی کی وجہ سے متن حادیث اور بعض مقامات پر حوالہ جات میں کمی بیشی تھی جسے حتی المقدور درست کر دیا گیا ہے۔ کسی مقام پر ایسی کوئی خامی نظر آئے تو اطلاع ملنے پر اگلے ایڈیشن میں اس کو بھی درستگی کر دی جائے گی۔

اپنے احناف قارئین سے

عزیزان گرامی!

یہ کتاب انتہائی نیک خواہشات کے ساتھ بطور ہدایہ اخلاص و محبت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے اور خدا گواہ ہے کہ اس پیش کش میں آپ سے بہترین ہمدردی کے سوا دوسرا کوئی جذبہ کار فرما نہیں ہے۔ ہم نے اس بات کی بھی پوری کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہماری گذارشات کے اسلوب میں بھی آپ کے لئے کوئی ثقافت راہ نہ پاسکے۔

اور آپ سے صرف یہ درخواست ہے کہ آپ اس بات کو پوری توجہ اور دلجمعی سے ازاوّل تا آخر ایک بار ضرور ہی مطالعہ فرمائیں۔

والسلام

مخلص

عبدالرحمن خلیق مصنف کتاب ہذا

رَفعُ الیَدَیْن

ایک عظیم سنّت جسے بلا دلیل ہی ترک کر دی گیا

رفع الیدین

رفع الیدین کا معنی تو اپنے دونوں ہاتھوں کا اوپر اٹھانا ہے۔ مگر شرعی اصطلاح میں رفع الیدین نماز کے اندر بعض مواقع پر اپنے دونوں ہاتھ کاندھوں یا کانوں کے برابر تک اوپر اٹھانے کو کہتے ہیں۔ سو واضح رہے کہ نماز کے اندر دونوں ہاتھوں کا اوپر اٹھانا چار مقامات پر وارد ہوا ہے۔

۱۔ نماز شروع کرتے ہوئے تکبیر تحریمہ کے وقت۔

۲۔ رکوع کے ارادہ سے تکبیر کہتے وقت۔

۳۔ رکوع سے سر اٹھاتے وقت۔ اور

۴۔ اگر تین یا چار رکعت کی نیت ہو تو دو رکعت پوری کر کے تیسری کے لئے کھڑے ہو کر۔

ان چار مقامات میں سے پہلی رفع الیدین کے بارے میں تو کسی کو بھی کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن باقی تین مقامات پر رفع الیدین کے سنت ہونے میں احناف بزرگوں نے اختلاف کیا ہے جبکہ احناف کے سوا پوری امت کے مسلمان اور ان کے تمام ہی فقہی مسالک فکر یعنی اہل حدیث، مالکی، شافعی اور حنبلی سب کے سب ان چاروں مقامات پر رفع الیدین کو سنت سمجھتے ہیں۔

اسوۂ رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ کہ لوگو!

تم بھی نماز ٹھیک ایسے ہی پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو۔ پس آیئے اس ارشاد گرامی کی تعمیل میں ہم مسئلہ رفع الیدین کے سلسلہ میں بھی اسی سراج نبوت سے اکتساب نور کرتے ہیں۔ جو محض اسی غرض سے ہمارے لئے روشن کیا گیا ہے۔

رفع الیدین کے سنت صحیحہ ' ثابتہ اور متواترہ ہونے کے بارے میں روایات اور راویوں کی اتنی بڑی تعداد پائی جاتی ہے کہ دین اسلام کے دوسرے کسی بھی مسئلے پر اس کثرت سے روات اور رویات کا اجتماع و قوع نہیں پا سکا ہے۔ اس کے راویوں میں بروایات مختلفہ پچاس سے بھی زیادہ تو اصحاب رسول ہی پائے جاتے ہیں اور دو صحابیاتؓ ان کے علاوہ ہیں۔

حضرت علامہ مجدالدین فیروز آبادی مصنف قاموس تحریر کرتے ہیں کہ :

"رفع الیدین کے سنت ہونے پر صحت کو پہنچنے والی روایات اور اخبار و آثار کی تعداد چار صد ہے۔" (سفر السعادت)

مگر ہم اپنے قارئین کی آسانی کے لئے یہاں صرف چند انہی روایات کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔ جو ان راویوں سے صحاح ستہ میں وارد ہوئی ہیں جو نبی ﷺ کی زندگی کے اس دور میں ایمان لائے تھے جب آپ کی ساعت وصال بالکل قریب تھی اور انہوں نے آپ کی اقتداء میں آپ کی زندگی کے آخری زمانہ میں نماز ادا کی ہیں۔

ظاہر ہے کہ آپ کی زندگی کے آخری زمانہ میں آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے والے بزرگ آپؐ سے جو کچھ بھی نقل کریں گے وہ آپ کی زندگی کے مستقل معمولات کی ہی عکاسی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا طریق نماز

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

إِنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ وَكَبَّرَ ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهِ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَّرْكَعَ أَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنَ الثَّوْبِ ثُمَّ رَفَعَهُمَا فَكَبَّرَ فَرَكَعَ فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ۔

(مسلم جلد ۲) کہ میں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا- آپؐ نے جب نماز شروع کی تو اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور تکبیر کہی پھر اپنے ہاتھ اپنی چادر میں ڈھانپ لئے دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا (اور نماز پڑھنے لگے) پھر جب آپؐ نے رکوع کا ارادہ کیا تو دونوں ہاتھ چادر سے باہر نکالے اور رفع الیدین کرتے ہوئے رکوع کے لئے تکبیر کہی- پھر جب آپ رکوع کر چکے اور سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے ہوئے اٹھے تو پھر رفع الیدین کی-

یاد رہے کہ یہ حضرت وائل بن حجر حضر موت کے باشندہ ہیں- آپ نے جنگ تبوک کے بعد ۹ ھ میں اسلام قبول کیا ہے (البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۷۵) آپ شاہ حضر موت کے بیٹے تھے- جب آپ ایمان لا کر مدینہ تشریف لائے تو نبی ﷺ نے ان کی بے حد تکریم کی اور اپنی چادر پاک اپنے کندھوں سے اتار کر ان کے لئے بچھا دی اور انہیں اپنے پہلو میں جگہ دی (الاکمال فی اسماء الرجال) آپ نے مدینہ کا سفر دو بار اختیار کیا اور اس سفر سے جیسا کہ آپ نے خود فرمایا ہے- ان کی غرض بس یہی ایک تھی کہ لَاَنْظُرَنَّ اِلٰی الصَّلٰوۃِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی ان سفروں کا مقصد صرف رسول اللہ ﷺ کے طریقہ نماز کا علم حاصل کرنا تھا-

دوسری روایت میں انہوں نے اپنے مشاہدہ کا ذکر فَكَانَ اِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ کے الفاظ میں بصیغہ ماضی استمراری کیا ہے کہ آپؐ اپنی نماز میں رفع الیدین کیا کرتے تھے (ابوداؤد مع عون المعبود) (صفحہ ۲۶۴ جلد ۱)

وہ آپ کے اصحابؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الشِّتَآءِ فَرَاَيْتُ اَصْحَابَهٗ يَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَهُمْ فِيْ ثِيَابِهِمْ فِي الصَّلٰوةِ -

(ابوداؤد مع عون المعبود جلد ۱ صفحہ ۲۶۵) کہ جب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو سردیوں کا موسم تھا اور میں نے دیکھا کہ حضورؐ کے اصحاب بھی (آپ کی طرح ہی) اپنی

چادروں کے نیچے سے (ہاتھ نکال نکال کر) رفع الیدین کرتے تھے۔

آپ جب دوبارہ تشریف لائے تو بھی نماز کی صورت یہی تھی۔ فرماتے ہیں

ثُمَّ جِئْتُ بَعْدَ ذٰلِکَ فِیْ زَمَانٍ فِیْهِ بَرْدٌ شَدِیْدٌ فَرَاَیْتُ النَّاسَ عَلَیْهِمْ جُلُّ الثِّیَابِ تُحَرِّكُ اَیْدِیْهِمْ تَحْتَ الثِّیَابِ۔

(ابوداؤد مع عون المعبود جلد ا صفحہ ۲۶۵) کہ جب (اگلے برس) میں دوبارہ آیا تو موسم اتنا سرد تھا کہ لوگوں نے بوجھل کپڑے اوڑھ رکھے تھے۔ مگر رفع الیدین بدستور ہی کپڑوں کے نیچے سے (ہاتھ باہر نکال نکال کر) کرتے تھے۔

حضرت مالک بن حویرثؓ بھی حضرت وائل بن حجر کے ساتھ ۹ھ میں ہی ایمان لائے ہیں۔ صاحب کمال تحریر کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ان کو اپنے پاس ٹھہرالیا۔ اور بیس روز تک وہ آپؐ کے مہمان بنے رہے۔ انہوں نے اپنے زمانہ قیام میں حضور علیہ السلام کو جس طرح نماز پڑھتے پایا۔ انہوں نے بھی اسی طریقہ کو اپنا معمول بنالیا۔ بخاری اور مسلم میں خود ان کی اپنی زبان سے بھی رفع الیدین کی ایک مختصر روایت وارد ہوئی ہے۔ مگر ان کا معمول حضرت ابو قلابہ کی زبان سے زیادہ تفصیل کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ حضرت ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مالک بن حویرث کو نمازیں ادا کرتے دیکھا ہے ان کی حالت یہ تھی کہ:

اِذَا صَلّٰی کَبَّرَ ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْهِ وَاِذَا اَرَادَ اَنْ یَّرْکَعَ رَفَعَ یَدَیْهِ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّکُوْعِ رَفَعَ یَدَیْهِ وَحَدَّثَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَفْعَلُ هٰکَذَا (مسلم جلد ۲ باب رفع الیدین) یعنی وہ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور رفع الیدین کرتے۔ پھر جب رکوع کا ارادہ کرتے تو رفع الیدین کرتے رکوع سے اٹھتے تو پھر رفع الیدین کرتے تھے۔ آپ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ٹھیک اسی طرح نماز ادا کیا کرتے تھے احادیث اثبات رفع الیدین کے راویوں میں ایک

اور موخر الایمان صحابی حضرت ابی حمید ساعدیؓ ہیں۔ آپ بھی حضور علیہ السلام کے آخری زمانہ حیات میں ایمان لائے اور آپ کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے۔ حضورؐ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد صحابہؓ کی ایک مجلس میں جہاں حضورؐ کے متعدد صحابی موجود تھے آپ نے فرمایا میں تم سب سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کو بہتر طور پر جانتا ہوں۔ اصحاب رسول نے سننے کا شوق ظاہر کیا تو آپ نے حضورؐ کی نماز کی پوری تفصیل بیان کی ' رفع الیدین کے سلسلہ میں فرمایا۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يَرْكَعُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَاسَه فَيَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ اِذَا قَا مِنَ الرَّكْعَتَين كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ قَالُوْا صَدَقْتَ هٰكَذَا كَانَ يُصَلِّيْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ابوداؤد مع عون المعبود جلد ۱ صفحہ ۲۶۵ و ترمذی مع معارف السنن جلد ۳ صفحہ ۱۴۸) کال ابو عیسیٰ : ھذا حدیث حسن صحیح

یعنی نبی ﷺ جب نماز قائم کرتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کی برابر تک بلند کرتے اور تکبیر کہہ کر نماز پڑھنے لگتے۔ پھر رکوع کی غرض سے تکبیر کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ پہلے کی طرح ہی کندھوں کے برابر تک بلند کرتے۔ اور رکوع میں چلے جاتے پھر سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے ہوئے رکوع سے سر اٹھاتے اور پہلے کی طرح ہی رفع الیدین کرتے۔ پھر جب دو رکعت پوری کر کے تیسری کے لئے کھڑے ہوتے تو جس طرح انہوں نے نماز شروع کرتے وقت رفع الیدین کی تھی پھر رفع الیدین کرتے۔ وہ بات ختم کر چکے تو مجلس میں موجود سب کے سب اصحاب رسولؐ نے بیک زبان ان کی تصدیق کی اور کہا بلاشبہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح نماز ادا کیا کرتے تھے۔ اس مجلس میں موجود بزرگوں کے اسماءِ گرامی یہ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ' حضرت محمد بن مسلمہؓ' حضرت ابو اسیدؓ' حضرت بریدہؓ' حضرت حسن بن علیؓ' حضرت سہلؓ' حضرت زیدؓ' حضرت عقبہؓ' حضرت ابو سعیدؓ اور حضرت عمارؓ' حضرت ابو مسعودؓ' حضرت عبداللہ بن عمرؓ' حضرت سلمانؓ' حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ' حضرت ابو سعیدؓ' صحابیات میں سے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمِ درداءؓ نے حضرت ابی حمید' ساعدی کا یہ بیان سنا اور انھوں نے اس کی تصدیق کی۔

اصحاب رسولؐ سے تبع تابعینؒ تک

اس بات کو قارئین بھی سمجھتے ہوں گے۔ کہ اس مختصر سی تحریر میں پیش نظر موضوع پر زیادہ تعداد میں روایات کا سمو سکنا ممکن نہیں ہے جب کہ ایسی روایات کی تعداد جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں پوری چار صد ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں ہم اپنے قارئین کے ایمان میں تازگی اور توانائی پیدا کرنے کے لئے ان اصحاب رسولؐ اور تابعینؒ کی فہرست یہاں درج کئے دیتے ہیں جنھوں نے رفع الیدین کو نبی ﷺ سے بلا واسطہ یا بالواسطہ نقل کیا ہے ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ' حضرت عمر فاروقؓ' حضرت عثمان ذوالنورینؓ' حضرت علی المرتضیٰؓ' حضرت طلحہؓ' حضرت زبیرؓ' حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ' حضرت سعید بن زیدؓ' حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ' یہ دس بزرگ عشرہ مبشرہ کہلاتے ہیں کیونکہ ان سب کو رسول اللہ ﷺ نے اس دنیوی زندگی میں ہی جنت کی خوشخبری دے رکھی تھی۔

دوسرے اصحاب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ [1] حضرت ابوہریرہؓ حضرت ابوسعید خدریؓ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت انس بن مالکؓ حضرت ابودرداء حضرت ابومسعود انصاریؓ حضرت براء بن عازبؓ حضرت جابر بن عبداللہؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت سلمان فارسیؓ حضرت عبداللہ بن جابر البیاضیؓ حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت قتادہؓ حضرت ابو قتادہؓ حضرت عمیر بن قتادہؓ حضرت ابواسیدؓ حضرت محمد بن مسلمہؓ حضرت سہل بن سعدؓ حضرت عقبہ بن عامرؓ حضرت حسن بن علیؓ حضرت حسین بن علیؓ حضرت ابوحمید ساعدیؓ حضرت مالک بن حویرثؓ حضرت وائل بن حجرؓ حضرت بریدہؓ حضرت حکم بن عمیرؓ حضرت زیاد بن حارثؓ حضرت عمران بن حصینؓ حضرت حمید بن بلالؓ حضرت عبید بن عمیرؓ حضرت عمیر اللیثیؓ حضرت فلتان بن عاصمؓ حضرت سلیمان بن یسارؓ حضرت اعرابیؓ حضرت عمران بن طفیلؓ حضرت ابان لمحاربیؓ۔ صحابیات میں سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت ام درداءؓ۔

تابعین بزرگوں میں حضرت حسن بصریؒ حضرت عطاء ابن رباحؒ حضرت طاؤسؒ حضرت مجاہدؒ حضرت نافعؒ حضرت سالم بن عبداللہؒ حضرت مکحولؒ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت علقمہ بن وائلؒ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ حضرت ابن سیرینؒ حضرت نعمان بن عیاشؒ حضرت حسن بن مسلمؒ حضرت قیس بن سعدؒ حضرت عبداللہ بن دینارؒ حضرت ابی قلابہؒ حضرت قاسم بن محمد اور حضرت محمد بن شہابؒ زہری۔

---

[1] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نام سے نسائی ترمذی اور ابوداؤد میں ایک روایت نقل ہوتی ہے جس میں رفع الیدین سے انکار کیا گیا ہے۔ مگر یہ روایت نہایت درجہ ضعیف اور جعلی ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے اپنے ہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو رفع الیدین کے قائلین میں شمار کیا ہے (جزو رفع الیدین) اس بے اصل اور جعلی روایت پر تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۲۰

فقہائے امت میں سے اسلام کے وہ فقہی ستون بھی اس فہرست میں شامل ہیں جن کی فقاہت اسلام کا سرمایہ ناز ہے جیسے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ۔ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت احمد بن حنبلؒ، حضرت امام اوزاعیؒ اور حضرت امام اسحٰقؒ۔

بعد کے زمانوں تک

حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ رفع الیدین کے سنت ہونے پر اصحاب رسولؐ کا اجماع ہو چکا ہے انہوں نے حضرت حسنؓ اور حضرت حمید بن بلالؒ سے نقل کیا ہے کہ اصحاب رسولؐ میں سے کوئی ایک صحابی بھی ایسا نہیں تھا، جو رفع الیدین نہ کرتا ہو جزء رفع الیدین صفحہ ۴۸ امام بخاری، بیہقی جلد ۲ ابن عساکرؒ حضرت ابی مسلمہ اعرج سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں تمام لوگوں کو ہی رفع الیدین کرتے پایا ہے (تاریخ ابن عساکر)

حاکمؒ تحریر کرتے ہیں کہ عشرہ مبشرہ سب کے سب ہی رفع الیدین کے سنت ہونے پر متفق ہیں، وہ مزید لکھتے ہیں کہ حدیث کے پورے ذخیرہ میں سوائے رفع الیدین کے دوسری کوئی سنت ایسی نہیں ہے جس پر عشرہ مبشرہ کا اتفاق ہوا ہوا۔[1]

علامہ مجدالدین فیروز آبادی فرماتے ہیں کہ:

لِكَثْرَةِ رَوَاتِهٖ شَابَهُ الْمُتَوَاتِرَ فَقَدْ صَحَّ فِيْ هٰذَا الْبَابِ اَرْبَعُ مِائَةِ خَبَرٍ وَّاَثَرٍ وَرَوَاتُهُ الْعَشَرَةُ الْمُبَشَّرَةُ وَلَمْ يَزَلْ عَلٰى هٰذِهِ الْكَيْفِيَّةِ حَتّٰى رَحَلَ عَنْ هٰذَا الْعَالَمِ وَلَمْ يَثْبُتْ غَيْرُهَا۔ (سفر السعادہ طبع مصر صفحہ ۹)

کہ رفع الیدین کی حدیث اپنے راویوں کی کثرت کے سبب متواتر کے درجہ تک پہنچ چکی ہے۔ اس کے باب میں آثار و اخبار اور احادیث کی تعداد چار صد ہے۔ اور اس کے راویوں میں عشرہ

---

[1] مستدرک حاکم

مبشرہ بھی شامل ہیں رفع الیدین اپنی حالت پر رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری لمحہ تک قائم رہی ہے۔اس کے خلاف ہرگز کچھ ثابت نہیں ہے۔

حضرت ابن جوزیؒ نے حضرت امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ اسے جب رفع الیدین کے بارے میں حدیث رسولؐ پہنچ چکے تو پھر وہ آپ کی سنت پر عمل نہ کرے (نزہت الناظر المقیم والمسافر)

حضرت امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ معمول نقل کیا ہے کہ

كَانَ اِذَا رَاٰى رَجُلاً لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِذَا رَكَعَ وَاِذَا رَفَعَ رَمَاهُ بِالْحُصٰى

(جزء رفع الیدین صفحہ ۷) کہ جب وہ کسی نمازی کو دیکھتے کہ وہ اپنی نماز میں رفع الیدین کی سنت پر عمل نہیں کر رہا تو وہ اسے کنکریوں سے مارتے (کہ ظالم رفع الیدین کیوں نہیں کرتا)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ارشاد ہے۔ رَفْعُ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الْاِفْتِتَاحِ وَالرُّكُوْعِ وَالرَّفْعِ مِنْهُ (غنیۃ الطالبین مترجم فارسی علامہ عبدالحکیم حنفی صفحہ ۱۱)

کہ رفع الیدین وارد ہوئی ہے نماز شروع کرتے وقت' رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اگرچہ رفع الیدین کے ترک واختیار میں میانہ روی پر پہنچ کر ہی ٹھہر گئے ہیں۔ مگر اپنے دل کی بات وہ بھی یہی بتاتے ہیں کہ وَالَّذِیْ يَرْفَعُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّنْ لَا يَرْفَعُ فَاِنَّ اَحَادِيْثَ الرَّفْعِ اَكْثَرُ وَاَثْبَتُ۔ (حجۃ اللہ البالغہ مترجم جلد ۲ صفحہ ۴۸۵) کہ رفع الیدین کرنے والا شخص مجھے نہ کرنے والے کے

مقابلہ میں زیادہ محبوب ہے کیونکہ رفع الیدین کی احادیث بکثرت بھی ہیں اور ثابت شدہ بھی ہیں۔

احناف کا اضطراب

جو لوگ رفع الیدین کی سنت پر عمل نہیں کر رہے ان کی یہ حالت بڑی ہی قابل رحم بلکہ دردناک بھی ہے کہ وہ ایک طرف تو رفع الیدین کے حق میں وارد ہونے والی روایات میں سے کسی ایک روایت کو ضعیف بھی نہیں کہہ سکتے دوسری طرف خود ان کے اپنے دامن میں ترک رفع الیدین کی تائید میں حدیث کے پورے ذخیرہ کے اندر کوئی ایک بھی صحیح روایت موجود نہیں ہے۔

احناف بزرگوں نے اپنے لئے یہ دردناکی بے سبب ہی پیدا کر رکھی ہے ورنہ بات بڑی سیدھی تھی کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اگر رفع الیدین کے سلسلے میں کوئی صحیح حدیث نہیں پا سکے تھے تو یہ اس وقت کی مجبوری ہوگی مگر بعد میں جب احناف بزرگوں پر صحیح صورت حال واضح ہو گئی تھی تو انہیں اس سنت پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہنی چاہئے تھی اور پیش آمدہ حالات میں قول امام کو ترک کرنے کی یہ کوئی نئی بات بھی نہیں تھی۔ کیونکہ اور بھی کتنے ہی مسائل میں احناف حضرت امام ابو حنیفہؒ کی پیروی نہیں کر رہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ احناف بزرگوں نے یہ سیدھی راہ اختیار کرنے کی بجائے اپنی ساری صلاحیتیں رفع الیدین سے بچ نکلنے کی تدبیروں پر ہی صرف کر دیں اور اس کو انہوں نے اپنے وقار کا سوال بنا لیا۔ حقائق کا گھیرا بڑا سخت تھا مگر بالآخر چوتھی صدی ہجری کے ایک حنفی بزرگ امام طحاوی نے اس گھیرے کو توڑ کر نکل جانے کی ایک تدبیر سوچ ہی لی انہوں نے لکھا کہ رفع الیدین کی احادیث صحیح اور ثابت تو ہیں مگر رسول اللہ ﷺ نے اس عمل کو بعد میں منسوخ کر دیا تھا۔ (معانی الآثار طحاوی جلد اول) اور تعجب پر تعجب ہے کہ نویں صدی ہجری

کے دو عظیم حنفی علماء علامہ عینیؒ اور ابن ہمامؒ نے بھی اپنی تمام تر علمی وسعتوں کے باوجود امام طحاویؒ کی اس دریافت کو غنیمت سمجھ کر قبول کر لیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

اب اگر پوچھا جائے کہ (۱) یہ سنت کیوں منسوخ کی گئی (۲) کس زمانہ میں منسوخ کی گئی (۳) منسوخی کا وہ حکم حدیث کی کس کتاب میں درج ہے؟ تو افسوس ہے کہ احناف بزرگوں کے پاس ان میں سے کسی سوال کا جواب بھی موجود نہیں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی اس زیر نگاہ تحریر میں جو احادیث درج کی ہیں ان کو صحیح مان لینے کے بعد کوئی بھی صاحب علم وخرد شخص رفع الیدین کی منسوخی کی بات نہیں کر سکتا۔

جیسا کہ ہم عرض کر آئے حضرت وائل بن حجرؓ اور حضرت مالک بن حویرثؓ دونوں ہی ۹ ہجری میں ایمان لائے ہیں اور حضرت ابو حمید ساعدیؓ بھی تقریباً اسی زمانہ میں ہی مسلمان ہوئے ہیں۔ یہ زمانہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا آخری زمانہ ہے اور اس زمانہ تک حضورؐ اور آپ کے اصحابؓ کا رفع الیدین کرنا ان کی بیان کردہ روایات سے ثابت ہے۔

حضرت وائل بن حجرؓ پہلی بار ۹ ہجری میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور دوسری مرتبہ ۱۰ ہجری کے اواخر میں مدینہ پہنچے ہیں اور وہ دونوں بار ہی حضور علیہ السلام اور آپ کے اصحابؓ کو رفع الیدین کی سنت پر عمل کرتے پاتے ہیں اور یہ اہتمام اس درجہ شدید تھا کہ آپؐ اور آپ کے اصحابؓ اپنی چادروں سے ہاتھ باہر نکال نکال کر رفع الیدین کرتے تھے۔

۱۱ ہجری کے ابھی اڑھائی ماہ بھی پورے نہ ہو سکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی۔ پھر رفع الیدین کب منسوخ ہوئی اور کس نے کی؟

عقل کی راہ

یہ صورت احناف کے لئے پہلے سے بھی زیادہ دردناک تھی اور اہل علم کی شان کے خلاف تھی کہ وہ علمی دنیا کے سامنے ایک غیر دستاویزی' غیر علمی اور بے بنیاد بات پر جمے رہیں اس لئے بعد کے احناف اہل علم و خبر بزرگوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اپنے بزرگوں کی غلطی کا کھلے بندوں اعتراف کریں اور خواہ پہلی دردنا کی قائم ہی رہے مگر علمی دنیا کے سامنے مستقبل کی ندامت سے بچ سکیں۔ چنانچہ مشہور حنفی بزرگ اور بلند پایہ عالم حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا! گو ہم رفع الیدین کو سنت موکدہ نہیں کہتے کہ اس کے نہ کرنے سے کوئی شخص ملامت کا محل ہے مگر رفع الیدین کا ثبوت نبی ﷺ سے بکثرت ہے اور راجح (یعنی لائق ترجیح) ہے۔

طحاوی' عینی اور ابن ہمامؒ نے جو بعض صحابہؓ سے حسنِ ظن کی بنیاد پر رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو یہ دعویٰ بے بنیاد ہے اور ان کے دلائل قطعاً غیر تسلی بخش ہیں۔ (التعلیق الممجد صفحہ ۹۱) حضرت مولانا انور شاہؒ نے تحریر کیا ویعلم ان الرفع الیدین متواترا سناداً وعملاً لایشک فیه ولا ینسخ ولا حرف منه فانما بقی الکلام فی الافضلیته (نیل الفرقدین صفحہ ۲۲) یعنی حق یہی ہے کہ رفع الیدین سنداً اور عملاً متواتر ہے ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہے اور اس کا ایک حرف بھی منسوخ نہیں ہے اور کلام صرف اس کی فضیلت میں ہے۔

حضرت علامہ سندھی حنفی نے تو بڑے ہی کھلے دل اور بڑے ہی اعتماد سے اظہار حق فرمایا ہے' لکھتے ہیں۔

ثم مالک بن الحویرث ووائل بن من رواۃ الرفع ممن صلی مع النبی ﷺ فی آخر عمره ﷺ فروایتهما الرفع عند الرّکوع والرفع منه دلیل

بقاء ہ وبطلان دعوٰی نسخہ اھـ

یعنی مالک بن حویرثؓ اور وائل بن حُجر ان اصحابِ رسولؐ میں سے ہیں۔ جنہوں نے حضورؐ کی اقتداء میں حضورؐ کی زندگی کے آخری زمانہ میں نمازیں ادا کی ہیں۔ ان کا رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے' رسول اللہ ﷺ سے رفع الیدین کا بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ رفع الیدین حضورؐ کی زندگی کے آخری روز تک باقی رہی ہے اور اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ صریحاً باطل ہے۔

مولانا محمود الحسن کا عذر

رفع الیدین کی تنسیخ کی کہانی تو اپنے انجام کو پہنچ چکی۔ البتہ جناب مولانا محمود الحسنؒ دیو بندی کا ایک عذر ضرور قابل توجہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں' رفع الیدین کی احادیث تو صحیح ہیں مگر رسول اللہ ﷺ نے اس پر عمل ہمیشہ نہیں کیا تھا (ایضاح الادلہ مولانا محمود الحسن) اس کے جواب میں ہم صرف ایک حدیث ہی پیش کئے دیتے ہیں۔۔۔۔۔

عن عبداللّٰہ بن عمر قال ان رسُوْل اللّٰہ ﷺ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حذومنکبیہ اذا افتتح الصَّلٰوۃ واذا کبرللرّکوع واذا رفع راسہ من الرکوع رفعھما کذالک فمازالت تِلک صلوتہ حتّٰی لقی اللّٰہ (بیہقی) یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب نماز شروع کرتے تو کندھوں کے برابر تک اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے تو بھی اسی طرح اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اوپر اٹھاتے پھر جب رکوع سے سر اٹھاتے تو پھر رفع الیدین کرتے آپؐ کی نماز ہمیشہ اسی طرح رہی یہاں تک کہ آپؐ نے وفات پائی۔ اس روایت کی صحت و اصابت کے بارے میں صرف یہی کہہ دینا کفائت کرتا ہے کہ حضرت امام زیلعی حنفی نے اس

اھـ حاشیہ سنن نسائی جلد اول صفحہ ۱٤٠ حاشیہ ابن ماجہ جلد اول صفحہ ۲۸۲

حدیث کو اپنی کتاب نصب الرایۃ تخریج الہدایہ میں بغیر کسی تنقید کے قبول کیا ہے۔(نصب الرایۃ جلد ا صفحہ ۴۱۰)

انتباہ

بیہقی شریف کے حوالے سے جو ہم نے اوپر حدیث پیش کی ہے فَمَا زَالَتْ تِلْكَ صَلٰوتُهٗ حَتّٰى لَقِيَ اللّٰه کہ حضور علیہ السلام جب تک زندہ رہے رفع الیدین آپ کی نماز میں شامل رہی۔

افسوس کہ اب بازار میں دستیاب بیہقی کے اندر یہ حدیث ان الفاظ میں پائی نہیں جاتی۔ یہ حدیث احناف کی راہ کا ایک سنگ گراں تھی انہوں نے چپکے سے یہ حدیث ہی بیہقی سے گم کر کے اپنی راہ صاف کر لی[۱]۔

مخالف دلائل

اثبات رفع الیدین میں رسول اللہ ﷺ سے وارد ہونے والی احادیث صحیحہ و متواترہ کا سامنا کرتے ہوئے حنفی اہل علم جس اضطراب میں مبتلا ہیں ہمارے قارئین گذشتہ بحث میں اسے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

افسوس ہے کہ حنفی اہل علم نے حق کے کھل جانے پر ایک مومن قانت کی طرح حق کو اختیار کر لینے کے بجائے اپنے ناحق کی حفاظت کا فیصلہ کیا اور اپنے ناحق کو حق بنانے کے لئے سرگرم کار ہو گئے اور اس مقصد کے لئے انہوں نے روایات کے کباڑ خانے سے چند ایسی گھسی پٹی' بے اصل اور موضوع روایات' دریافت کر لیں جو اگرچہ خود ناحق تھیں مگر ان کے ناحق کی معاون تھیں۔

---

[۱] اس درد ناک کہانی اور احناف کی اس مثالی خیانت کے بارے میں تفصیلی بحث آپ اس کتاب کے آخر میں زیر عنوان "حنفی بزرگ" ملاحظہ کریں گے۔ انشاء اللہ

بات کو بوجھل بنانے کے لئے انہوں نے مسلم شریف کی ایک روایت بھی اپنی حمایت میں پیش کی ہے' مگر اس نے بھی ان کے خلاف بھرپور گواہی دی ہے۔

حنفی اہل علم بزرگوں کی پیش کردہ تمام روایات کا تو اس مختصر تحریر میں محاکمہ ممکن نہیں ہے' تاہم طالبان حق کے لئے یہاں ہم ان کی چند سرفہرست روایات کا جائزہ پیش کرتے ہیں جن پر حنفی بزرگوں کو ناز ہے اور جو ان کی جمع و ترتیب کا راس المال ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ کی ایک روایت کے بموجب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے احباب خاص (الاسود و علقمہ وغیرہ) سے کہا:

اَلَا اُصَلِّیْ لَکُمْ صَلَاۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ فَصَلّٰی فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا مَرَّۃً۔ (ابو دائود مع عون المعبود جلد۱ صفحہ ۲۷۲ و ترمذی مع معارف السنن جلد۲ صفحہ ۴۸۸)

"کہ میں تمہیں وہ نماز نہ پڑھاؤں جو رسول اللہ ﷺ پڑھا کرتے تھے؟ (علقمہ کہتے ہیں کہ) پھر انہوں نے ہمیں نماز پڑھائی اور سوائے پہلی تکبیر (یعنی تکبیر تحریمہ) کے انہوں نے پوری نماز میں پھر کہیں رفع الیدین کا عمل نہیں دہرایا۔"

ابوداؤد میں اس روایت کی سند یہ بیان کی ہوئی ہے:

حدثنا عثمان بن ابی شیبه حد ثنا وکیع عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن بن الاسود عن علقمه۔

حنفی بزرگوں نے اس روایت کو جس زعم اور جس اعتماد کے ساتھ بخاری اور مسلم کی روایات صحیحہ کے مقابلہ میں پیش کیا ہے اسی درجہ کے اعتماد کے ساتھ محدثین نے اس روایت کو مردود قرار دیا ہے کیونکہ اس روایت کا ایک راوی جیسا کہ اس کی سند سے ظاہر ہے

عاصم بن کلیب ہے جو باتفاق کبار محدثین سخت درجہ کا ضعیف راوی ہے۔

خود ابوداؤد شریف میں ہی اس روایت کو درج کرنے کے بعد امام ابوداؤد لکھتے ہیں کہ لیس ہو بصحیح علی ہذا اللفظ کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ بقول شاعر۔

دوست ہی دشمن جاں ہو گیا اپنا حافظ　　　انوشدارو نے کیا اثر سم پیدا

یہ روایت ترمذی شریف میں بھی ہے۔ اگرچہ امام ترمذی نے اس روایت کو درج کرنے کے بعد اس کی تحسین کی ہے۔ مگر جب بیس کے قریب ماہرین فن حدیث اس روایت کے ضعیف ہونے پر متفق ہوں تو امام ترمذی کی تحسین کی کیا قدر و قیمت رہ جاتی ہے۔ جبکہ وہ تحسین کرنے میں ہوں بھی متساہل' جیسا کہ علامہ زیلعی نے تکبیرات عیدین کے سلسلہ کی ایک روایت پر (جسے امام ترمذی نے حسن کہا تھا) نقد کرتے ہوئے لکھا ہے۔ وکم حسن الترمذی فی "کتابہ" من أحادیث موضوعۃ' وأسانید واھیۃ : (نصب الرایہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۷) اور کتنی ہی موضوع اور واہیات سند والی احادیث ہیں جن کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے۔

عون المعبود شرح ابوداؤد جلد ا صفحہ ۲۷۲ میں ہے: لا یصلح الاحتجاج لانہ ضعیف غیر ثابت کہ یہ روایت دلیل کے لائق نہیں' ضعیف بھی ہے اور ثبوت کو بھی نہیں پہنچی۔ امام شوکانی لکھتے ہیں:

"اس روایت کو عبداللہ بن مبارکؒ اور احمد بن حنبلؒ نے ضعیف قرار دیا ہے (الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ) امام نوویؒ شارح صحیح مسلم تحریر کرتے ہیں:

یہ روایت باتفاق محدثین ضعیف ہے۔ (الخلاصہ نووی)

مسک الختام شرح بلوغ المرام میں ہے

یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ (مسک الختام جلد اول)

علامہ ابن حجر عسقلانی عبداللہ بن مبارک سے نقل کرتے ہیں

لم یثبت عندی میرے نزدیک یہ روایت ثبوت کو نہیں پہنچی۔ (تلخیص الجیرلابن حجر) (جزاول جلد اصفحہ ۲۲۲)

ابو حاتم نے کہا ھذا حدیث خطاء' احمد بن حنبلؒ اور ان کے شیخ یحیٰ بن آدم کہتے ہیں ھو ضعیف امام بخاری نے بھی یہ قول اپنے ہاں نقل کیا ہے (جزء رفع الیدین امام بخاریؒ) (تلخیص الجیرلابن حجر جلد اصفحہ ۲۲۲)

امام دار قطنی لکھتے ہیں:

لم یثبت کہ یہ روایت فی الحقیقت ہی نہایت درجہ کی ضعیف ہے۔

محمد بن جابرؒ کہتے ہیں کہ لاشئی کہ یہ روایت بے اصل ہے۔

صاحب مسک الختام نے اس باب میں بہت سے اقوال نقل کئے ہیں۔ ان حالات میں یہ حنفی اہل علم بزرگوں کا ہی حوصلہ ہے کہ وہ اس لاشیئی' مردود' ضعیف بلکہ اضعف یعنی ضعیف تر روایت کو بخاری شریف اور مسلم شریف کی صحیح' مرفوع اور متواتر احادیث کے مقابلے میں پیش کریں اور پھر اپنی اس دریافت پر ناز بھی کریں۔

مسلم شریف

حنفی اہل علم عموماً اپنا کام ضعیف' اختراعی' بے اصل اور موضوع روایات سے ہی چلاتے ہیں۔ کیونکہ مسلک کے نام سے ان کی جمع و ترتیب صحیح احادیث سے اکثر ہی ہموار نہیں ہے۔ اور یہ شاید پہلا موقع ہے کہ انہوں نے کسی صحیح حدیث کو پورے اعتماد کے ساتھ اپنے حق میں پیش کرنے کا حوصلہ کیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس باب میں وہ اپنے علم اور اپنی دیانت داری کی قربانی پیش کر کے بھی صحیح حدیث کو اپنا نہیں بنا سکے۔ احناف بزرگوں کی پیش کردہ حدیث یہ ہے:

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ

مَالِیْ اَرَاکُمْ رَافِعِی اَیْدِیْکُمْ کَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَیْلٍ شُمْسٍ اُسْکُنُوْا فِی الصَّلٰوۃِ (مسلم شریف مترجم مع شرح نووی جلد ۲ صفحہ ۵۵)

کہ رسول اللہ ﷺ ہماری طرف تشریف لائے اور (ہماری نماز کو دیکھ کر) فرمایا' یہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ تم نماز میں اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے ہو (اور یوں ہلاتے ہو) جیسے وہ منہ زور اور سرکش گھوڑوں کی دمیں ہوں۔ نماز میں ایسا نہ کیا کرو۔

راوی نے اس روایت میں بات کی تفصیل بیان نہیں بلکہ اختصار کے پیش نظر بات کو مجمل رکھا ہے' ورنہ بات وہ نہیں جو احناف نے بنائی ہے۔ اور یہ بھی امر واقعہ ہی ہے کہ یہ روایت احناف کی دلیل بھی اس وقت تک ہی ہے جب تک بات کھل نہیں جاتی۔ پھر جونہی بات کھل گئی تو سمجھئے کہ احناف کی دلیل بھی صفحہ کاغذ سے ساتھ ہی دھل گئی۔

آؤ بات کو کھولیں

واضح ہو کہ حنفی اہل فن نے مسلم شریف کے جس باب سے اس حدیث کو اڑایا ہے وہ سرے سے رفع الیدین کا باب ہی نہیں ہے بلکہ وہ باب تشہد کے مسائل پر مشتمل ہے اور جس رفع الیدین فی الصلوٰۃ سے اس روایت کے بموجب روکا گیا ہے اس کا تعلق بھی اس رفع الیدین سے نہیں جو نماز میں داخل ہوتے' پھر رکوع کے لئے جھکتے' رکوع سے اٹھتے اور تیسری رکعت کے لئے اٹھ کر کی جاتی ہے بلکہ یہ کوئی ایسی رفع الیدین ہے جسے لوگ نبی ﷺ کے علم واطلاع کے بغیر اپنے طور پر ہی تشہد کی حالت میں بیٹھے کیا کرتے تھے۔ مسلم شریف کے اس باب میں جہاں سے یہ روایت لی گئی ہے صرف تین روایات ہی وارد ہوئی ہیں اور یہ تینوں روایات ایک ہی راوی حضرت جابر بن سمرہ سے ہی وارد ہوئی ہیں اور ایک ہی واقعہ کے بارے میں ہیں جسے راوی نے مختلف اوقات میں حسب ضرورت بیان کیا ہے۔

ان تینوں روایات میں سے پہلی روایت جو غیر مفصل ہے اور اس امر کو احناف کے نصیب کی کوتاہی ہی کہنا چاہیے کہ انہوں نے اس روایت کو اپنے حق میں استعمال کیا ہے اور اس کو رفع الیدین کے خلاف اپنی دلیل بنایا ہے جبکہ خود اس روایت کو بھی احناف کی دلیل بننے سے انکار ہے۔

احناف کے دعویٰ کو باطل کرنے کے لئے ہمیں کسی بحث کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ ہم اس غرض سے اس باب کی دوسری دونوں احادیث اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کیئے دیتے ہیں' جن کے مطالعہ سے ہر وہ شخص جسے عقل سے تھوڑا بھی تعلق ہوا یہ جان لے گا کہ احناف نے اس روایت کو اپنے حق میں پیش کر کے اپنی عقل' اپنے علم اور اپنی دیانت تینوں سے زیادتی کی ہے۔

پہلی حدیث

كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا مَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ- اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَاَشَارَ بِيَدِهٖ اِلَى الْجَانِبَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَامَ تُوْمُوْنَ بِاَيْدِيْكُمْ كَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ اِنَّمَا يَكْفِيْ اَحَدُكُمْ اَنْ يَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى فَخِذِهٖ ثُمَّ يُسَلِّمُ عَلٰى اَخِيْهِ مَنْ عَلٰى يَمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ (مسلم شریف جلد ۲)

دوسری حدیث

عَنْ جَابِرِ بْنِ سُمْرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَكُنَّا اِذَا سَلَّمْنَا قُلْنَا بِاَيْدِيْنَا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَنَظَرَ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَاشَانُكُمْ تُشِيْرُوْنَ بِاَيْدِيْكُمْ كَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ اِذَا سَلَّمَ اَحَدُكُمْ فَلْيَلْتَفِتْ اِلٰى صَاحِبِهٖ وَلَا يُوْمِيْ بِيَدِهٖ- (مسلم شریف

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے' پھر جب ہم سلام پھیرتے اور اپنے دائیں بائیں السلام علیکم ورحمتہ اللہ' السلام علیکم ورحمتہ اللہ کہتے تو ساتھ ہی اپنے ہاتھ بلند کرتے تھے اور منہ سے سلام کہتے وقت ہاتھوں کو ہلا ہلا کر بھی اپنے دائیں بائیں والوں کو السلام علیکم ورحمتہ اللہ کہتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب ہماری یہ حرکت دیکھی تو اس سے منع فرمایا اور (بطور سرزنش) کہا کہ یہ تم سلام پھیرتے وقت اپنے ہاتھوں کو کیوں لہرانے لگتے ہو' جیسے تمہارے ہاتھ منہ زور اور سرکش گھوڑوں کی دمیں ہوں (جو قرار نہیں پکڑتیں اور لہراتی رہتی ہیں) ایسا نہ کیا کرو بلکہ اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر جمائے رکھو اور صرف منہ سے ہی اپنے دائیں بائیں والوں کو السلام علیکم ورحمتہ اللہ کہو اور بس۔

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے رفع الیدین کا بے مقدار ثواب سن کر بعض لوگ زیادہ سے زیادہ ثواب کے شوق میں نماز کی اندر اس رفع الیدین کے علاوہ جو رسول اللہ ﷺ کی سنت تھی اپنی مرضی سے غیر محل بھی رفع الیدین کرنے لگے تھے۔ اور جب نبی ﷺ کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ نماز سے سلام پھیرتے وقت بھی ہاتھوں کو رفع الیدین کے بطور اٹھاتے اور لہراتے ہیں تو آپ نے انھیں اس حرکت سے روک دیا کہ صرف وہی رفع الیدین کرو جو میں کرتا ہوں' یہ اپنی غیر محل کی رفع الیدین ترک کردو۔

کتنی سیدھی بات ہے مگر کیا کیا جائے جب آدمی کی غرض نے اس کی سوچ کو ٹیڑھا کر رکھا ہو تو پھر کوئی سیدھی بات بھی سیدھی نہیں رہتی۔ آہ' یہ لوگ اپنے رب کو کیا جواب دیں گے!

محدثین کی رائے

التحیات سے تعلق رکھنے والی اس رفع الیدین کی ممانعت کو اصل رفع الیدین کی ممانعت کی دلیل بنانے والے اہل عقل حضرات اپنے بارے میں محدثین کرام کی رائے گرامی بھی معلوم کر لیں۔

☆ جس مسلم شریف سے احناف نے یہ روایت لی ہے اسی مسلم شریف کے شارح امام نوویؒ کے حوالہ سے علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

استدلال به علی النهی علی الرفع عندالرکوع و عندالرفع عنه جهل قبیحٌ کہ اس سلام پھیرتے وقت کی جانے والی رفع الیدین کی ممانعت کو رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت کی جانے والی رفع الیدین کی ممانعت کی دلیل بنانا قبیح جہالت ہے۔(سنن نسائی حاشیہ صفحہ ۱۷۶)

☆ امام بخاریؒ کا ارشاد ہے: التحیات سے تعلق رکھنے والی رفع الیدین کو قیام اور رکوع والی رفع الیدین کے خلاف دلیل بنانے والے لوگ جاہل ہیں(جزء رفع الیدین صفحہ ۵۴)

☆ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: جو شخص مسلم شریف کی اس حدیث کو قیام اور رکوع والی رفع الیدین کے خلاف استعمال کرتا ہے علم سے خالی اور جاہل مطلق ہے۔

☆ ابن حجر نے امام ابن حبان سے نقل کیا ہے کہ اس زیر بحث حدیث کا تعلق سلام پھیرتے وقت کی جانے والی رفع الیدین سے ہے۔ قیام اور رکوع والی رفع الیدین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔(تلخیص الحبیر لابن حجر جلد ۲ صفحہ ۲۲۱)

علامہ سندھی حنفی

مشہور حنفی عالم حضرت علامہ سندھی کا ارشاد ہے:

"واضح ہو کہ (مسلم شریف) کی یہ حدیث اس رفع الیدین کی ممانعت میں ہے' جسے سلام پھیرتے وقت لوگ (خود بخود) کرنے لگ گئے تھے- یہ حدیث اس رفع الیدین کو موثر نہیں ہے جو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت کی جاتی ہے- اس باب میں بات وہی صحیح ہے جو امام نوویؒ نے کہی ہے کہ اس روایت کو عدم رفع الیدین کی دلیل سمجھنا ایک قبیح جہالت ہے-" (نسائی شریف حاشیہ صفحہ ۱۷۶)

اب ملاحظہ فرمایئے کہ نیت اگر نیک اور سوچ اگر صالح ہے تو بات کو سمجھنے میں حنفیت بھی رکاوٹ نہیں بنتی- لیکن اگر نیت ہی درست نہ ہو تو بات سمجھ میں کیونکر آسکتی ہے-

جب خدا کا خوف نہ رہے

حنفی بزرگوں نے جیسے یہ قسم کھا رکھی ہے کہ خواہ صحیح حدیث بھی ان کا ساتھ نہ دے وہ بہر حال نہ خود رفع الیدین کریں گے اور نہ کسی دوسرے کو ہی یہ راستہ اختیار کرنے دیں گے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے راہ حق پر چلنے کی توفیق چھین لی ہے- صحیح ارشاد ہوا کہ:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى-

ان بزرگوں کی ناحق پذیری کا یہ عالم ہے کہ وہ ان بزرگوں کو بھی منکرین رفع الیدین میں شامل کر رہے ہیں جن سے اثبات رفع الیدین پر صریح روایات وارد ہوئی ہیں- وہ رفع الیدین کے سنت ہونے پر بھی متفق تھے- اور خود بھی اس پر عامل تھے-

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ' حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ یہ وہ لوگ ہیں جو رفع الیدین کے راویوں میں بھی فہرست ہیں اور خود بھی اس سنت پر عمل پیرا تھے۔ مگر حنفی بزرگوں نے ان سب کے نام سے بے اصل اور موضوع روایات دریافت کر لی ہیں اور ان کو رفع الیدین کا منکر بتایا ہے۔ جبکہ حال یہ ہے کہ ان بزرگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ بزرگ ہیں جو عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں اور عشرہ مبشرہ کے بارے میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ سب کے سب رفع الیدین کے سنت ہونے پر متفق تھے اور اس سنت پر عمل پیرا بھی تھے۔ حضرت کی اقتداء میں نماز ادا کرنے والوں نے ان کی رفع الیدین پر شہادت دی ہے۔ (ابوداؤد)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وہ بزرگ ہیں جو اگر کسی نمازی کو دیکھتے کہ وہ رفع الیدین نہیں کر رہا تو بحالت نماز ہی ان پر کنکریاں برسانے لگتے اور اسے رفع الیدین کے لئے تحریک کرتے تھے۔

حق پوشی کی انتہا ہے کہ حنفی بزرگ ان عبداللہ بن عمرؓ کو رفع الیدین کا منکر کہتے ہیں جن کی زبان سے بخاری' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' دارمی' موطا امام مالک' موطا امام محمد' بیہقی اور دارمی بہت سی کتب میں اثبات رفیع الیدین کے حق میں روایات بھری پڑی ہیں۔

حیف گر در پس امروز بود فردائے

عون المعبود شرح ابوداؤد جلد صفحہ ۲۷۲ میں ہے کہ اس پاکیزہ دور کے تینوں ہی عبداللہ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ' حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ رفع الیدین کے سنت ہونے کے قائل تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بارے میں میمون مکی کہتے ہیں کہ میں نے ان کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ میں نے دیکھا وہ رفع الیدین کرتے تھے۔ میں نے ان کی اس نماز کا ذکر

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کیا انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح نماز ادا کیا کرتے تھے جس طرح تم نے عبداللہ بن زبیرؓ کو ادا کرتے دیکھا ہے۔(ابوداؤد مع عون المعبود جلد ا صفحہ ۲۶۹)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ پر جس روایت کی مدد سے رفع الیدین کا منکر ہونے کی تہمت رکھی گئی ہے وہ روایت سخت درجہ کی ضعیف ہے۔ مسک الختام شرح بلوغ المرام میں بتایا گیا ہے کہ اس روایت کا ایک راوی یزید بن ابی زیادہ نسیان کا مریض تھا اور وہ بات کر کے بھول جایا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں امام بخاری ابن مدینی امام احمد امام دار قطنی نے بھی اس روایت کو اس راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

اور براء بن عازب کو متہم کرنے والی یہ روایت تو اس لئے بھی مسترد کی جائے گی کہ براء بن عازب اثبات رفع الیدین کے راویوں میں شامل ہیں۔(بیہقی)

احناف اہل علم بزرگوں نے ان روایات کے علاوہ بھی چند جھوٹ موٹ کی بے اصل اور موضوع روایات رفع الیدین کے خلاف جمع کر رکھی ہیں، مگر بخاری اور مسلم کی صحیح ترا ور متواتر روایات کے مقابلہ میں ان کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے!

ایک مجہول کہانی

ہمارے ہاں اس کہانی نے بہت شہرت حاصل کر رکھی ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جب لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے تو بعض لوگ نماز پڑھتے وقت اپنی بغلوں میں بت دبائے رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے رفع الیدین کا حکم دیا تاکہ اگر کوئی شخص اپنی بغل میں بت چھپا لایا ہو تو رفع الیدین کرنے سے بغل میں دبایا بت گر جائے۔ جن لوگوں نے اس کہانی کو چلا رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رفع الیدین کا عمل ایک وقتی مصلحت کی وجہ سے تھا اب اس عمل کو جاری رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

اب یہ تو معلوم نہیں کہ یہ کہانی کس نے بنائی اور اسے کس زمانہ میں بنائی گئی تھی مگر یہ ایک امر واقعہ ہی ہے کہ اس من گھڑت کہانی کو جوڑنے والے نے محض اپنی چالاکی سے ہی سادہ لوح لوگوں کے دل و دماغ کو مسموم کر دیا ہے۔ورنہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے یہ کہانی نہ عقل سے ہموار ہے نہ علم کے مطابق ہے اس کہانی میں بے عقلی اور بیوقوفی کا پہلو تو یہ ہے کہ رفع الیدین کا مقصد اگر محض بغلوں سے بتوں کا گرانا ہی تھا تو یہ مقصد تو پہلی بار کی رفع الیدین سے ہی حاصل ہو جاتا ہے اس غرض سے چار بار رفع الیدین کرنے کی کیا ضرورت تھی اور اگر ایک بار سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تو پھر دس بار کی رفع الیدین سے بھی یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رفع الیدین کے وقت بازو سر سے اوپر نہیں لے جائے جاتے جس سے بت گر جائیں گے۔ آپ کندھوں تک ہاتھ بلند کریں یا کانوں تک اونچا لے جائیں' بازو پہلو کے ساتھ ہی جڑے رہتے ہیں۔ اگر کوئی چاہے کہ بت کو بغل سے نہ گرنے دے تو رفع الیدین کے باوجود بت بغلوں سے نہیں گر سکتے۔

کہانی کی دوسری بیوقوفی یہ ہے کہ رفع الیدین کے مقابلہ میں نماز کے اندر آدمی کے بازو رکوع میں پہلوؤں سے زیادہ ہٹ جاتے ہیں اور بغلیں خوب کھل جاتی ہیں پھر دو سجدوں کے درمیانی قعدہ کے بعد جب نمازی دوسرے سجدے کے لئے زمین کی طرف جھکتا ہے تو اس کے بازو پہلوؤں سے پوری طرح ہٹ جاتے ہیں اور بغلیں پوری کی پوری کھل جاتی ہیں۔ اب جو بت نہ رکوع کرنے سے گرتے ہیں' نہ سجدہ میں گرتے ہیں نہ قعدہ کے بعد سجدہ کے لئے زمین کی طرف جھکتے وقت ہی گرتے ہیں ان کے رفع الیدین سے گر جانے پر یقین رکھنے کو سخت درجہ کی بیوقوفی ہی کہا جا سکتا ہے۔ عقل کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس کہانی میں بے علمی اور جہالت کا پہلو یہ ہے کہ اس کو ماننے والے لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اسلام کی ابتدائی زندگی کے دو دور تھے۔ پہلا دور مکہ مکرمہ میں گذرا ہے اور دوسرے دور کا تعلق مدینہ منورہ سے ہے۔ مکہ میں بتوں کی خدائی چلتی تھی' مشرکین کا بے حد

زور تھا اور اسلام انتہائی کمزور تھا۔ مکہ میں اسلام قبول کرنا کسی بڑے ہی دل گردے والے کا کام تھا۔ یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی مکہ کے مشرکین مسلمان ہونے والوں کو ایسی ایسی شدید اذیتیں پہنچاتے تھے کہ ان کی یاد سے انسانیت کی روح آج بھی کانپ جاتی ہے۔

پھر ان حالات میں بھی جو لوگ مکہ میں ایمان لے آئے تھے اور اسلام کو قبول کر لیتے تھے وہ اپنی جان پر کھیل کر اپنے ایمان کی حفاظت کرتے تھے۔ انہوں نے جب ایک بات بتوں کی خدائی سے انکار کر دیا تو پھر وہ انگاروں پر لٹائے جانے اور کانٹوں پر گھسیٹے جانے سے بھی ان کی خدائی کا اقرار نہیں کرتے تھے۔ ایسے خدا دوست بزرگوں' جانباز مجاہدوں اور تاریخ ساز مومنوں کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ وہ نمازوں کے وقت اپنی بغلوں میں بت دبا لاتے تھے' دناءت اور کمینگی کی انتہا ہے۔ صریحی پاگل پن ہے' انتہائی بے دردی ہے اور جہاں تک مدینہ منورہ کا تعلق ہے وہاں البتہ اسلام کے غلبہ کو دیکھ کر کچھ کافر ایسے ضرور موجود تھے جنہوں نے اپنے دنیوی حالات کے پیش نظر ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا تھا جبکہ وہ اندر سے بدستور ہی کافر تھے۔ اسلام قبول کر لیا تھا جبکہ وہ اندر سے بدستور ہی کافر تھے۔ اسلام نے ان کو منافق کا نام دیا ہے ان لوگوں سے بلاشبہ یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ ایسی ناپاک حرکت کرینگے مگر مدینہ میں سرے سے بت فریق ہی نہیں تھے۔ یہاں اسلام کو بت پرستوں اور بتوں سے نہیں بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں سے مقابلہ درپیش تھا۔ پھر جب یہاں نہ کوئی بت ہی فریق تھا نہ بت پرست تو کسی کا نماز کے اندر اپنی بغلوں میں بت چھپا کر لانے کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے۔

یعنی یہ کہانی ہی غلط' جھوٹ' بے بنیاد' مصنوعی اور خلاف واقعہ ہے۔ نماز کے وقت بتوں کو اپنی بغلوں میں نہ تو کوئی مکہ میں لاتا تھا۔ نہ مدینہ میں۔ مکہ میں منافق موجود نہیں تھے جو بتوں کو ساتھ لاتے اور مدینہ میں بت معبود نہیں تھے جن کو لایا جاتا۔

پس صحیح بات یہی ہے کہ رفع الیدین نماز کی دوسری ضروری سنتوں کی طرح ہی

ایک سنت ہے' ایک مسنون عمل ہے' رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے اور اس کا مقصد خداوند قدوس کی برتری' اس کی بزرگی اور اس کے علو کا عملی اظہار ہے کہ جب نمازی اللہ اکبر کہتا ہے تو اپنے ہاتھ کے اشارہ سے بھی اس کی کبریائی پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔

جو لوگ محض کسی گروہی تعصب کی وجہ سے ہی اس سنت پر عمل کرنے سے محروم ہیں۔ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ان کے دل میں بھی اس سنت سے رغبت اور محبت کا جذبہ پیدا کرے اور ان کے دلوں کو بھی اس سنت پر عمل کرنے کے لئے کھول دے۔ آمین یارب العالمین!۔

وضع الیدین فی الصلوٰۃ علی الصدر

یعنی

نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا

ہاتھ باندھنا

نماز میں بحالتِ قیام ہاتھوں کا باندھنا نماز کے آداب میں داخل ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دے رکھا تھا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔ حضرت سعد بن سہیلؓ فرماتے ہیں:

كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَّضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَالْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِى الصَّلٰوةِ۔ کہ (حضور ﷺ کے زمانہ میں) لوگوں کو حکم تھا کہ نماز میں (بحالت قیام) اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر باندھیں۔

وضع الیدین فی الصلوٰة علی الصدر

یعنی

نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا

صحیح مسلم میں حضرت وائلؓ بن حجر سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا نبی ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے اور تکبیر کہہ کر اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر باندھتے تھے۔

تاہم اس باب میں مالکیہ نے اختلاف کیا ہے اور ان کا اختلاف بھی ایک لطیفہ ہی ہے کہ وہ نوافل تو ہاتھ باندھ کر ہی ادا کرتے ہیں۔ مگر فرض ادا کرتے وقت ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں' ورنہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا اہلسنت کے دوسرے سارے ہی مسالکِ فکر (اہلحدیث' احناف' شوافع اور حنابلہ) کا بلا خلاف معمول ہے۔ البتہ اختلاف اس میں ہوا ہے کہ ہاتھ باندھے کہاں جائیں!

اہلحدیث کا مسلک

اہلحدیث کے نزدیک سنت طریقہ یہ ہے کہ ہات سینے پر باندھے جائیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ صحیح حدیث کے مطابق صحیح بات بھی یہی ہے۔ حضرت وائلؓ بن حجر راوی ہیں:

صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهٖ (ابن خزیمہ)

کہ میں نے نبی ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی ہے۔ (میں نے دیکھا) آپ اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کے اوپر اپنے سینے پر باندھے ہوئے تھے۔

اس روایت کو حضرت ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنے ہاں نقل کر کے اس کی تصویب فرمائی ہے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۴)

مشہور حنفی عالم علامہ بدرالدینؒ عینی نے بھی اس حدیث کو اپنی شہرہ آفاق تصنیف

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں نقل کیا ہے۔(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۳)

آپ نے اس حدیث کو نقل کر کے اس پر کوئی جرح نہیں کی اس طرح اپنی خاموشی سے اس کی تصویب کی ہے۔

حضرت وائل بن حجر سے یہی روایت مزید تفصیل کے ساتھ سنن کبری امام بیہقی میں بھی نقل ہوئی ہے' فرماتے ہیں:

حَضَرْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوْحِيْنَ نَهَضَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ الْمِحْرَابَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ بِالتَّكْبِيْرِ ثُمَّ وَضَعَ يَمِيْنَهُ عَلَى الْيُسْرَاهُ عَلٰى صَدْرِهِ (سنن کبری بیہقی جلد ۲)

کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نماز کے لئے اٹھے' مسجد کی جانب بڑھے' محراب میں داخل ہوئے اور نماز کے لئے تکبیر کہی اور اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر اپنے سینے پر باندھا۔

حضرت امام نووی شارح صحیح مسلم اس حدیث کا ذکر کر کے فرماتے ہیں: نماز میں ہاتھ باندھنے کے باب میں وائل بن حجر اور دوسرے راویوں کی ان روایات کو ہی ترجیح حاصل ہے جو سینے پر ہاتھ باندھنے کے حق میں وارد ہوئی ہیں۔

امام نووی مزید لکھتے ہیں کہ حضرت امام بخاری اور حضرت امام ترمذی کی تحقیق بھی یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز ادا کرتے وقت اپنے ہاتھ سینے پر ہی باندھتے تھے (صحیح مسلم شرح نووی جلد اول مطبوعہ دہلی مطبوعہ مکتبہ ایوبیہ کراچی جلد ۲)

قولِ فیصل

حضرت وائل بن حجر سے وارد ہونے والی روایت اس باب میں قول فیصل کا حکم ہی رکھتی ہے۔کیونکہ اس صحابی کی اصابت سارے ہی مکاتب فکر کے ہاں مسلمہ ہے۔ حضرت

عینیؒ کے مزاج میں حنفیت کے حق میں سخت تصلب و تشدد پایا جاتا ہے۔ مگر اپنے مسلک کے خلاف حضرت ابن حجر کی روایت کو اپنے ہاں نقل کر کے انہوں نے بھی خاموش رہنا ہی پسند کیا ہے اور ذرا بھی بات نہیں اٹھائی۔

حضرت وائل بن حجر کی روایت اس لئے بھی ترجیح کی حقدار ہے کہ ان کی یہ بات اس دور سے تعلق رکھتی ہے جب دین حق کا قافلہ تکمیل کی منزل میں داخل ہو چکا تھا اور اب جو کچھ بھی موجود تھا وہ غیر متبدّل تھا اور اب اس میں کسی ترمیم یا تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تھی کیونکہ ابن حجر کی روایت رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری ایام سے تعلق رکھتی ہے ابن حجر کی رسول اللہ ﷺ سے یہ ملاقات ۱۰ھ کا واقعہ ہے جبکہ ۱۱ھ کے ابھی اڑھائی ماہ بھی پورے نہ ہو سکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضور علیہ السلام کے عم زاد ہیں اور آپ کے نہایت قریب رہنے والے اور خبردار قسم کے صحابی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو بھی ان کے ساتھ بہت محبت تھی۔ پھر آپ نے ان کے حق میں دعا بھی فرمائی کہ الٰہی! عبداللہ کو دین کی سمجھ عطا فرمایئے' اس کو قرآن پاک کے فہم' اس کی سمجھ اور شعور کی دولت سے وافر حصہ عطا ہو۔

تفسیر معالم التنزیل میں انہی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی زبان سے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ وَضَعَ الْيُمْنٰى عَلَى الشِّمَالِ فِي الصَّلٰوةِ عند النَّحر کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَالنْحَرْ کا مطلب یہ ہے کہ نماز ادا کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر یوں باندھے جائیں کہ دایاں ہاتھ اوپر اور بایاں ہاتھ نیچے رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر کبیر میں فصل لربک
وانحر کی تفسیر میں تقریباً یہی الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے بھی اپنے ہاں
نقل کئے ہیں جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی زبان سے تفسیر معالم التنزیل کے حوالہ سے ہم
بیان کر چکے ہیں۔

سفر السعادت

حضرت مجد الدین صاحب قاموس اپنی مشہور تصنیف سفر السعادت میں لکھتے
ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے تکبیر پکارتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینہ پر اس طرح
باندھتے تھے کہ آپ کا دایاں ہاتھ آپ کے بائیں ہاتھ کے اوپر ہوتا تھا۔"

احناف کا مسلک

بات کی صراحت کے لئے آیئے اس باب میں ہم احناف کے موقف پر بھی ایک
نظر ڈال لیں تاکہ دونوں مسالک فکر کے دلائل کا تقابلی جائزہ ہمارے قارئین کو صحیح نتیجہ پر
پہنچنے میں معاون بن سکے اور بات خوب کھل کر سامنے آجائے۔

احناف کا عقیدہ یہ ہے کہ نماز میں اپنے ہاتھ ناف کے نیچے لے جاکر باندھنا سنت
ہے اور اس سلسلہ میں ان کی دلیل حضرت علی رضی اللہ سے منسوب یہ قول ہے:

قَالَ السُّنَّةُ وَضْعُ الْكَفِّ فِي الصَّلٰوةِ وَبَضْعُهُمَا تَحْتَ السُّرَّةِ۔

(ابوداؤد مع عون المعبود جلد ۱ صفحہ ۲۷۴-رزین)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ نماز میں ہاتھ باندھنے کا سنت طریقہ

ہاتھوں کا ناف کے نیچے باندھنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا کوئی بھی ارشاد جو صحیح حدیث سے ثابت ہو' ہر سچے مسلمان کے ایمان کی بنیاد ہے۔ اس ضمن میں حضرت علیؓ ہوں یا کوئی دوسرے بزرگ' جس کا قول بھی ارشاد رسول ﷺ کے مطابق ہو اسے ضرور اختیار کیا جائے گا۔ حضرت علیؓ نے جس بات کو سنت کہا ہے اگر وہ صحیح ذرائع سے ثابت ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس کو مان لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ احناف کی بیان کردہ یہ روایت کسی درجہ میں بھی صحت کو نہیں پہنچتی' بنا بریں کوئی غلط اور ضعیف روایت محض اس میں کسی بڑے آدمی کا نام داخل کر دینے سے صحیح اور قوی نہیں بن جاتی۔

علاوہ ازیں جب نماز میں ہاتھ باندھنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا اپنا طریقہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے تو اب اس کے مقابلہ میں کسی صحابی کے قول کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ جبکہ حال یہ ہے کہ یہ قول بھی صحت کو نہیں پہنچ سکا۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تو ہم تفسیر کبیر کے حوالہ سے یہ بتا آئے ہیں کہ وہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کے قائل تھے اور انہوں نے فصل لربک وانحر سے مقصود نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا ہی بیان کیا ہے۔

بالفرض اگر یہ دونوں قول حضرت علیؓ کے ہی ہوں تو ظاہر ہے دونوں میں سے اس قول کو ہی قبول کیا جائے گا۔ جو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے ہموار ہو گا اور دوسرے کو ترک کر دیا جائے گا۔ پھر بات کا یہ رخ بھی صرف اسی صورت میں قابل قبول ہے جب یہ امر ثابت ہو کہ حضرت علیؓ کا یہ قول محدثین کے طریق پر صحت کی سند کا امین ہے اور اس صورت میں ہم سمجھ لیتے کہ اس باب میں وسعت پائی جاتی ہے اور ہاتھ دونوں مقامات پر باندھے جا سکتے ہیں۔ لیکن حضرت علیؓ کے اس مبینہ قول کے بارے میں اس امر کی بھی گنجائش نہیں کیونکہ محدثین کے نزدیک زیر ناف ہاتھ باندھنے پر مشتمل حضرت علیؓ کے

قول کی حضرت علیؓ سے نسبت ہی مشتبہ ہے۔شارح صحیح مسلم حضرت امام نوویؒ اس قول کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ سند کے اعتبار سے یہ روایت سخت ضعیف ہے کیونکہ اس روایت کا ایک راوی عبدالرحمن بن اسحق واسطی باتفاق محدثین ضعیف ہے اور اس کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔سو وہ مزید تحریر کرتے ہیں کہ:

حضرت علیؓ کے حوالہ سے وارد ہونے والی یہ روایت جہاں کہیں بھی اور جس طریق سے بھی نقل ہوئی ہے محدثین کے نزدیک ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے (صحیح مسلم جلد دوم شرح نووی)

ایسے ہی شرح موطا امام مالک میں علامہ زرقانیؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ کے حوالہ سے جو قول ابوداؤد وغیرہ میں وارد ہوا ہے وہ سخت ضعیف ہے (زرقانی شرح موطا باب وضع الیدین احداھما علی الاخری فی الصلوٰۃ)

اور یہ بات ہم عرض کر ہی آئے ہیں کہ امام نوویؒ شارح صحیح مسلم کے نزدیک سینے پر ہاتھ باندھنے کی خبر پر مشتمل حضرت وائل بن حجر کی روایت کو دوسری تمام روایات پر ترجیح حاصل ہے۔

احناف کے اپنے گھر میں

اگر کوئی بھی انصاف پسند حنفی بزرگ تلاش حق میں تھوڑی سی تکلیف گوارہ کر سکے اور وہ حقائق کا ایک حق پسند شخص کی حیثیت سے مطالعہ کرے تو وہ با آسانی اس نتیجہ پر پہنچ جائے گا کہ جن حنفی بزرگوں نے نماز میں ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کو اپنے حنفی ہونے کی نشانی بنا رکھا ہے وہ کچھ ضدی قسم کے ہی لوگ ہیں ورنہ خود انصاف پسند حنفی اہل علم بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی روایات کو صحیح نہیں سمجھتے۔چند حنفی اہل علم بزرگوں کے ارشادات پیش خدمت ہیں:

حضرت مُلا علی قاریؒ

حضرت مُلا علی قاریؒ احناف اہل علم میں بڑا اونچا مقام رکھتے ہیں- انہوں نے حدیث کی مشہور اور جامع کتاب مشکوٰۃ شریف کی بڑی مفصل شرح "مرقاۃ" کے نام سے لکھی ہے اور یہ کتاب بڑی مقبول بھی ہے- انہوں نے بلا خوف لومتہ لائم بڑے کھلے دل سے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ:

"احناف کا نماز کی حالت میں زیر ناف ہاتھ باندھنا یا شوافع جو سینے کے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں' یہ دونوں باتیں کسی صحیح اور قابل اعتماد حدیث سے ثابت نہیں ہیں-(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

حضرت امام ابن الہمام

ابن ہمام احناف کے وہ سر فہرست بزرگ ہیں جن کی فقاہت کی خوبی پر احناف کا اجماع ہے اور احناف کے اندر وہ امامت کے مقام پر فائز ہیں- احناف کے مسلک کی حمایت تو ان کے تقلیدی پہلو کی مجبوری ہے مگر جہاں تک ان کے علم و نظر کا تعلق ہے' ان کا ارشاد بھی یہی ہے کہ:

نماز میں سینے کے نیچے ہاتھ باندھنا (جیسا کہ شوافع کا دستور ہے) اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا (جیسا کہ احناف کا معمول ہے) اس باب میں کوئی روایت صحیح ثابت نہیں ہو سکی-(روضۃ الندیۃ شرح درالبہیہ نواب صدیق حسن خانؒ)

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نماز میں ہاتھوں کا نہ ناف کے نیچے باندھنا ثابت ہے اور نہ سینے کے نیچے' تو پھر ثابت کیا ہے؟ اور افسوس ہے کہ یہی ایک بات ہے جسے جاننے کے باوجود حنفی بزرگوں کو تقلید کا پھندا زبان پر لانے میں رکاوٹ ہے ورنہ بڑی واضح بات تھی کہ ہاتھ جب نہ سینے کے نیچے باندھے جا سکتے ہیں اور نہ ناف کے نیچے تو اب وہ سینے کے اوپر ہی باندھے جائیں جیسا کہ اہلحدیث کا مسلک ہے مگر حنفی بزرگ یہاں پہنچ

کر راستہ کترا کر نکل گئے ہیں۔

ہاتھ باندھنے کا مقصد

احناف بھائی اگر انصاف کی بات پر کان رکھنا گوارہ فرمائیں تو ہم زیر بحث مسئلہ میں ان کے موقف کے غلط' غیر طبعی اور غیر اصلی ہونے کے سلسلہ میں بات کا ایک عقلی رخ ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

یہ بات تو بڑی ہی واضح ہے کہ ہاتھ خواہ جیسے بھی باندھے جائیں' ان کی صورت خواہ کوئی بھی ہو' وہ کسی بھی شکل میں باندھے جائیں' ان کی کوئی بھی ہیئت ہو' ہاتھوں کا یہ باندھنا خواہ ہاتھ جوڑنے کی صورت میں ہو یا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نیچے اوپر باندھے جائیں' ان سے مقصود بہر حال اپنے لئے اپنے مخاطب سے رحمدلی کی بھیک مانگنا اور اس کے جذبہ ترحم میں تحریک پیدا کرنا ہی ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ ہاتھ نہ تو کبھی تفریحاً ہی باندھے جاتے ہیں اور نہ اس عمل میں شوق کا ہی کوئی عنصر شامل ہوتا ہے' بلکہ کسی کے حضور دست بستہ کھڑے ہونے کا مقصد ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ ہاتھ باندھنے والا اپنے مخاطب سے اپنے قصور کی معافی چاہتا ہے اور مخاطب کی انا کو ہموار کرنے اور اس کی آتش غضب کو ٹھنڈا کرنے کا یہ ایک نہایت درجہ موثر طریقہ ہے۔

جب کوئی قصوروار کسی مجاز' مختار یا کسی بااختیار شخص' کسی حاکم یا کسی عدالت کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوتا ہے تو اس کی یہ دست بستگی اپنے قصور کے لئے معافی چاہنے کی غرض سے ہی ہوتی ہے۔

اور بلاشبہ یہ بات بھی ایک امر واقعہ ہی ہے کہ جب کوئی قصوروار کسی کے حضور ذلت کی علامت بنے یوں کھڑا ہوتا ہے کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں' ہونٹ خوف

کی شدت سے کانپ رہے ہوں' حاکم کی دہشت سے اس کا سر خمیدہ اور کمر جھک گئی ہو' اور وہ غم کی شدت سے بے حال ہو کر معافی طلب کر رہا ہو' تو اس حال میں مخاطب یا حاکم یا کوئی بھی صاحب اختیار خواہ کتنا بھی تند خو' سنگ دل اور سخت گیر ہو سائل کی اس ہیئت کذائی کی درد ناکی سے ضرور اثر لیتا ہے۔

سائل کی بدحالی اس کے اعصاب تک کو موثر ہوتی ہے اس کی غصہ میں ڈوبی پیشانی کے بل مدھم پڑنے لگتے ہیں' اس کے نتھنوں سے اٹھنے والا دھواں تھم جاتا ہے' آتشِ غضب سے اس کی آنکھوں سے اُڑنے والے شرارے ماند پڑ جاتے ہیں۔ اور اس کی سوچ کی راہیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

ہاتھ کہاں باندھے جائیں

اب جب یہ بات واضح ہو چکی کہ ہاتھ باندھنے یا ہاتھ جوڑنے کا مقصد بہر حال اپنے مخاطب سے معافی طلب کرنا اور اس کی رحمدلی کو اپیل کرنا ہی ہوتا ہے تو اب اگلی بات کا سمجھنا زیادہ آسان ہو گیا ہے کہ سائل ہاتھ کہاں باندھ کر کسی بااختیار حاکم کے سامنے پیش ہو کر دست بستہ شخص کی عاجزی فروتنی اور منت خوشامد بااختیار حاکم کی رحمدلی کو بے چین کر دے' اور وہ اپنا غصہ تھوک کر سائل کو اپنی کریمی کا محل بنالے اور اس کی آتشِ غضب پر اس کا رحم غالب آجائے۔

ہم اپنے احناف بھائیوں کے لئے بات کو زیادہ آسان اور زیادہ قریب الفہم بنانے کے لئے اپنی بات کو ایک مثال کے ذریعے اپنے بھائیوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

فرض کیجئے کہ آپ حالات کی ستم ظریفی سے کسی تھانیدار کے سامنے پیش ہونے کے لئے مجبور ہوئے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تھانیدار کوئی بڑا حاکم بھی نہیں ہوتا بلکہ یوں سمجھئے کہ تھانیداری حاکمیت کی پہلی سیڑھی ہے اور حاکمیت کے نفاذ اور اختیارات کے استعمال کی

ابتداء تھانیداری سے ہوتی ہے۔

آپ قصوروار ہیں اور تھانیدار آپ کے خلاف آتشِ زیرپا ہے' اس کی آتشِ غضب آپ کو بھسم کر دینے پر آمادہ ہے' وہ غضب کی بہتات سے بے قابو ہو رہا ہے' اس کی قہرمانی نے اس کی آواز میں بادل کی گرج اور بجلی کی تڑپ پیدا کر رکھی ہے۔

دوسری طرف آپ کو یقین ہے کہ اگر قہرمان اور غضبناک حاکم کے حضور عجز و انکسار اور اشکبار آنکھوں سے ہاتھ باندھ دیئے جائینگے تو اس کے مزاج کی سختی نرمی سے بدل سکتی ہے اور اس کی آتشِ غضب کو ندامت سے بہنے والے آنسوؤں کے برفاب سے ٹھنڈا کیا جاسکتا ہے۔ اور پھر اگر آپ تھانیدار کا غصہ اتارنے کے لئے اپنے ہاتھ اپنی شرمگاہ کی دیوار پر رکھ کر اسے کہنے لگیں کہ تھانیدار صاحب! میں ہاتھ جوڑتا ہوں کہ میرا قصور معاف کر دیجئے تو کیا خیال ہے آپ کا کہ تھانیدار معافی طلب کرنے کے اس انداز کو اپنی عزت افزائی سمجھے گا اور آپ سے خوش ہو کر سارا غصہ تھوک دے گا' یا وہ آپ کی اس گستاخی پر مزید آگ بگولا ہو کر آپ کو فرش پر بچھانے کا حکم صادر کرے گا۔

اور یہ تو دنیا کا ایک معمولی حاکم ہے۔ اگر آپ اپنے یہی لچھن اپنے رب کے حضور بھی قائم رکھیں' جو حاکموں کا حاکم' بادشاہوں کا بادشاہ ہے' آپ اس کی عزت بھی اسی میں سمجھیں کہ اس کے حضور بھی اپنے ہاتھ ناف سے کہیں نیچے لٹکا کر شرمگاہ کی دیوار تک لے جائیں اور اس مذاق کو اپنی عاجزی قرار دیں تو کیا آپ کا خدا تھانیدار سے بھی گیا گزرا ہے جو اس پر آپ کا کوئی نوٹس نہیں لے گا۔ اور معافی طلبی کی اس گستاخانہ صورت پر اس کی غیرت ذرا بھی حرکت نہیں کرے گی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہے کہ اس کا کوئی سہیم نہیں' اس کا کوئی شریک نہیں اس کا کوئی ساجھی نہیں اور اس جیسا کوئی نہیں۔ وہ سب سے بڑا ہے' سب سے قوی ہے' سب پر غالب ہے۔

آپ اگر اپنے معاشرہ کے کسی ادنیٰ فرد سے بھی اس طرح معافی طلب کریں گے تو

وہ آپ کی جان کا لاگو بن جائے گا۔

عزیزو! اگر آپ ضد سے الگ ہو کر سوچیں گے تو آپ بھی اس نتیجہ پر ہی پہنچیں گے کہ آپ نماز میں جہاں ہاتھ باندھ رہے ہیں یہ مقام ہاتھ باندھنے کا نہیں ہے۔

کیا آپ نہیں جانتے کہ یہاں آپ کے ہاتھوں کے نیچے مثانہ ہے' جہاں پیشاب جمع رہتا ہے' یہاں انتڑیاں ہیں جن میں گندگی بھری ہے' اور شرمگاہ کا فاصلہ بھی یہاں سے ایک انچ کے برابر ہی ہو گا۔ آپ نے اپنے رب کو کیوں نہیں جانا' کیا اسے یاد کرنے کے یہ آداب اس کی ذات سے ہموار ہیں ؟

وہ پاک ہے' پاکیزگی کو پسند کرتا ہے' پاکیزگی کو ہی قبول کرتا ہے' وہ پیشاب اور پاخانہ کے کھیتوں کے گرد نہیں گھومتا پھرتا' اس کا مقام آدمی کا دل ہے' اللہ کا تخت جلال مومن کے دل میں بچھا ہے۔ اگر آپ نے اپنے رب سے کچھ کہنا ہے تو اس کے دروازہ پر دستک دیجئے' اپنے ہاتھ اپنے دل اور سینہ پر باندھئے' مثانہ اور انتڑیاں شرمگاہ کی دیواریں ہیں یہ ایسے مقامات نہیں ہیں کہ آپ یہاں کھڑے ہو کر اپنے رب کو آوازیں دینے لگیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے : تقویٰ دل میں ہے' اور جہاں تقویٰ ہے آپ بھی اپنے ہاتھ وہاں رکھ کر اپنے اللہ کے حضور اپنے تقویٰ کو سفارش بنائیے' آپ کن بھول بھلیوں میں گم ہیں۔

اور پھر جب نماز کے بعد دعا کرتے وقت آپ اپنے ہاتھ اپنے سینہ و دل کے سامنے ہی رکھتے ہیں تو نماز کے اندر دعا کے وقت ان ہاتھوں کو سینہ اور دل پر رکھتے آپ کو کیوں بوجھ محسوس ہوتا ہے' یہ دعا میں اٹھائے ہوئے ہاتھ بھی ہاتھ باندھنے کی ہی ایک شکل ہے۔ آپ کو یہ شکل نماز کے اندر کیوں ناپسند ہے۔ نماز میں تو آدمی اپنے اللہ کے بہت ہی قریب ہوتا ہے۔

عزیزو! بات آخر آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی ؟ اللہ اکبر ضد نے آپ کی عقل

پر کیسے پردے ڈال رکھے ہیں کہ ؎

جانے نہ جانے گُل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

کیا اب آپ کے سلسلہ میں ہمیں یہ دعا کرنا ہوگی کہ ؎

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

یا ہم شاعر کی اس رائے پر عمل کریں ؎

مانگا کریں گے اب سے دعاء ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دُعا کی ساتھ

یا کیا ہم ہلآخر یہ سمجھ لیں کہ ؎

بیاں میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیئے

فاتحہ خلف الامام

امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ

ارشاد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں کسی گفتگو سے قبل اس حدیث پاک کا مطالعہ فرمالیجئے جو اس سلسلہ میں بحث کی بنیاد بھی ہے اور اس باب میں قول فیصل کا حکم بھی رکھتی ہے۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتٰبِ (مشکٰوۃ جلد اول باب القراۃ فی صلوٰۃ)

یعنی حضرت عبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اس شخص کی نماز کوئی نماز نہیں ہے جس نے نماز تو پڑھی مگر اس میں سورہ فاتحہ شامل نہ کی"۔

یہ حدیث پاک اگرچہ اپنا مطلب بیان کرنے میں بڑی واضح اور اپنے مضمون کے اعتبار سے ہر طرح مکمل ہے۔ اور ایک امر مطلق ہونے کی وجہ سے ہر قسم کی نماز کو ہی شامل ہے۔ مگر افسوس! کہ ہمارے ہاں بعض لوگوں نے اس کو بے سبب ہی نزاعی مسئلہ بنالیا ہے۔

پیش نظر گزارشات میں ہم نے اس بے سبب نزاع کے ہی ازالہ کی کوشش کی ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ ۔

اہل حدیث کا مسلک

واضح رہے کہ اس مسئلہ میں اہل حدیث کا مسلک حدیث نبویؐ کے عین مطابق ہے۔ اور اُن کے نزدیک نماز کے اندر سورہ فاتحہ کی قرأۃ عین اسی طرح فرض ہے جس طرح خود نماز فرض ہے۔

اہل حدیث کے نزدیک اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ نماز خواہ اکیلے کی ہو یا

جماعت کے ساتھ ادا کی جارہی ہو' نمازی خواہ امام کے پیچھے ہو یا خود امام ہو۔

نماز خواہ سری یعنی ظہر اور عصر کی طرح پڑھنے والی ہو یا فجر' مغرب اور عشاء کی طرح جہری ہو جس میں امام قرآن مجید کو پکار کر پڑھتا ہے' اہل حدیث کے نزدیک سورہ فاتحہ کا ہر قسم کی نماز میں ہر ایک کے لئے جدا جدا پڑھنا ہی ضروری ہے۔ اور جس طرح رکوع و سجود اور نماز کے دوسرے ارکان امام کی پیروی کے باوجود ہر شخص کے لئے اپنے اپنے الگ ہی درکار ہوتے ہیں اور جس طرح امام کا رکوع یا سجدہ اور تسبیحات' تشہد کے وظائف اور درود شریف وغیرہ مقتدی کو کفایت نہیں کرتے۔ ٹھیک ایسے ہی امام کی سورہ فاتحہ بھی مقتدی کو کفایت نہیں کرتی' بلکہ وہ بھی ہر نمازی کو اپنی نماز کی تکمیل کے لئے الگ ہی پڑھنا ہوگی ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

احناف اور صرف احناف

یہ بات بڑی ہی عجیب ہے کہ پورے عالم اسلام میں صرف احناف کا ہی ایک ایسا فرقہ ہے جسے حدیث پاک کی یہ تشریح منظور نہیں ہے۔ ورنہ ان کے علاوہ دنیا بھر کے سارے ہی مسلمان اس باب میں اہلحدیث کے ہم خیال ہیں۔ اہل سنت کے سارے ہی گروہ اہل حدیث اور دوسرے فقہی مذاہب مالکیہ' شافعیہ اور حنابلہ سب کے سب امام کے پیچھے سری اور جہری تمام قسم کی نمازوں میں سورہ فاتحہ کے وجوب کے قائل ہیں اور حنفیہ کو بھی اس صورتحال کا اعتراف ہے۔ چنانچہ نویں صدی ہجری کے عظیم حنفی بزرگ اور فقیہ حضرت علامہ عینیؒ اپنے قلم سے لکھتے ہیں:

" امام عبداللہ بن مبارکؒ' امام اوزاعیؒ' امام مالکؒ' امام شافعیؒ' امام احمد بن حنبلؒ' امام اسحٰقؒ' امام ابو ثورؒ اور امام داؤدیہؒ سب کے سب ہی حدیث لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتٰبِ کی بنیاد پر ہر قسم کی سری اور جہری نمازوں میں

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل ہیں (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری)

حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں :

" حضرت حسن بصریؒ' حضرت سعید بن جبیرؒ' حضرت میمون بن مہرانؒ اور دوسرے بے شمار تابعین اور اہل قلم اس بات کے قائل ہیں کہ امام اگرچہ جہری نماز میں ہو مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا بہر حال واجب ہے۔" (جزء القرأۃ)

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں :

"سورہ فاتحہ خواہ دانستہ ترک کی جائے یا وہ بھول کر چھوٹ جائے دونوں صورتوں میں نماز باطل ہے۔" (غنیۃ الطالبین مترجم فارسی صفحہ ۷۵۳)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ارشاد ہے :

"ایسی نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو' اسے دہرانا واجب ہے۔" (حجتہ اللہ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۷۰۴)

احناف کا مسلک

حدیث پاک کی منشاء اور امت کے اس اجماع کے صریحاً خلاف احناف کا عقیدہ یہ ہے کہ متذکرہ حدیثِ رسول صرف اکیلے کی نماز کے لئے ہے' جماعت کی نماز کو موثر نہیں ہے۔

احناف کے نزدیک نماز خواہ ظہر اور عصر جیسی سری نماز ہو' یا فجر' مغرب اور عشاء جیسی جہری ہو' مقتدی کے لئے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

جماعت کی حالت میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا صرف امام پر ہی واجب ہے' مقتدی کو اس کی حاجت نہیں ہے' کیونکہ امام کی پڑھی ہوئی سورہ فاتحہ مقتدی کو کفایت کرتی ہے' اسے اپنے لئے الگ سورہ فاتحہ پڑھنے کی نہ ضرورت ہے نہ اجازت۔

لمحہ فکریہ

حکم جب عام ہو تو وہ اپنے تمام افراد کو ہی شامل ہوتا ہے اور اسے بغیر کسی واضح استثناء یا قرینہ کے کسی ایک حالت سے خاص کرنا صحیح نہیں ہوتا۔

حدیثِ رسول علیہ السلام میں ایک مطلق قانون کا ذکر ہوا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس قانون میں کسی استثنیٰ کا ذکر نہیں فرمایا اور نہ ہی کسی قرینہ سے ہی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ حکم اکیلے کی نماز کے لئے ہے۔ جماعت کی نماز اس کے حلقہ اثر میں داخل نہیں ہے۔

اور جب کوئی استثنیٰ ذکر نہیں ہوا تو ظاہر ہے کہ پھر یہ ایک عام حکم ہے جو اپنے تمام افراد کو موثر ہوگا' اور ہر قسم کی نماز کو شامل ہوگا' کیونکہ نماز خواہ کوئی ہو' سری ہو یا جہری' اکیلے کی ہو یا جماعت کی بہرحال نماز ہی ہے۔ اور پھر اس حدیث پاک کی عمومیت بھی ایک بدیہی امر ہی ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ حافظ ابن عبدالبر تحریر کرتے ہیں کہ :

"حضرت عبادہؓ بن صامت سے وارد شدہ حدیثِ رسولؐ اپنے عموم کی وجہ سے امام اور مقتدی دونوں کو ہی شامل ہے۔" (شرح موطا)

مقامِ عبرت

یہ امر مقام تعجب و تاسف تو تھا ہی مقامِ عبرت بھی ہے کہ ہمارے حنفی بھائی بڑے ہی اہتمام و انصرام کے ساتھ اپنے آپ کو سورہ فاتحہ کی برکات و حسنات سے محروم رکھنے پر بضد ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

"اکیلے آدمی کی نماز کے مقابلہ میں جماعت کی نماز ستائیس درجہ زیادہ ثواب رکھتی ہے۔"

مگر یہ کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ حنفی بزرگ اکیلے کی نماز میں تو سورہ فاتحہ کو داخلہ کی اجازت دے دیتے ہیں۔ مگر جونہی رحمتوں کی مقدار بڑھنے لگتی ہے اور نماز باجماعت شروع ہوتی ہے اور ایک ایک رکعت کے عوض ستائیس ستائیس رکعت اور ایک ایک نماز کے عوض ستائیس ستائیس نمازوں کے ثواب کا موقع آتا ہے تو یہ لوگ چڑ جاتے ہیں اور اس حاصل قرآن سورہ مبارکہ کی برکات و حسنات کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور بے مقدار ثواب کے نزول پر اپنے دل کے دروازے سختی سے بند کر دیتے ہیں۔ یاللعجب ۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیت

لیجئے اب کیا عذر رہ گیا

مندرجہ بالا حدیث رسول علیہ السلام کے سلسلہ میں احناف کا موقف ہم ذکر کر آئے ہیں کہ یہ حدیث اکیلے کی نماز میں سورہ فاتحہ کو واجب بتاتی ہے' جماعت کی نماز کو اس حدیث میں بیان کردہ قانون موثر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اعلم الغیب ہیں' اپنی حکمتوں اور اپنی مصلحتوں کو وہی جانتے ہیں۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ آگے چل کر کچھ لوگ حدیث رسولؐ میں اپنی مرضی داخل کرنے کی کوشش کریں گے' چنانچہ انہوں نے پہلے سے ... انتظام کر دیا کہ یہ بعد میں سوچی جانی والی ساری سوچیں' ساری تدبیریں اور ساری کاروائیاں وجود میں آنے سے قبل ہی غیر موثر اور

باطل ہو کر رہ گئیں۔ ذرا حکمت ایزدی کا تصرف ملاحظہ ہو۔ حضرت عبادہؓ بن صامت بیان کرتے ہیں:

كُنَّا خَلْفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَئُوْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ؟ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُوْلُ اللّٰهِ! قَالَ لَا تَفْعَلُوْا إِلاَّ بِفَاتِحَةِ الْكِتٰبِ فَإِنَّهٗ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا۔ (ابوداؤد مع عون المعبود جلد۱ صفحہ ۳۰۴۔ مع معارف السنن جلد۳ صفحہ ۲۳۶۔ نسائی جلد۱ صفحہ ۱۴۶)

ابوداؤد میں اس مرحلہ پر نبی ﷺ سے یہ الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں: انا اقول مالي ينازعني القرآن فلا تقرئوابشيء من القرآن اذا جهرت الا بام القرآن۔

کہ ایک روز جبکہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں فجر کی نماز ادا کر رہے تھے تو اچانک آپؐ پر قرآن کا پڑھنا بھاری ہو گیا' یعنی آپؐ پڑھتے پڑھتے رکنے' اٹکنے لگے۔ نماز سے فارغ ہو کر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"کیا تم اپنے امام کے پیچھے اس کے ساتھ ساتھ خود بھی پڑھتے ہو؟"

ہم نے عرض کیا ہاں! اے اللہ کے رسولؐ (ہم بھی آپ کے ساتھ ساتھ پڑھتے ہیں)۔

اس پر آپؐ نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو' اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے سوا قرآن میں سے کچھ نہ پڑھا کرو (سورہ فاتحہ کا پڑھنا بہر حال لازم ہے) کیونکہ اس کو پڑھے بغیر (امام کے پیچھے بھی) آدمی کی نماز نہیں ہوتی۔ اس کے بعد آپ نے اپنے ساتھ گذرنے ہوئے واقعہ پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے مزید فرمایا:

"میں بھی کہتا تھا کہ یہ مجھ سے قرآن پڑھنے میں چھینا جھپٹی کیوں کی جا رہی ہے۔ (اور میں خلاف معمول رکنے۔۔اٹکنے کیوں لگا ہوں) اب معلوم ہوا کہ یہ صورتحال تمہاری مداخلت کی وجہ سے تھی یعنی تم میں سے کسی کی آواز میرے کانوں تک پہنچ کر میری توجہ کو تقسیم کر دیتی تھی۔

پس آئندہ ایسا نہ کرنا اور یاد رکھو کہ میں جب نماز کے اندر قرآن کو پکار کر پڑھوں تمہارے لئے یہ موقع سننے کا ہی ہے مگر اس حالت میں بھی تم پر اپنی نماز کی تکمیل کے لئے سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اس کے سوا البتہ تمہیں اپنے امام کے پیچھے قرآن میں سے اور کچھ نہیں پڑھنا چاہیے۔

اب کوئی ہمیں بتائے کہ اس سے بڑھ کر فاتحہ خلف الامام کے وجوب کی دلیل اور کیا ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے اس وجوب کو ثابت کرنے کے لئے خود رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو ہی منتخب کیا اور انہی کو اس غرض سے ایک عملی تجربہ کا عنوان بنا لیا اور پھر مسئلہ کو اس خوبی سے واضح کیا کہ بات کا کوئی بھی پہلو مبہم اور مسئلہ کا کوئی بھی رخ آنکھوں سے مستور نہ رہ سکا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا واقعہ

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش آیا۔ جب انہوں نے ایک مجلس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنایا کہ:

مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلٰثًا غَيْرُ تَمَامٍ

(مسلم)

"کہ اگر کسی شخص نے نماز پڑھی مگر اس نے اپنی نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو ایسی نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے اور سراسر نامکمل ہے۔"

یہ بات سن کر اہل مجلس میں سے کسی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

اِنِّیْ اَکُوْنُ اَحْیَانًا وَرَآءَ الْاِمَامِ یعنی میں تو امام کے پیچھے بھی نماز پڑھتا ہوں۔ایسی صورت میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا کیا موقع ہوتا ہے۔

سائل کا مطلب یہ تھا کہ امام جب قرآن پاک کو پکار کر پڑھ رہا ہوتا ہے تو اس کی قراۃ میں ہم اپنی قراۃ کیونکر جاری رکھ سکتے ہیں۔

اس پر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا:

اِقْرَأْ بِهَا فِیْ نَفْسِکَ (مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی)

کہ ایسی صورت میں اس سورہ مبارکہ کو اپنے جی میں ہی آہستہ آہستہ پڑھ لیا کرو (کیونکہ یہ سورہ مبارکہ نماز کا جزو لازم ہے اور اس کے ترک ہو جانے سے نماز بطور نماز شمار نہیں ہوتی۔

مستقبل کی فکر

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ واقعہ پیش آیا تو آپؐ نے اس واقعہ کے آئینہ میں مستقبل کے خطرات کو شدت سے محسوس کیا اور پوری فکر مندی سے متوقع خطرات کے ازالہ پر اپنی توجہ مبذول کی اور پھر اس باب میں اتنی زیادہ ہدایات جاری فرمائیں اور اتنے احکامات صادر فرمائے کہ مطلع بالکل صاف ہو گیا اور مستقبل کے افق کی پیشانی کا ہر داغ دھل گیا۔اوہر گدلاہٹ دور ہو گئی۔

اس عنوان سے رسول اللہ ﷺ کی فکر مندی کے چند مظاہر پیش خدمت ہیں:

☆ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ اِمَامٍ اَوْ غَیْرِ اِمَامٍ (بیہقی کتاب القراۃ صفحہ ۴۸)

یعنی نمازی خواہ امام کے پیچھے ہو یا امام کے بغیر ہو اس کی نماز سورہ فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی۔

☆ لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَاءُ بِفَاتِحَۃِ الْکِتٰبِ خَلْفَ الْاِمَامِ۔ (بیہقی کتاب القراۃ صفحہ ۵٦)

کہ اس شخص کی نماز کوئی نماز نہیں ہے جس نے امام کے پیچھے نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی۔

☆ مَنْ صَلّٰی خَلْفَ اِمَامٍ فَلْیَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتٰبِ (طبرانی)

کہ جب کوئی شخص امام کے پیچھے نماز ادا کرے تو اسے چاہیے کہ اپنی نماز کی تکمیل کے لئے اپنے لئے سورہ فاتحہ خود پڑھے (یعنی اس سورہ مبارکہ کا پڑھنا امام پر نہ چھوڑ رکھے)

☆ لَاتَقْرَءُنَّ خَلْفِیْ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتٰبِ (بیہقی)

کہ (لوگوں! میں اللہ کا رسول ہوں مگر تم) میری اقتداء میں نماز ادا کرتے (بھی سورہ فاتحہ کو کبھی فراموش نہ کرنا۔ہاں البتہ) میرے پیچھے اس سورہ مبارکہ کے علاوہ قرآن میں سے اور کچھ نہ پڑھا کرو۔

☆ فَلَا تَقْرَءُ بِشَیْئٍ مِنَ الْقُرْآنِ اِذَا جَھَرْتُ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْآنِ (دار قطنی)

کہ میں جب نماز کے اندر جہری قرأت کروں تو تم میرے پیچھے (اس حالت میں بھی سورہ فاتحہ کو کبھی ترک نہ کرو۔لیکن) سورہ فاتحہ کے علاوہ قرآن کریم سے اور کچھ نہ پڑھو۔

اب آپ غور فرمایئے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر پڑھی گئی جس نماز کو محمد ﷺ کی امامت بھی نماز نہیں بناتی وہ کسی دوسرے کی اقتداء میں پڑھی جانے سے کیونکر نماز شمار ہوگی۔

یہ دیوار بھی گر چکی ہے

فاتحہ خلف الامام سے انکار کی حمایت میں حنفی بھائیوں کے دامن میں کسی صحیح و صریح اور مرفوع حدیث کے بجائے بڑا عذر صرف ایک ہی ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اس کے قائل نہیں تھے اور ہم چونکہ ان کے مقلد ہیں اس لئے ان کی تقلید میں ہمارا بھی یہی

عقیدہ ہے لیکن واضح رہے کہ یہ محض ایک عذر لنگ ہی ہے' ورنہ حق یہی ہے کہ یہ عذر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔

کیونکہ محمد ﷺ کے صحیح اور ثابت ارشاد کو حجت سمجھنے کے بجائے ان کے کسی امتی کے قول کو حجت قرار دینا صرف حنفی بھائیوں کی سمجھ میں ہی آتا ہوگا' ورنہ یہ بات اللہ اور اس کے رسول ؐ کو اصل مرجع' اصل متبوع اور اصل مطاع سمجھنے والے کسی دوسرے مسلمان کی سمجھ میں آنے والی نہیں ہے کیونکہ شارع رسول اللہ ﷺ ہیں ابو حنیفہ رحمتہ اللہ نہیں ہیں۔

حضرت ابو حنیفہؒ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے

لیکن اگر ہمارے حنفی بھائی کسی درجہ میں بھی انصاف کا ساتھ دے سکیں تو ہم ان کی خدمت میں عرض کریں گے کہ جن ذرائع نے آپ کو یہ خبر دی ہے کہ ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں تھے' انہی ذرائع کا کہنا ہے کہ حضرت ابو حنیفہؒ نے بعد میں اپنے اس عقیدے سے رجوع کر لیا تھا اور وہ فاتحہ خلف الامام کے قائل ہو گئے تھے۔

مشہور حنفی بزرگ حضرت امام شعرانیؒ لکھتے ہیں :

فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگرد حضرت امام محمدؒ کے دو قول ہیں :

احدهما عدم وجوبها على المأموم بل ولا تُسَنُّ

یعنی ان کا ایک قول یہ ہے کہ مقتدی کے لئے فاتحہ خلف الامام نہ واجب ہے اور نہ سنت۔

شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ : وقولهما القديم یعنی یہ ان دونوں بزرگوں کا پرانا مسلک ہے' مگر ان کا جدید مسلک یہ ہے (جسے انہوں نے دلائل مہیا ہونے کے بعد بطور ایک صحیح مسلک کے اختیار کیا اور جس پر ان کی وفات ہوئی)

استحسانها على سبيل الاحتياط وعدم كراهتها عند المخافة للحديث المرفوع لا تَفعَلُوْا اِلاَّ بِاُمِّ الْقُرْآنِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لاَتَقرَءُوْا بِشَيئٍ اِذَا جَهَرْتُ اِلاَّ بِاُمِّ الْقُرْآنِ (غیث الغمام حاشیہ امام الکلام از مولانا عبدالحئی لکھنوی صفحہ ۲۱۶)

کہ سورہ فاتحہ خلف الامام بلا کراہت ایک مستحسن امر ہے اور اس کا محتاط پہلو بھی یہی ہے۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے یہ مرفوع حدیث آچکی ہے کہ لاتفعلو الا بام القرآن کہ نماز میں میرے پیچھے سورہ فاتحہ (تو ضرور پڑھو مگر اس) کے علاوہ قرآن میں سے اور کچھ نہ پڑھا کرو- اور ایک روایت میں ہے کہ جب میں اونچے آواز سے پڑھ رہا ہوں تو تم سورہ فاتحہ کے سوا اور کچھ نہ پڑھو (بلکہ میری قرأت کو چپکے رہ کر سنو) حضرت شعرانیؒ تحریر کرتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد امام محمدؒ کے عقیدہ میں یہ تبدیلی امام ابو حنیفہؒ کے واجب الاحترام استاذ حضرت عطاء رحمتہ اللہ علیہ کی رہنمائی سے وقوع پائی ہے- انہوں نے جب اپنے استاد سے سنا کہ "صحابہؓ اور تابعینؒ کا عقیدہ یہی ہے کہ امام خواہ قرأت بالجہر سے نماز پڑھا رہا ہو حدیث لاتفعلو الا بام القرآن کے بموجب سورہ فاتحہ کا اپنی جگہ پڑھنا ہر شخص پر ہی واجب ہے" تو اس کے بعد انہوں نے اپنے شاگرد امام محمدؒ سمیت یہی عقیدہ اختیار کر لیا- چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

فَرَجَعَا مِنْ قَوْلِهِمَا الْاَوَّلَ اِلَى الثَّانِى اِحْتِيَاطًا (حوالہ مذکور)

یعنی پھر حضرت امامؒ اور ان کے شاگرد دونوں نے ہی اپنے پہلے مسلک سے رجوع کر کے یہ جدید مسلک اختیار کر لیا-

پس اگر ہمارے حنفی بھائی فاتحہ خلف الامام پر عمل اس لئے نہیں کر رہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے اس کے خلاف وارد ہوا ہے- تو جب امام صاحب کا اپنے اس غیر صحیح عقیدہ سے رجوع ثابت ہے تو انہیں ان کے رجوع کی بھی تقلید کرنی چاہیے--

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے

ایک اور رخ سے

ہم اس بات پر اپنے رب کو گواہ ٹھہراتے ہیں کہ ہم بہر حال اپنے حنفی بھائیوں کو، جو سورہ فاتحہ خلف الامام کے وجوب سے انکار کرتے ہیں، عقبٰے کے خسارہ سے بچا لینے کی ہی خواہش رکھتے ہیں اور ہم نہیں چاہتے کہ بخت کی کوتاہی انہیں اپنے رب کے حضور شرمندہ کرے اور وہ اپنے خیال میں اپنے رب کے حضور ایک نمازی کی حیثیت سے ہی پیش ہوں، مگر وہاں ان کے نامہ اعمال میں نماز کا خانہ ہی بالکل خالی ہو۔

اس لئے یہاں ہم ان کی ہمدردی میں ان کے عقیدہ کی غلطی پر دو ایسے معتبر گواہ پیش کرتے ہیں جن کو وہ بھی معتبر جانتے ہیں اور ان پر اعتماد کرتے ہیں۔

ان دو گواہوں میں سے ایک حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ ہیں اور دوسرے بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ محدث دہلوی ہیں۔

حضرت عبدالقادر جیلانیؒ

حضرت شیخ فرماتے ہیں، نماز کے مندرجہ ذیل پندرہ ارکان ہیں :

(۱) قیام (۲) تکبیر تحریمہ (۳) قرآۃ الفاتحہ (۴) رکوع (۵) رکوع میں اطمینان (۶) قومہ (۷) قومہ میں اطمینان (۸) سجدہ (۹) سجدہ میں اطمینان (۱۰) جلسہ بین السجدتین (۱۱) اطمینان سے بیٹھنا (۱۲) آخری تشہد (۱۳) تشہد میں اطمینان سے بیٹھنا (۱۴) درود شریف (۱۵) سلام (غنیتہ الطالبین مترجم فارسی مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۰)

اس تحریر سے ظاہر ہے کہ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے نزدیک نماز کے اندر سورہ فاتحہ کا وہی مقام ہے جو قیام، رکوع، سجد، قومہ، جلسہ، تشہد اور دوسرے ارکانِ نماز کو حاصل ہے، اور ارکان نماز کے بارے میں حضرتؒ کا ارشاد یہ ہے :

اِنْ تَرَكَ رُكْنًا عَامِدًا اَوْسَاهِيًا فَبَطَلَتْ (غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۲)

کہ ارکان نماز میں سے کوئی رکن بھی خواہ اسے دانستہ ترک کیا جائے یا وہ بھول کر چھوٹ جائے' دونوں صورتوں میں ہی نماز باطل ہو جاتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

شاہ صاحب تحریر کرتے ہیں:

نبی ﷺ نے نماز کے اندر دو حدیں مقرر فرمائی ہیں:

وَالْحَدُّ الْاَوَّلُ يَشْتَمِلُ عَلٰى مَا يَجِبُ اِعَادَةُ الصَّلٰوةِ بِتَرْكِهٖ (حجۃ اللہ البالغہ' جلد ۲ صفحہ ۷۰ ۴ شائع کردہ شیخ غلام علی)

یعنی نماز کی پہلی حد ان امور پر مشتمل ہے جن میں سے کسی ایک کے ترک ہو جانے سے بھی نماز کا دہرانا واجب آتا ہے' اور فرماتے ہیں:

وَمَا ذَكَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَفْظِ الرُّكْنِيَّةِ كَقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتٰبِ (حوالہ مذکور صفحہ ۷۱ ۴)

یعنی اس پہلی حد میں داخل امور کو نبی ﷺ نے ارکان نماز کا نام دیا ہے اور اس کی مثال وہ حدیث پاک ہے جہاں ارشاد ہوا ہے لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتٰبِ کہ جس نماز میں سورہ فاتحہ شامل نہیں' وہ نماز کوئی نماز نہیں ہے۔

ایک سوال

اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت کی نماز میں امام کی اتباع واجب ہے اور نمازی اس بات کا مکلف ہے کہ وہ امام کے قیام کے ساتھ قیام کرے' اس کے رکوع کے ساتھ رکوع کرے' وہ سجدہ میں گر جائے تو یہ بھی سجدہ میں چلا

جائے' امام کے قومہ کے ساتھ وہ قومہ کرے' اس کے جلسہ کے ساتھ جلسہ میں بیٹھے' اور امام جب تشہد میں بیٹھے یہ بھی اس کی پیروی کرے' مگر یہ ساری پیروی نماز کی مختلف شکلوں ہیئتوں اور حالتوں میں ہی ہے۔ ان مقامات کے ورد' وظیفے اور کلمات اس پیروی میں شامل نہیں ہیں۔

یعنی نمازی اپنے امام کے قیام کے ساتھ قیام تو کرے گا' امام کے رکوع کے ساتھ وہ رکوع کا مکلف تو ہے' امام کے سجدہ کے ساتھ وہ سجدہ کرنے کا بھی پابند ہے۔ امام کے تشہد کی صورت میں وہ بھی تشہد میں بیٹھے گا' اور پھر امام جب تک قیام میں ہے یہ بھی قیام میں رہے گا۔ وہ جتنی دیر تک رکوع میں جھکا رہے گا' یہ بھی اتنی دیر تک ہی جھکے رہنے میں اس کی پیروی کرے گا۔ امام جتنی دیر تک سجدہ میں پڑا رہے گا اس کو بھی اتنی ہی دیر تک سجدہ میں رہنا پڑے گا' وہ جتنی دیر تک تشہد میں رہے گا۔ یہ بھی اتنی ہی دیر تک تشہد میں بیٹھنے کا مکلف ہے۔ مگر جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں یہ پیروی نماز کی مختلف ہیئتوں اور شکلوں کے اختیار کرنے میں ہی ہے تاکہ جماعت کی نماز کی شوکت ظاہر ہو' اکیلے کی نماز پر جماعت کی نماز کی برتری اور وجاہت کا اظہار ہو' نظم وضبط کی برکات و حسنات کا عملی مظاہرہ آنکھوں میں پھر جائے اور اگر دشمن بھی عبادت کے اس اجتماعی رخ کا مشاہدہ کریں تو ان پر مسلمانوں کی اجتماعیت اور ان کے اجتماعی نظم وضبط کی ہیبت طاری ہو لیکن ان سب مقامات پر پڑھے جانے والے کلمات سب نمازیوں کے اپنے اپنے جدا ہی ہوتے ہیں۔

جب آپ اپنے رکوع کی تسبیحات کے لئے امام کی تسبیحات کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ آپ کا رکوع امام کی اتباع کے باوجود اپنی جدا تسبیحات سے ہی مکمل ہوتا ہے' سجدہ میں آپ کی اپنی تسبیحات امام سے الگ ہی پڑھنی ہوتی ہیں' تشہد میں بھی آپ اپنی دعائیں امام سے الگ ہی پڑھتے ہیں۔ پھر آخر آپ کی اس ضد میں کیا تک ہے اور آپ کے پاس اپنے اس تشدد

کے لئے کیا جواز ہے کہ آپ اپنی نماز کی تکمیل کے لئے اپنی سورہ فاتحہ امام سے الگ پڑھنے پر کسی طرح بھی آمادہ نہیں ہیں۔

آخر آپ کے پاس اس سوال کا کیا جواب ہے کہ آپ کا رکوع تو امام سے الگ تسبیحات پڑھے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ آپ کے سجدہ کو تو امام کی تسبیحات کفایت نہیں کرتیں۔ آپ امام کی پیروی میں جو بھی ہیئت اختیار کریں آپ اس مقام کے ورد و وظیفے اور کلمات کو امام کے تابع نہیں کرتے تو پھر آپ اپنے قیام کے وظائف کو امام کے سپرد کرکے کیوں سمجھ لیتے ہیں کہ اس مقام کے ورد وظیفے وہی کافی ہیں جو امام نے پڑھ دیئے۔

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم اگر آپ خود نہ پڑھیں تو آپ کا رکوع باطل ہے۔ اگر آپ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى اپنی زبان سے نہ پڑھیں تو آپ کا سجدہ بیکار چلا گیا' لیکن سورہ فاتحہ جو قیام کی اصل ہے اگر آپ اس کو نہ پڑھیں تو آپ کا قیام مکمل ہو جاتا ہے۔ آخر آپ نے اس عنوان سے کبھی سوچنے کی تکلیف گوارا کیوں نہیں فرمائی۔ یہ بات بڑی آسان ہے۔ آخر آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں بیٹھتی۔

احناف کے دلائل کی حیثیت

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی عدم قرأت کے حق میں احناف بزرگوں نے اگرچہ بہت سی روایات جمع کر رکھی ہیں جن کو وہ اپنے دلائل کا نام دیتے ہیں اور انہیں اصرار ہے کہ دوسرے لوگ بھی ان کی جمع و ترتیب کو بطور دلائل ہی قبول کر لیں مگر افسوس کہ اس باب میں ہم اپنے بھائیوں کے لئے خوشی کا سامان مہیا نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے دلائل کی سندی حیثیت کے بارے میں خود احناف اہل علم و خبر بھی مطمئن نہیں ہیں۔

مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ

حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ مشہور حنفی بزرگ ہیں اور حنفی اصحاب فکر و نظر میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں' وہ تحریر کرتے ہیں :

لَمْ یَرِدْ فِی حَدِیْثٍ مَّرْفُوعٍ صَحِیْحٍ النَّهْیُ عَنْ قِرَآءَةِ الْفَاتِحَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ وَکُلُّ مَاذَکَرُوْہُ مَرْفُوْعًا اِمَّا لَااَصْلَ لَهٗ وَاِمَّا لَا یَصِحُّ (تعلیق الممجد مولانا عبدالحیٔ شائع کردہ مکتبہ ایم ایچ سعید صفحہ ۹۹ حاشیہ نمبر ۶)

یعنی کسی بھی مرفوع اور صحیح حدیث میں فاتحہ خلف الامام کی ممانعت وارد نہیں ہوئی اور (حق یہی ہے کہ) جو مرفوع روایات (ہمارے احناف اہل علم بزرگوں کی طرف سے فاتحہ خلف الامام کی ممانعت کے ثبوت میں) پیش کی جاتی ہیں ان میں کچھ تو ایسی ہیں کہ ان کی کوئی اصل ہی نہیں ہے اور کچھ ایسی ہیں جو صحت کو نہیں پہنچیں' سبحان اللہ ۔

دوست ہی دشمن جاں ہوگیا اپنا حافظ

انو شدارو نے کیا اثر سم پیدا

ہم حضرت لکھنویؒ مرحوم کے بے حد مشکور ہیں کہ انہوں نے ایک حق بات کو برملا کہہ کر ہمیں اس باب کی بہت سی مشقت سے بچا لیا ہے اور حق یہی ہے کہ حضرت لکھنویؒ کے اس اعتراف حقیقت کے بعد ہمیں اس بے سند اور بے اصل ذخیرہ دلائل کی تردید میں مزید کچھ عرض کرنے کی ہرگز حاجت نہیں رہ سکی ہے اور حضرت کی صدق مقال کے اجلال و احترام میں ہمیں اس بحث کو حضرت مرحوم کے اس قول فیصل پر ہی ختم کر دینا چاہیئے تھا۔ مگر تاکہ ہم اپنے فریق ثانی کو اپنی عدم پذیرائی کے احساس میں پڑنے سے بچا سکیں۔ ہم

حضرت مرحوم کی روح سے معذرت کی ساتھ احناف کی دو مایہ ناز دلیلوں کا ذکر بطور مثال کرنے کی اجازت چاہیں گے۔

پہلی دلیل

فاتحہ خلف الامام سے انکار کے عقیدہ کی حمایت میں احناف نے جو سب سے بڑی اور اپنے زعم کے مطابق زیادہ قوی دلیل پیش کی ہے اور جس پر ان کے عوام و خواص سب کو ہی ناز ہے سو مندرجہ ذیل ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ (سورہ الاعراف)

"یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو تم چپکے رہ کر سنو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

احناف کا کہنا ہے کہ اگر مقتدی بھی امام کے پیچھے قرآن پڑھنے لگے گا تو اس کا یہ فعل قرآن کریم کی اس آیہ مبارکہ کے خلاف ہوگا۔

امر واقعہ یہی ہے کہ حنفی اہل علم نے اس آیہ مبارکہ کو فاتحہ خلف الامام سے انکار کے ثبوت میں پیش کر کے نہ صرف اپنے اہل مسلک کے ساتھ ہی بڑی زیادتی کی ہے بلکہ یہ ایک سخت درجہ خسارے کا سودا بھی ہے کیونکہ یہ آیہ مبارکہ مسلمان نمازیوں کے لئے نہیں بلکہ کافروں اور منکروں کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اس میں از اول تا آخر کافروں سے ہی خطاب ہے۔

اب اس کو سوائے بدنصیبی کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ حنفی بزرگوں نے اپنی غلط ضد کا بھرم رکھنے کے لئے کافروں کو ان کی خساست پر تنبیہ کرنے والی ایک آیہ قرآن کو مسلمانوں کے لئے خاص کر دیا ہے۔ اور کافروں کو ان کے جرم کاری سے بری کر کے اس تیر کا ہدف خود اپنے ہم مسلک نمازیوں کو ہی بنا دیا ہے۔ سبحان اللہ۔

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے !

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

معلوم نہیں یہ لوگ سورہ فاتحہ سے اس درجہ کیوں الرجک' ہیں کہ بہ ہزار تکلف بھی اس سے پیچھا چھڑا لینا چاہتے ہیں- یہ ایک حاصل قرآن سورہ مبارکہ ہے' برکات و حسنات کا خزانہ ہے' نبی ﷺ نے اس کو قرآن کے قائم مقام بنا کر نماز کے اندر قیام میں داخل کیا ہے-

رسول اللہ ﷺ کے ہاں قرآن کریم کا یہ حکم کہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ نماز میں صرف سورہ فاتحہ کی تلاوت پر ہی اپنی تعمیل کو پہنچ جاتا ہے مگر ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ سورہ فاتحہ کا نام سنتے ہی آگ بھبوکا ہو جاتے ہیں اور یہ بزرگ اس غریب سے یوں بھاگ بدک رہے ہیں کہ جیسے یہ کوئی قہر خداوندی ہے' کوئی بلائے آسمانی ہے' کوئی جگر دوز آفت ہے اور پھر اس باب میں ان حضرت پر نہ نبی ﷺ کا کوئی ارشاد ہی مؤثر ہوتا ہے' نہ یہ اصحاب رسولؐ کو ہی مانتے ہیں اور نہ کسی دوسرے بزرگ کی ہی سنتے ہیں- یا اللہ ! ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے !

حقیقتِ حال

واضح رہے کہ یہ آیہ مبارکہ سورہ اعراف کے آخری رکوع کا حصہ ہے- آپ قرآن کریم کو کھول کر اپنے سامنے رکھ لیجئے اور پھر خود اس آیۂ مبارکہ سے ہی دریافت حال کیجئے' یہ اپنی ساری کہانی خود اپنے منہ سے ہی آپ کو سنا دے گی' وہ بڑی خوبی سے آپ کو بتائے گی کہ وہ کس پس منظر میں اتری ہے اور کن لوگوں کے لئے اتری ہے؟

مکہ میں رسول اللہ ﷺ سے کفار کا طرز عمل کوئی مستور کہانی نہیں

ہے' بڑی کھلی تاریخ ہے اور سب کے سامنے ہے۔کفارِ مکہ جن مختلف طریقوں سے رسول اللہ ﷺ کو پریشان کرتے تھے۔ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ لوگ راہ گلی آپؐ سے معجزے طلب کرتے تھے' جو بھی آتا کوئی نہ کوئی نشان ہی مانگتا' آپؐ کے ہاتھ سے کوئی اعجاز ہی دیکھنا چاہتا۔آپ کی ذات میں کراموں کا تجسس ہی کرتا۔اب ظاہر ہے کہ نبوت کوئی کاروبار نہیں کہ ہر گاہک کو خوش رکھنے کی کوشش کی جائے۔ پھر معجزہ بھی نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا کہ وہ جب چاہے اور جہاں چاہے دکھانے لگ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کے ہاتھ پر کسی معجزہ کا اظہار کرنا اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔جب چاہتا ہے اور جسے چاہتا ہے دکھا دیتا ہے اور جب نہیں چاہتا نہیں دکھاتا' نبی کا اپنے اللہ پر کوئی زور نہیں ہوتا۔

ان حالات میں کفارِ مکہ جب نبی ﷺ سے مایوس ہوتے تو زبان طعن دراز کرتے اور حضورؐ کے عند الطلب معجزہ نہ دکھانے کو آپ کی نبوت کے خلاف دلیل بناتے۔

سورہ اعراف کے اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہی قصہ بیان کیا ہے ارشاد ہے :

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (الاعراف آیت ۲۰۳ رکوع ۲۴)

کہ (اے اللہ کے رسولؐ) "جب تو ان کافروں کی مرضی کے مطابق ان کو کوئی نشانی نہیں دکھاتا' تو کہتے ہیں یہ شخص (نبی تھا تو) ہمیں کوئی نشان کیوں نہیں دکھا سکا۔"

آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں صرف اپنے رب کی طرف سے آنے والی وحی کے ہی تابع ہوں' پس میں وہی کچھ کہتا ہوں اور کرتا ہوں جو میرے اللہ کی مرضی ہو (اور پھر تم جو معجزے مانگتے ہو تو) یہ قرآن خود ایک بڑا معجزہ ہے' بصیرتوں کا خزانہ ہے' اس پر غور کرو (اس کے ہوتے ہوئے کسی اور معجزے کی کیا حاجت ہے!') اہل ایمان اسی سے ہدایت اور روشنی پار

ہے' میں (اب تم قرآن پر تو کان نہیں رکھتے اور معجزے مانگ رہے ہو)

یوں کفار مکہ کی طینت کے اس تاریک رخ کی عکاسی فرما کر پھر اگلی آیت میں ان کی جہالت پر سرزنش کرتے ہوئے بطور نصیحت ان کے شعور کو تحریک کی کہ :

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ (الاعراف آیت ۴۔۲)

کہ (کفار مکہ ! مسلمانوں کی طرح تمہارے لئے بھی یہی بات مناسب ہے کہ) جب قرآن پڑھا جائے تو چپکے رہ کر اسے سنا کرو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ (تمہاری قسمت بھی جاگ اٹھے اور) تم پر بھی خدا کی رحمت کے دروازے کھل جائیں۔

دیکھئے کتنی صاف بات ہے۔ اول سے آخر تک کافروں سے ہی خطاب ہے' انہی کی خرمستیوں کا ذکر کیا ہے اور پھر انہی کو ایک مناسب حال نصیحت فرمائی ہے کہ :

بدنصیبو! تم بھی قرآن پاک پر کان دھرو' اس کو سننے اور سمجھنے سے انسانوں کی قسمتیں بنتی ہیں' ان کے بخت بیدار ہونے لگتے ہیں۔ تم کیسے بے وقوف لوگ ہو کہ لپک کر حاصل کرنے والی دولت سے بدک رہے ہو' بڑھنے کے بجائے بھاگ رہے ہو' ماننے کے بجائے انکار کر رہے ہو' لینے کے بجائے ترک کر رہے ہو' جس کو تمہارے لئے خاص کر دیا گیا ہے اس سے منہ موڑ رہے ہو۔

الغرض کلام کے اسلوب اور موقع محل سے صاف واضح ہے کہ اس آیہ مبارکہ کا نہ صرف سورہ فاتحہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ' اس کا خود نماز سے ہی کوئی رشتہ نہیں ہے۔

یہ از اول تا آخر نماز سے خارج مجالس و محافل کے لئے ہی خاص ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے فرزند گرامی حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ اس آیہ مبارکہ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں :

جب کوئی قرآن پڑھے تو اوروں پر واجب ہے کہ باتیں نہ کریں بلکہ دھیان سے سنیں کہ شاید دل میں ہدایت پڑے لیکن اگر کوئی پڑھنے والا (موقع و محل کا خیال کئے بغیر) باتوں کی مجلس میں پڑھنے لگے (اور لوگ دھیان نہ دیں) تو یہ اس کی اپنی خطا ہے۔ (موضح القرآن شاہ عبدالقادرؒ)

ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک بھی یہ آیہ مبارکہ نماز یا نماز کی کسی حالت کے لئے نہیں۔ بلکہ اس کا نزول نماز سے خارج مجالس وغیرہ کے لئے ہی ہوا ہے اور نماز یا فاتحہ خلف الامام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک توجہ طلب حقیقت

اس آیہ مبارکہ کو فاتحہ خلف الامام سے جوڑنے میں دوسری بہت سی بے خبریوں کے علاوہ ایک حرفِ فہرست بے خبری یہ ہے کہ جب اس آیت کا نزول ہوا اس وقت تک ابھی نماز' ہی فرض نہیں ہوئی تھی اور جب خود نماز ہی فرض نہیں تھی تو ظاہر ہے کہ نماز کے بارے میں کوئی مسائل بھی موجود نہیں تھے' نہ آمین بالجہر کی کوئی بحث موجود تھی' نہ فاتحہ خلف الامام کی' نہ ابھی روزہ فرض ہوا تھا' نہ تراویح کے مسئلہ نے وجود پایا تھا۔

اور ایک بڑی بات یہ کہ جب ابھی حنفی بھائی ہی موجود نہیں تھے تو یہ جھگڑے ہی کیونکر چلتے اور یہ بحثیں کیونکر پیدا ہو تیں!

تاہم اگر آدمی بات کو سمجھنا چاہے تو یہ کوئی لاینحل مسئلہ نہیں ہے۔ اور بڑی ہی آسانی سے قابل فہم ہے کہ جب نہ نماز فرض تھی' نہ اس میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہی واجب تھا تو ان حالات میں اسے خلف الامام پڑھنے سے روکنے میں کیا تک ہے!

اور پھر یہ تو دور صحابہؓ کی بات ہے جب قرآن کے عوض جان کا سودا زندگی کی حقیقی نجات تھی اور قرآن پر جان کو قربان کرنا اصحابؓ رسول کا حاصل ایمان تھا۔ تعجب ہے کہ ان لوگوں کے بارے میں احناف کہتے ہیں کہ وہ قرآن کے اندر کوئی کشش نہیں رکھتے یہاں تک کہ آسمان سے ان کے لئے تنبیہ نازل ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عزیزو! مسلمان تو کسی گئے گزرے زمانہ میں بھی قرآن پاک کی تقدیس سے بھی غافل نہیں رہے اور آپ کا ارشاد ہے کہ اصحاب رسول تک کو بھی چپکے رہ کر قرآن سننے کے لئے نصیحت ناگزیر ہوگئی تھی۔ جبکہ یہ گستاخی ہمیشہ کافروں کا ہی حقدر رہی ہے جن کو قرآن پاک سے نفرت تھی اور انہوں نے قرآن کریم کے مقابلہ کی یہ صورت تجویز کر رکھی کہ

لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (حم السجدہ)

کہ لوگو اس قرآن کو ہرگز مت سنو اور جب قرآن سنانے لگیں تو سب مل کر شور مچا دیا کرو تاکہ ان کا قرآن تمہارے شور میں گم ہو جائے (ان کی بات نہ بن سکے) اور تمہارا غلبہ قائم رہے۔

مسلمانوں سے بھلا ایسی گستاخی کیونکر ممکن تھی۔ مسلمان قرآن کے لئے کس درجہ مؤدب تھے اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہی کر لیجئے کہ نبی ﷺ کی وفات پر مغلوب الحال مسلمانوں کی بشریت کے بے قابو مظاہر کو قرآن کی صرف ایک آیت نے ہی کنٹرول کر لیا تھا اور جذبات کا بحر مواج صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان سے اچھلنے والے چند قرآنی الفاظ کی ساحری سے ہی ساکن سمندر میں تبدیل ہو گیا تھا۔

تو کیا یہ لوگ قرآن پر کان نہیں رکھتے تھے جو اللہ تعالیٰ کو خاص اہتمام کے ساتھ انہیں سرزنش کی ضرورت لاحق ہوئی! آخر آپ کی سوچ کو کیا ہو گیا ہے!

حد ہو گئی کہ قرآن پاک کی ایک آیت جو کفار مکہ کی ایک قبیح حرکت پر بطور تنبیہ نازل ہوئی تھی آپ نے اسے اپنے نمازیوں کی قسمت بنادیا اور کفار نابنجار کو صاف بری کر دیا اور بات ہر پھر کے پھر وہی رہی کہ ۔

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے !
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

پھر وہی مولانا عبد الحیؒ لکھنوی

حضرت مولانا عبد الحیؒ حنفی لکھنوی نے اس باب میں بڑی دوٹوک بات کہی ہے۔

وہ اگرچہ مقلد ہونے کے رشتہ سے خود بھی فاتحہ خلف الامام پر عامل نہیں ہیں، مگر زیر بحث آیۂ مبارکہ کو عدم قراۃ فاتحہ خلف الامام کی دلیل بنانے کے سلسلہ میں ان کا موقف یہ ہے :

اس آیۂ کریمہ (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا) کو ہمارے اصحاب علم نے اپنے مذہب (عدم قراۃ فاتحہ خلف الامام) کی دلیل بنایا ہے، جبکہ یہ آیہ کریمہ جہری نمازوں میں امام کے سکتوں (یعنی ایک آیت کے اختتام اور دوسری کے شروع کے درمیانی وقفوں) میں سورہ فاتحہ کے پڑھنے کو مانع نہیں ہے۔ (امام الکلام صفحہ ۱۵۱ مفہوم)

دوسری جگہ وہ حنفی مشائخ کے مختار مذہب سے اپنے موقف کی تائید میں بڑا زور دار استدلال کرتے ہیں کہ ہمارے بہت سے مشائخ کا مختار مذہب یہی ہے کہ (سری نمازوں میں) امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا امر مستحسن ہے۔ بنابریں فلا یستنکرا ستحسا نہا فی الجہریۃ ایضًا اثناء سکتات الامام بشرط ان لایخل بالا ستماع (عمدۃ الرایہ شرح وقایہ جلد اول صفحہ ۱۷۳

حاشیہ ۱۴) پس اس بنا پر امام کے سکتوں کے درمیان ایک مستحسن امر کو جہری نمازوں میں بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ استماع میں خلل نہ ہو۔

سخنِ آخر

یہ پوری بحث تو خیر پیش آمدہ صورت حال کی مجبوری تھی مگر فیصلہ کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ حکم دیا تھا کہ نماز خواہ سری ہو یا جہری امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا بہرحال واجب ہے تو اس وقت بھی یہ آیۂ مبارکہ قرآن پاک میں موجود تھی اور اس کی موجودگی کے باوجود آپؐ نے فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

یعنی یہ آیۂ مبارکہ تو مکہ میں نازل ہوچکی تھی مگر فاتحہ خلف الامام او غیر امام کے وجوب کی بات مدینہ منورہ میں ہوئی ہے' تو کیا آپ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کو بھی معلوم نہیں تھا کہ سورہ فاتحہ خلف الامام کی ممانعت قرآن میں موجود ہے! ظاہر ہے کہ اگر انھیں معلوم ہوتا کہ فاتحہ خلف الامام سے قرآن نے پہلے سے منع کر رکھا ہے تو آپؐ ایسا مخالف قرآن حکم کیوں دیتے! اور اگر حضور ﷺ کو اس بات کی خبر تھی اور اس کے باوجود آپ نے قرأۃ فاتحہ خلف الامام کا حکم دیا ہے' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کے پیچھے خاموش رہنے کا یہ حکم سورہ فاتحہ کو مؤثر نہیں ہے اور اگر مؤثر بھی تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے خاص حکم سے سورہ فاتحہ کو اس حکم کی مؤثریت سے مستثنیٰ فرما دیا تھا۔ بنا بریں بات یہیں آکر ٹھہری کہ :

مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں جو کچھ بھی دیں اسے

پلے باندھ لو اور اس کے مطابق عمل کرو' یہی اصل ایمان ہے اور مسلمانوں کا شعار بھی ہمیشہ یہی رہا ہے کہ ؎

جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ
جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ

دوسری دلیل

احناف بھائیوں کی طرف سے اپنے مذہب کے حق میں دوسری بڑی دلیل کے طور پر اس روایت کو پیش کیا گیا ہے:

مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ (ابن ماجہ دارقطنی جلد ۱ صفحہ ۳۲۳)

یعنی جب کوئی شخص امام کے پیچھے ہو تو امام کی قرأت اس کے لئے کافی ہے۔

اس کا بڑا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ روایت ہی سرے سے قابل قبول نہیں کیونکہ اس کے راویوں کے ایک سلسلہ میں ایک راوی جابر جعفی ہے اور اس بزرگ کے بارے میں حضرت امام ابو حنیفہ کا فتویٰ ملاحظہ فرمالیجئے اور بات پھر اسی پر ختم کیجئے حضرت فرماتے ہیں:

ما رأيتُ أكذب من جابر الجعفي (انجاح الحاجہ برحاشیہ ابن ماجہ- نصب تخریج الزیلعی صفحہ ۲۱۸)

کہ میں نے جابر جعفی سے بڑھ کر جھوٹا شخص کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔

یہ راوی حضرت امام صاحب کے زمانہ میں ہی موجود تھا اور آپ کی مجلس میں بھی آتا جاتا تھا۔ امام صاحب نے اس شخص کے بارے میں ایک بڑا ہی دلچسپ انکشاف کیا ہے کہ میں نے اس شخص کی افتراپردازی کے بہت سے قصے سنے تھے- پھر میں نے خود بھی تجربہ کیا اور بارہا ایسا ہوا کہ میں نے اپنے دل سے ہی کوئی بات بنائی اور میں جانتا تھا کہ یہ غلط ہے- پھر میں نے جب وہ بات اس کے سامنے

پیش کی تو اس نے حجت میری تائید میں کوئی نہ کوئی حدیث گھڑ کر مجھے سنادی۔

تو لیجئے یہ احناف کی دو مایہ ناز دلیلیں ہیں جو وہ اکثر اپنے مذہب کے حق میں پیش کرتے ہیں اور ان کا جو کچھ حال ہے وہ ہمارے قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ باقی دلائل کا حال ان سے ہی پتا ہے۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

تعامل صحابہؓ

رسول اللہ ﷺ نے راہ حق کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں فرمایا: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي کہ راہ حق وہ ہے جس پر میں اور میرے اصحابؓ قائم ہیں۔ اس ارشاد کی روشنی میں اصحابؓ رسول کا طریقہ بھی ایک شرعی حجت ہے۔ چنانچہ ذیل میں ہم فاتحہ خلف الامام کے بارے میں اصحاب رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معمول پیش کر رہے ہیں۔ قسمت اگر سعید ہی ہو تو ہر طالب حق کے لئے اس میں رہنمائی کا وافر سامان موجود ہے۔

امیر المومنین فاروق اعظمؓ

☆ حضرت یزید تیمی بن شریک فرماتے ہیں کہ میں نے قرآۃ خلف الامام کے بارے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اِقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتٰبِ کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ بہر حال پڑھ۔ میں نے کہا اگرچہ نماز کے امام آپ ہی ہوں؟ فرمایا ہاں۔ میں نے مزید عرض کیا وان جہرت کہ اگرچہ آپ اونچی آواز میں قرآۃ کر رہے ہوں؟ فرمایا ہاں پھر بھی سورہ فاتحہ پڑھ۔ (جزء القرءۃ امام بخاری۔ قرآۃ خلف الامام' امام بیہقی۔ دار قطنی)

☆ابراہیم بن عدی راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک شخص کو بتا رہے تھے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی' اس نے کہا اگرچہ میں امام کے پیچھے بھی ہوں؟ فرمایا ہاں۔ اس نے دریافت کیا اگر امام بلند آواز سے قرآۃ کر رہا ہو تو پھر کیا کروں؟ فرمایا ایسی حالت میں سورہ فاتحہ اپنے جی میں پڑھ لے۔ (بیہقی)

امیر المومنین علی المرتضیٰؓ

☆حضرت ابو بکر حفص نے بہ سند صحیح حضرت علیؓ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ کان یامر بالقرءۃ خلف الامام (بیہقی) کہ آپ امام کے پیچھے نماز میں قرأۃ سورہ فاتحہ کا حکم دیا کرتے تھے۔

☆حضرت عبید اللہ بن ابی رافع راوی ہیں کہ كَانَ عَلِيٌّ يَامُرُ بِالْقِرَآءِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاَوْلَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتٰبِ فِي الْاُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتٰبِ (قرآۃ خلف الامام بیہقی صفحہ ۴۷۔ دار قطنی جلد ا صفحہ ۳۲۲) یعنی حضرت علیؓ لوگوں کو حکم دیتے تھے کہ امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ (اور سری نمازوں کی صورت میں) قرآن پاک سے کچھ مزید بھی اور آخری رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھیں۔

چند دوسرے اصحاب کبار

☆حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں: كانت عَائِشَةُ تَامُرُ بِالْقِرْءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ (جزء القرآۃ بخاری) کہ صدیقہ طاہرہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا امام کے پیچھے (جہری نمازوں میں سورہ فاتحہ اور سری میں کچھ مزید) پڑھنے کا حکم دیتی تھیں۔

☆حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے قرأت خلف خلف الامام کا مسئلہ دریافت کیا گیا تو فرمایا مجھے کعبہ کے مالک سے شرم آتی ہے کہ میں ایسی کوئی دو رکعت (خلف الامام یا غیر امام) ادا کروں

جن میں سورہ فاتحہ شامل نہ ہو (اور سری نمازوں میں) قرآن پاک سے کچھ مزید بھی۔ (جزء القرءۃ امام بخاری)

☆ حضرت سائب راوی ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: جس نماز میں سورہ فاتحہ شامل نہیں وہ ناقص ہے' بیکار ہے اور مردہ ہے۔ میں نے کہا ابوہریرہؓ! ہم کبھی امام کے پیچھے ہوتے ہیں جبکہ وہ اونچی آواز سے پڑھ رہا ہوتا ہے اس حال میں ہم کیا کریں؟ انہوں نے فرمایا اِقْرَاْ بِهَا فِيْ نَفْسِكَ کہ ایسی صورت میں تو یہ سورہ مبارکہ اپنے جی میں پڑھ لے۔ (جزء القرءۃ بخاری قرءۃ خلف الامام بیہقی)

☆ حضرت ابوشیبہ مہری کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت معاذؓ بن جبل سے قراۃ الامام کا مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے فرمایا اگر امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو تو صرف سورہ فاتحہ ہی پڑھ (ورنہ) سورہ فاتحہ کے علاوہ جتنا پڑھ سکے قرآن میں سے مزید بھی پڑھ۔ (القرءۃ خلف الامام للبیہقی صفحہ ۷۵)

☆ حضرت محمود بن ربیع راوی ہیں کہ ایک بار مجھے امام کے پیچھے حضرت عبادہؓ بن صامت کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کا موقع ملا اور میں نے حضرت عبادہؓ بن صامت کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی قراۃ کرتے پایا۔ (القراۃ خلف الامام للبیہقی قراۃ صفحہ ۴۸)

☆ حضرت ابوالہذیل فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ (جزء القراۃ بخاری)

☆ حضرت ابونضرہ راوی ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے قراۃ خلف الامام کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے۔ (جزء القرءۃ بخاری کتاب القرءۃ بیہقی)

☆ حضرت حسان بن عطیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابودرداءؓ فرماتے تھے' خبردار رہو قراۃ فاتحہ امام کے پیچھے کبھی ترک نہ کرو' اگرچہ وہ بلند آواز سے ہی پڑھ رہا ہو (کتاب القرءۃ للبیہقی صفحہ ۸۱)

☆ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مجھے تاکید کی کہ اقرأہ خلف الامام جھر اولم یجھر (جزء القرءۃ امام بخاری) کہ امام کے پیچھے قرأۃ کبھی ترک مت کر' خواہ امام اونچی آواز سے پڑھ رہا ہو (جیسے فجر' مغرب' عشاء' کی نمازوں میں) خواہ آہستہ پڑھتا ہو (جیسے ظہر اور عصر کی نمازوں میں ہوتا ہے)

☆ حضرت ابو خالد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مجھے ہدایت کی کہ اِقرء خَلفَ الإمَامِ بِفَاتِحَةِ الْكِتٰبِ (کتاب القرءۃ للبیہقی صفحہ ۷۷) کہ امام کے پیچھے بھی سورہ فاتحہ کا پڑھنا کبھی فراموش نہ کر۔

☆ حضرت ثابت راوی ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ بن مالک کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی قرأۃ کرتے سنا ہے۔ (کتاب القرءۃ للبیہقی صفحہ ۸۲)

☆ حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کو امام کے پیچھے قرأۃ فاتحہ کرتے سنا ہے۔

☆ حضرت حمید بن بلال راوی ہیں کہ میں نے حضرت ہشامؓ بن عامر کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے سنا تو سلام کے بعد میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں تمام اصحابؓ رسولؐ کا یہی معمول تھا (کتاب القرءۃ للبیہقی صفحہ ۱۰)

حضرت شاہ نظام الدین اولیاء
کا نعرۂ حق

حضرت شاہ نظام الدین اولیاءؒ حضرت بابا فرید شکر گنج کے خلیفہ اور برصغیر میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے بانی تھے۔ ان کے بارے میں حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی حضرت

علامہ کرمانی کی کتاب "سیر الاولیاء" کے حوالہ سے لکھتے ہیں :

حضرت شاہ نظام الدینؒ اگرچہ حنفی مسلک رکھتے تھے مگر صحیح حدیث کے بموجب امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا فتویٰ دیتے تھے' کسی نے انھیں بطور طعن کہا کیا آپ جانتے نہیں؟ کہ امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں انگارے بھرے جائیں گے! آپ نے جواب دیا بھائی! ایک طرف آپ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا یہ عذاب بیان کرتے ہیں اور دوسری طرف یہ بات رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جس نماز میں سورہ فاتحہ شامل نہیں ہو گی' وہ نماز باطل ہے۔ پس میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی پاداش میں اپنے منہ میں انگارے بھرے جانا تو گوارا کر لوں گا مگر اس عمل کو ترک کر کے اپنی نمازوں کو باطل کروانا مجھے منظور نہیں ہے۔[1]

کیا رکوع میں ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے؟

سورہ فاتحہ کی کار فرمائی کے خلاف ایک بالواسطہ سازش

حنفی بھائیوں کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ اس وقت جا کر ملا جب امام رکوع کی حالت میں تھا تو اس نے رکعت پالی اور اس کی نماز صحیح ہے اور اسے امام کے سلام پھیرنے کے بعد دوبارہ یہ رکعت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ اس نے قیام نہیں پایا مگر محض قیام کے نہ پانے سے اس کی نماز میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ انہوں نے اپنے اس عقیدہ کی بنیاد بخاری شریف کی مندرجہ ذیل روایت پر استوار کی ہے :

---

[1] نزہت الخواطر از علامہ عبدالحئیؒ لکھنوی صفحہ ۲۱۸

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اَنَّهُ انْتَهٰى اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ اَنْ يَّصِلَ اِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ ١ء

کہ وہ نبی ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کی لئے ایسے وقت پہنچے کہ حضور ﷺ رکوع کی حالت میں تھے اور انہوں نے حضور کو اس حالت میں پا کر صف میں پہنچنے سے پہلے وہیں رکوع کر لیا اور پھر بحالت رکوع ہی آہستہ آہستہ چل کر صف میں جا شامل ہوئے۔

حضورؐ کے سامنے اس بات کا ذکر کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نیکی کے لئے تیری رغبت اور بڑھائے' آئندہ ایسا نہ کرنا (کیونکہ امام کی اتباع امام کے ساتھ شامل ہو چکنے کے بعد ہی لازم ہے پہلے نہیں)

ہم نے جو ترجمہ میں کہا ہے کہ پھر وہ بحالت رکوع ہی چل کر صف تک پہنچے تو یہ ترجمہ ابوداؤد میں وارد ہونے والے ان الفاظ کا ہے جہاں کہا گیا ہے ثُمَّ مَشٰى اِلَى الصَّفِّ کہ پھر وہ (اسی حالت میں) چلتے ہوئے صف تک پہنچے۔

سنن کبریٰ امام بیہقی میں روایت کا ابتدائی حصہ یوں ہے:

اَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ۔ کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں ہیں اور وہ وہیں رکوع میں جھک گئے۔

اس پر احناف کا استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابو بکرہؓ کی بات سن کر انہیں یہ نصیحت تو کی ہے کہ یہ تمہارا باہر سے ہی رکوع کی حالت اختیار کر لینا صحیح نہیں تھا' آئندہ ایسا نہ کرنا۔ مگر انہیں نماز کو دہرانے کا حکم نہیں دیا اور یہ نہیں کہا کہ قیام چھوٹ جانے سے تمہاری نماز صحیح نہیں رہی اور تمہاری رکعت مکمل نہیں ہو سکی' اس لئے یہ رکعت پھر ادا کرو۔

١۔ بخاری شریف

اصل بات کیا ہے

اصل بات یہ ہے کہ مقلد بزرگوں نے اپنی ضرورت سے روایت کے اندر وہ معنی داخل کر دیئے ہیں جو دراصل اس میں موجود نہیں تھے اور مقلد بزرگوں کو جو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے میں چڑ موجود ہے یہ منصوبہ اس چڑ کا ہی حصہ ہے۔

اللہ اکبر! قسمت کی ہی بات ہے۔ یہ لوگ سورہ فاتحہ سے یوں بدک کر بھاگ رہے ہیں جیسے یہ کوئی عذاب خداوندی ہو اور اٹھتے بیٹھتے اس کو اپنے سے دور رکھنے کی تدبیرین سوچتے رہتے ہیں۔ یہاں بھی ان کا اصل مسئلہ قیام نہیں بلکہ قیام کے بہانے دراصل وہ سورہ فاتحہ پر ہی حملہ آور ہیں اور وہ قیام کو ساقط کر کے دراصل سورہ فاتحہ سے ہی بچ نکلنے کی تدبیر کر رہے ہیں۔ اس بات کو تو سب ہی جانتے ہیں کہ سورہ فاتحہ بہر حال قیام میں ہی پڑھی جائے گی۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتٰبِ (بخاری) کہ جس رکعت میں سورہ فاتحہ شامل نہیں ہوگی وہ رکعت نماز کی رکعت شمار نہیں ہوگی۔

اب جب حنفی دانشوروں نے قیام کے بغیر رکعت کی تکمیل کا فتویٰ دے دیا تو ظاہر ہے سورۃ فاتحہ کی بنیاد از خود مسمار ہوگئی کیونکہ اسے تو قیام میں ہی پڑھا جانا تھا۔ پھر جب قیام ہی نہ رہا اور اس کے بغیر رکعت مکمل ہوگئی تو قیام کے اندر پڑھے جانے والے اذکار و وظائف کی کیا حیثیت رہ گئی۔ ایسے میں سورہ فاتحہ کیسی اور اس کا وجوب کیونکر! ؎

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا　　کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

سبحان اللہ ؎

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

احناف ہی بتائیں

احناف جانتے ہیں کہ نماز کے اندر قیام فرض ہے اور نماز کا ایک رکن ہے بالکل ایسے ہی رکن ہے جس طرح رکوع' سجدہ اور تشہد' وغیرہ نماز کے ارکان ہیں۔

اب اگر خود حنفی بھائیوں سے ہی پوچھا جائے کہ اگر کوئی شخص اپنی نماز میں سے رکوع کو نکال دے یا سجدہ کو ترک کر دے تو کیا اس کی نماز ہو جائے گی؟ تو ان کا لب برداشتہ جواب ہو گا کہ ہرگز نہیں ہو گی' کیونکہ رکوع اور سجدہ نماز کے ارکان ہیں' جب کوئی رکن ساقط کر دیا جائے گا تو نماز کیونکر ہو گی؟

پھر ان کے پاس اس سوال کا کیا جواب ہے کہ جو وہ قیام کو ساقط کر دیتے ہیں جو عین فرض بھی ہے اور رکوع و سجدہ کی طرح ہی نماز کا رکن بھی ہے تو ان کی نماز کو کوئی نقصان کیوں نہیں پہنچتا۔ قیام کو ترک کر کے ان کی نماز کیونکر صحیح رہتی ہے اور رکعت کیونکر مکمل ہو جاتی ہے۔ مگر آہ انہیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ یہ رکعت مکمل ہوتی ہے یا نہیں انہیں صرف اس بات کی خوشی ہے کہ چلو اس طرح انہوں نے سورہ فاتحہ کی دیوار کو اپنی راہ سے ہٹانے کی ایک صورت نکال لی ہے۔ اللہ معاف کرے علامہ اقبال نے ایسی ہی دانشوروں کا ذکر فرمایا ہے۔ جب کہا ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے اس درجہ فقیہان حرم بے تحقیق

ایک امر واقعہ

یہ امر تو بالکل ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکرہؓ کا یہ فعل کہ وہ مسجد میں داخل ہوتے ہی حضور کو رکوع میں دیکھ کر وہیں کھڑے کھڑے رکوع میں جھک گئے سراسر غلط تھا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کا یہ فعل غلط قرار دے کر ہی انہیں نصیحت کی کہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔

ہم پوچھتے ہیں کہ اس واقعہ سے احناف نے یہ نتیجہ کیسے نکالا ہے کہ حضرت ابو بکرہؓ کی نماز اس متروک القیام رکعت کو لوٹائے بغیر درست ہو گئی تھی۔

اس پورے واقعہ سے یہ کہاں سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکرہؓ نے حضورؐ کے سلام پھیرنے کے ساتھ ہی سلام پھیر دیا تھا اور اپنی رہ چکی رکعت کو بعد میں ادا نہیں کیا تھا۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے کم و بیش دو اڑھائی برس قبل ایمان لا چکے تھے اور حضور علیہ السلام سے ان کی رفاقت کا یہ بھرپور زمانہ تھا وہ صبح و شام حضورؐ سے ملنے والوں میں تھے' دن رات آپ کی مجلس میں بیٹھتے تھے' پانچوں وقت حضورؐ کے ہمراہ نمازیں ادا کرتے تھے اور وہ یہ حدیث پاک بھی سن چکے تھے کہ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یقرأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کہ جس رکعت میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی وہ رکعت شمار نہیں ہو گی۔

ان حالات میں یہ کس طرح ممکن تھا کہ انہوں نے حضورؐ کی اس حدیث کے مطابق اپنی نماز پوری نہیں کی ہو گی۔ انہوں نے یقیناً حضورؐ کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی رکعت دہرائی ہو گی اور باقی بات چیت بعد کا واقعہ ہے۔

صحیح قیاس

حدیث پاک کے غیر مفصل اور غیر واضح مضمون سے احناف کا یہ قیاس کر لینا کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرہؓ کو اپنی نماز دہرانے کے لئے نہیں کہا اس لئے ابو بکرہؓ کی نماز حضورؐ کے نزدیک صحیح تھی اگر ان کی نماز کامل یا صحیح نہ ہوتی تو آپؐ انہیں ضرور یہ ہدایت کرتے کہ اپنی نماز پوری کرو کیونکہ تمہارا قیام اور قیام میں پڑھی جانے والی سورہ فاتحہ

رکعت کا جزو نہیں بن سکی، مگر ایسا نہیں ہوا اس سے ظاہر ہے کہ ابو بکرہؓ کی نماز صحیح تھی، اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ رکعت کی تکمیل کے لئے قیام یا سورہ فاتحہ کا وجود پانا ضروری نہیں ہے۔

جبکہ حق یہ ہے کہ احناف کی یہ قیاسی جمع ترتیب سرے سے ہی غلط ہے اور اگر قیاس ہی مدار فیصلہ ہے تو احناف کے قیاس کے مقابلہ میں یہ قیاس زیادہ صحیح ہے کہ جب حضور ﷺ نے بات نہیں اٹھائی تھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حضورؐ نے دیکھ لیا تھا کہ ابو بکرہؓ نے اپنی نماز پوری کر لی ہے اور وہ رکعت جو رہ گئی تھی اسے دہرا لیا ہے۔ ایسی صورت میں ابو بکرہؓ کو کسی ہدایت کا کیا سوال تھا اور کیا موقع تھا! رسول اللہ ﷺ غلط نماز پڑھنے والوں کو ہمیشہ ٹوک دیا کرتے تھے اور جیسا کہ بعض روایات سے واضح ہے۔ آپؐ نے غلط نماز ادا کرنے والوں کو دو دو اور تین تین بار نماز دہرانے کا حکم دیا اور پھر جب تک ان کی نماز صحیح نہ ہو گئی آپؐ برابر ان کو ٹوکتے رہے۔

ایسے میں اگر حضرت ابو بکرہؓ نے بھی اپنی نماز صحیح نہ کر لی ہوتی تو آپؐ یقیناً انہیں بھی حکم دیتے کہ سورہ فاتحہ نہ پڑھ سکنے کے سبب تمہاری جو رکعت نہیں ہو سکی تھی اسے دہرا کر اپنی نماز کو صحیح کرو۔

پس صحیح قیاس یہی ہے کہ حضرت ابو بکرہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد رکعت دہرا کر اپنی نماز صحیح کر لی تھی اور جہاں تک حضرت ابو بکرہؓ کے اس فعل کا تعلق ہے جو غلط مقام پر رکوع کرنے کی شکل میں ان سے صادر ہوا تھا تو یہ ان کے اجتہاد کی غلطی تھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن رکھا تھا کہ:

من وجدنی راکعًا او قائمًا او ساجدًا فلیکن معی کہ تم نماز کے اندر مجھے جس حالت میں بھی پاؤ، قیام میں رکوع میں یا سجدہ میں میری پیروی میں میرے ساتھ وہیں شامل ہو جایا کرو (یعنی ایسا نہ ہو کہ میں سجدہ میں پڑا ہوں اور تم سجدہ تک پہنچنے کے

پہلے مرحلے طے کرنے لگو اور جلد جلد قیام' رکوع اور قومہ ادا کر کے میرے ساتھ سجدہ میں جاملو' بلکہ مجھے سجدہ میں دیکھو تو وہیں شامل ہو جاؤ' رکوع میں پاؤ تو وہیں مل جاؤ' تشہد میں پاؤ تو وہیں آملو اور جو نماز رہ جائے وہ بعد میں پوری کرو)

مگر حضرت ابو بکرہؓ کو حضورؐ کے اس ارشاد کے سمجھنے میں غلطی لگ گئی اور وہ آپ کو رکوع میں دیکھتے ہی وہیں کھڑے کھڑے رکوع میں جھک گئے۔ حالانکہ مقصد وہاں جھک جانا نہیں تھا بلکہ مطلب یہ تھا کہ جماعت میں پہنچو تو قیام وغیرہ ترک کر کے میرے ساتھ رکوع میں مل جاؤ۔

غلط اجتہاد یا جوشِ اطاعت میں ایسی غلطیاں اصحابؓ سے بہت بار ہو جاتی تھیں' مگر آپ ایسی غلطیوں کی اصلاح فرما دیا کرتے تھے۔ آپ نے حضرت ابو بکرہؓ کی غلطی بھی ان پر واضح کر دی اور انہوں نے بھی بات فوراً سمجھ لی مگر ہمارے لوگوں کا یہ حال ہے انہیں ڈیڑھ ہزار برس بعد تک بھی بات سمجھ میں نہیں آسکی۔

اجتہادی غلطیوں کی ایسی مثالیں اور بھی حدیث میں وارد ہوئی ہیں' ایسی ہی ایک دلچسپ غلطی حضرت عمار بن یاسرؓ سے صادر ہوئی۔ ان کی اپنی ہی روایت کے مطابق انہیں رسول اللہ ﷺ نے کسی سفر پر بھیجا۔ اتفاق سے آپ کو غسل کی حاجت ہو گئی مگر پانی موجود نہیں تھا۔ تیمم کا انہیں علم تھا کہ پانی نہ ملے تو تیمم سے پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے مگر انہوں نے غلط فہمی سے وضو کا تیمم الگ سمجھ لیا اور غسل کا تیمم جدا خیال کیا۔ وضو کے تیمم میں ہاتھوں اور منہ پر مٹی ملی جاتی ہے انہوں نے سمجھا کہ غسل کے لئے سارے جسم پر مٹی ملی جائے گی۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ میں کپڑے اتار کر چارپایوں کی طرح زمین پر لیٹنے لگا اور یوں تیمم پورا کیا۔ آپ نے یہ واقعہ حضور علیہ السلام سے عرض کیا تو آپؐ نے ان کی غلطی کی اصلاح کر دی۔ (بخاری۔ مسلم باب تیمم)

حضور علیہ السلام نے وضو کے لئے اسباغ کا حکم دیا (کہ وضو کرتے وقت اعضائے

وضو کو خوب ہی طرح سے اور مبالغہ سے دھویا کرو کہ قیامت کے دن ان کی چمک میں کوئی نقص نہ رہ جائے) تو حضرت ابو ہریرہؓ ہاتھوں کو دھوتے وقت کہنیوں سے اوپر شانوں تک دھونے لگے اور پاؤں کو دھوتے وقت ٹخنوں سے اوپر گھٹنوں تک پہنچ جاتے [1] تھے۔ ایسے ہی حضرت ابو بکرہؓ نے غلط فہمی سے غلط مقام پر رکوع کر دیا تھا۔ ان کی غلطی ان پر واضح کر دی گئی اور بات ختم ہو گئی۔

لیکن اگر آج کے آسانی طلب لوگ ضائع ماندہ رکعت کو بھی رکعت قرار دے لینے پر بضد ہوں تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

احناف کی خوشی بھی بے بنیاد ہے

احناف تو اس صورت واقعہ سے کسی درجہ میں بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے اور نہ یہ واقعہ ان کے موقف کے حق میں دلیل کا کام ہی دے سکتا ہے کیونکہ حضورؐ نے خود حضرت ابو بکرہؓ کی نماز کو صحیح سمجھا یا غلط' اس کا سوال تو تب اٹھتا ہے جب احناف کے اپنے اصول کی روشنی میں حضرت ابو بکرہؓ کی نماز صحیح ہو۔

احناف کے نزدیک تو ابو بکرہؓ کی نماز پہلے قدم پر ہی فاسد ہو چکی تھی پھر ایک فاسد شئے کو اپنے حق میں دلیل بنا کر وہ کہاں تک اپنے موقف کے لئے قوت کا سامان فراہم کر سکتے ہیں! ان کی خوشی نہ صرف غلط اور بے بنیاد ہے بلکہ اس روایت سے دلیل لینا خود ان کے حق میں بدفال بھی ہے۔ اب دیکھئے مسجد نبوی ان دنوں ۱۰۰ گز یعنی ۳۰۰ فٹ لمبی اور اتنی ہی چوڑی تھی [2]۔ اگر ایک صف چار فٹ قرار دی جائے تو مسجد کا رقبہ ۷۵ صفوں پر مشتمل تھا۔ حضرت ابو بکرہؓ کے بارے میں روایت کے الفاظ ہیں اِنَّهٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ کہ وہ جب

۱۔ بخاری و مسلم ۲۔ سیرت مصطفٰی مصنفہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی حصہ اوّل صفحہ ۲۲۹۔ ۲۳۰ بحوالہ معجم طبرانی زرقانی جلد اول وفاء الوفا جلد اوّل خلاصۃ الوفا باب ٤

مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ رکوع کی حالت میں ہیں تو وہ وہیں رکوع میں جھک گئے پھر بعد میں جماعت میں ملنے کی غرض سے بحالت رکوع پچاس صفوں کا فاصلہ دوڑتے چلے گئے یا ساٹھ ستر صفیں انہوں نے دوڑتے گزاریں جبکہ فقہ حنفیہ کا فتویٰ ہے

کہ :ولو كان مقدار صَفَّين ان مَشَى دفعتةً واحدةً فَسدت الصّلوٰة ۲ ـ

کہ اگر کوئی شخص بحالت رکوع صف میں شامل ہونے کے لئے ایک ہی بار میں بقدر دو صف (یعنی تقریباً آٹھ فٹ) کا فاصلہ طے کرے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ تو مسجد کا پورا رقبہ ہی بحالتِ رکوع سفر میں رہے تھے۔ ان کا رکوع کیسا صف میں ملنا کیسا اور نماز کیسی!

ان کی نماز تو صحن کے سفر میں ہی ختم ہو چکی تھی۔ اب وہ صف میں ملتے یا نہ ملتے اس سے کیا فرق پڑتا ہے ؟ اور ان کے اس طرح رکوع میں ملنے کو کسی مسئلہ کی دلیل کیونکر بنایا جا سکتا ہے ؟

کچھ مزید کمزور روایات

احناف حضرات نے بخاری شریف کی اس غیر متصل روایت کو اپنے موقف کی دلیل بنائے رکھنے کے لئے کچھ مزید روایات بھی فراہم کر رکھی ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ سب کی سب ہی کمزور، ضعیف اور معلول ہیں اور ان میں ایک بھی ایسی نہیں جو صحت کو پہنچتی ہو جس کے اجلال و احترام میں ہم اپنے قارئین کو زحمت فکر دیں۔ بے کار کی سر کھپائی اور دیدہ ریزی بالکل لاحاصل ہے۔

۲ـ عالمگیری شریف جلد اول صفحہ ۱۰۳

اٰمین بِالجہر

یعنی

امام کے پیچھے باآواز بلند امین پکارنے کا مسئلہ

آمین بالجہر

یعنی امام کے پیچھے باآواز بلند آمین پکارنے کا مسئلہ

آمین کیا ہے؟

آمین ایک نہایت درجہ بابرکت اور محبوب کلمہ ہے جو کسی دعا کو زیادہ موثر بنانے کے لئے دعا کے بعد پکارا جاتا ہے۔

عربی لغت کے بموجب آمین کے معنٰی ہیں کَذَالِکَ یَکُوْنَ (کہ اے اللہ! دعا میں جو کچھ طلب کیا گیا ہے آپ کی مہربانی سے) ایسا ہی ہو۔

یہ معنی بھی کئے گئے ہیں اَللّٰھُمَّ اسْتَجِبْ الٰہی! (اس دعا کو از اول تا آخر) قبول فرمائیے۔

واضح رہے کہ دعا پر آمین کا پکارنا قدیم سے ہی انبیاء اور رسل کی سنت ہے اور کسی دعا پر آمین کہنے والا کوئی شخص بھی دعا کرنے والے کی دعا میں از اول تا آخر صرف آمین کہنے سے ہی برابر کا شریک ہو جاتا ہے۔

یعنی کسی دعا کرنے والے کی دعا گو چار ہزار الفاظ پر مشتمل ہو' وہ خشوع و خضوع میں ڈوبی ہو' عجز و الحاح میں بسی ہو' سیلاب اشک میں تیرتی ہو' سوز دروں کی حدت میں شدت کے دخل و عمل سے الفاظ آہوں کے سانچے میں ڈھلے ہوں مگر اس دعا پر آمین کہنے والا شخص صرف اس ایک کلمہ سے اس پوری دعا میں دعا کی تمام ترکیفیات کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔

تری آواز مکے اور مدینے

یاد رہے آمین کا کلمہ ہمیشہ کسی دعا کے بعد ہی کہا جاتا ہے' یعنی جب کوئی بندہ اپنے آقا سے کچھ مانگتا ہے تو وہ اپنی طلب میں تضرع اور ابتہال کے عنصر کو بڑھاتے ہوئے اپنی طلب کے حق میں اپنے رب کی رحمت کو ہموار بنانے کے لئے ایک بار پھر اپنے رب سے دعا قبول کرنے کی درخواست کرتا ہے کہ الٰہی! دعا قبول فرمایئے۔

اس کے ساتھ دعا کے شرف قبول پا سکنے کے قریبی اور قوی امکانات کو جاننے کے لئے بخاری اور مسلم کی وہ حدیث بے حد مددگار ہے جہاں فرمایا کہ جب کوئی شخص زمین پر آمین کہتا ہے تو اس کی گونج آسمانوں تک موثر ہوتی ہے اور زمین پر آمین کے بلند ہوتے ہی ساتوں آسمان فرشتوں کی آمین سے گونج اٹھتے ہیں۔[1] اللہ اللہ!

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

اُمّ القرآن

سورہ فاتحہ بھی ایک دعا ہی ہے مگر اس کا درجہ دوسری ساری ہی دعاؤں سے بڑھ کر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو "اُمّ القرآن" کا نام دیا ہے یعنی قرآن کی ماں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اولاد ماں سے وجود پاتی ہے ٹھیک یہی نسبت سورہ فاتحہ کو قرآن کے ساتھ ہے یعنی جس طرح ماں اپنی ساری اولاد کے لئے ہمہ پہلو اصل و نہاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایسے ہی قرآن پاک کی اصل اس سورہ مبارکہ کے اندر بتام و کمال موجود ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ قرآن پاک سورہ فاتح کی تفصیل اور شرح پر مشتمل ہے۔ اور سورہ فاتحہ قرآن پاک کا اجمال اور خلاصہ ہے۔

---

[1] بخاری شریف جلد اول پ ۳ مسلم شریف جلد ۲

اور اس اجمال کا یہ کمال بھی حیرتناک ہے کہ اس کی صرف سات چھوٹی چھوٹی آیات قرآن پاک کے تیس پاروں کو محیط ہیں اور تیس پاروں کی تمام تر حسنات و برکات ان سات آیات میں بند ہیں اس طرح یہ سورہ مبارکہ صحیح معنوں میں اُمّ القرآن اور ایک اسم با مسمّٰی سورہ مبارکہ ہے۔ آدمی اگر چہرہ کی آنکھوں کے بجائے دل کی آنکھوں سے جھانکے' دل کے کانوں سے سنے اور دل کی حس سے ہی محسوس کرلے تو بات میں نہ کوئی ابہام ہے نہ الجھاؤ صرف ضرورت یہ ہے کہ ؎

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

نماز اور سورہ فاتحہ

سورہ فاتحہ کے انہی ہمہ گیر اور آفاقی پہلوؤں کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اس کو نماز کے اندر داخل کیا ہے اور اس کو نماز کی ہر رکعت میں قرآن پاک کا کامل و اکمل خلاصہ کی حیثیت سے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

پھر بات اس پر ہی ختم نہیں کر دی بلکہ امت کو یہ انتباہ بھی دیا ہے کہ خبردار رہو لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَاْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ [1] کہ جو شخص اپنی نماز میں (دانستہ یا بھول کر بھی) سورہ فاتحہ نہیں پڑھے گا تو اس کی نماز ہرگز شمار نہیں ہو گی۔

نیز واضح رہے کہ اللہ پاک نے جو یہ حکم دے رکھا ہے کہ فَاقْرَءُوْا مَاتَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کہ نماز کے اندر قرآن میں سے جتنا کچھ بآسانی پڑھ سکو پڑھو۔ تو قرآن کا یہ پڑھنا سورۂ فاتحہ کے علاوہ ہے۔

یعنی اگر کوئی نمازی اُمّ القرآن کے ہمراہ قرآن پاک میں سے مزید بھی کچھ پڑھ لے

---

[1] بخاری - مسلم

تو اسے اجازت ہے لیکن اگر کوئی شخص سورہ فاتحہ پڑھے بغیر اپنی رکعت میں خواہ پورا قرآن بھی پڑھ جائے تو نہ اس کی رکعت ہی مکمل ہو گی نہ نماز ہی شمار کی جائے گی جبکہ صرف اس سورہ مبارکہ کے پڑھ لینے سے رکعت بھی مکمل ہو جائے گی اور نماز بھی شمار میں آسکے گی۔

برکات و حسنات کا ایک لامتناہی خزانہ اور غیر محدود ذخیرہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اس دعا کے بعد بالخصوص خود بھی آمین پکارتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم فرماتے ہیں۔

سورہ فاتحہ اور امین

سورہ فاتحہ کے بعد آمین کا پکارنا بلا خلاف پوری امت کا متفق علیہ مسئلہ ہے اور اس بات کو امت کے سارے ہی مکاتب فکر تسلیم کرتے ہیں کہ نمازی خواہ نماز با جماعت میں ہو یا اکیلا سورہ فاتحہ کے بعد اس کے لئے آمین کا پکارنا ضروری ہے۔

مسلم شریف کی شرح کرتے ہوئے حضرت امام نوویؒ تحریر کرتے ہیں: وقد اجتمعت الامة علی ان المنفرد یومن [1] کہ امت کے سارے ہی گروہ اس عقیدہ پر جمع ہیں کہ (نماز با جماعت تو رہی اپنی جگہ) نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد اکیلا نمازی بھی آمین پکارنے کا پابند ہے۔

یعنی سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنے سے تو کسی کو اختلاف نہیں۔ اختلاف اس بات پر ہے کہ آمین آہستہ پکاری جائے یا باآواز بلند' اور دلچسپ امر یہ ہے کہ یہ اختلاف بھی پوری امت محمدیہؐ میں امت کے صرف ایک ہی فرقہ حنفیہ نے ہی کیا ہے ورنہ باقی پوری امت اور امت کے سارے ہی مکاتب فکر میں اس بات پر اتفاق ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد آمین کا باآواز بلند پکارنا ہی سنت ہے۔

---

[1] شرح صحیح مسلم امام نوویؒ

حنفی بزرگوں نے امام ابو حنیفہؒ کے نام سے یہ بات کہی ہے کہ نماز خواہ ظہر اور عصر کی طرح آہستہ پڑھی جانے والی ہو' یا فجر' مغرب اور عشاء کی طرح آواز بلند پڑھی جا رہی ہو آمین بہر حال آہستہ ہی کہی جائے گی۔

حنفی بھائیوں کی امین بالجہر

آمین بالجہر اپنی دبدبہ' اثر' ہیبت اور اپنی پر شوکت اور زلزلہ افگن گونج گرج کے اعتبار سے اس درجہ ایمان افروز اور پرکشش ہے کہ حنفی بزرگ بھی ہزار رکاوٹوں کے باوجود اس سے دور نہیں رہ سکے اور وہ بھی آمین بالجہر سے بحالتِ نماز ہی دامن بچاتے ہیں ورنہ جہاں تک ان کی عام مجالس اور اجتماعات کا تعلق ہے۔ وہ خود کو آمین بالجہر کے غلغلوں سے الگ نہیں رکھ سکے اور آمین بالجہر ان سے بھی ان کے عام اجتماعات میں لاؤڈ سپیکروں کے ذریعہ پوری گونج گرج اور آب و تاب سے اپنا حصہ وصول کرتی ہے۔ اس مرحلہ پر ہم اپنے حنفی بھائیوں سے درخواست کریں گے کہ جب آپ آمین بالجہر کی اثر انگیزی کا یقین رکھتے ہیں کیونکہ جب آپ اپنی اجتماعی مجالس میں آمین پکارتے ہیں تو ظاہر ہے کہ آپ کا ایمان ہے کہ یہ کلمہ اس طرح آپ کی دعا کو اللہ تعالیٰ کے حضور مقبول بنانے میں زیادہ امداد کرتا ہے۔

تو براہ نوازش چند لمحوں کے لئے ہدایہ شریف کی مجلس سے اٹھ کر صحاح ستہ کے دربار تک زحمت فرمایئے۔ آپ وہاں آمین کو اس کی اصل شکل میں صحیح طور پر دیکھ سکیں گے اور ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ آپ وہاں محمد ﷺ کے ارشادات کو اپنے کانوں سن کر دنیا و عقبٰی کی سرفرازیاں ہی حاصل کر لیں گے' آپ کا نقصان کچھ نہیں ہو گا' انشاء اللہ

صحاح ستہ

صحاح ستہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ پر مشتمل مندرجہ ذیل چھ کتابوں کا نام ہے:

۱- بخاری شریف
۲- مسلم شریف
۳- ابوداؤد شریف
۴- ابن ماجہ شریف
۵- ترمذی شریف
۶- نسائی شریف

یہ سب کی سب کتابیں ان محدثین گرامی کے نام پر ہیں جنہوں نے اپنی اپنی جگہ نہایت درجہ محنت، جدوجہد اور چھان پھٹک کے بعد ان کو ترتیب دیا ہے۔ ان کتب حدیث میں صحت مضامین اور اسناد کے اعتبار سے بخاری شریف کو سب پر فوقیت حاصل ہے اور اہل سنت کے سارے ہی گروہ اس بات پر متفق ہیں کہ بخاری شریف میں کوئی حدیث ضعیف نہیں ہے اور اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ البخاری کہ قرآن کریم کے بعد صحت مضامین کے اعتبار سے بخاری کا ہی مقام ہے۔ چنانچہ اس کی اسی صفت کیوجہ سے اسکو صرف بخاری شریف کے بجائے صحیح مسلم کا نام دیا گیا ہے۔

صحیح بخاری کے بعد صحت کے اعتبار سے مسلم شریف کا درجہ ہے اور اسے بھی صحیح مسلم کا نام دیا گیا ہے۔

بخاری اور مسلم دونوں کو صحیحین کہتے ہیں اور جو حدیث ان دونوں میں موجود ہو اس کو متفق علیہ کہا جاتا ہے۔

باقی چاروں کتابوں کو صحت کے قریب تر ہونے کی وجہ سے صحاح میں شامل کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان میں ضعیف اور دوسری محل بحث و نظر احادیث بھی پائی جاتی ہیں تاہم ان کو بھی زیادہ تر احادیث صحیح اور حسن کا درجہ ہی رکھتی ہیں۔

مسئلہ زیر بحث پر پہلے ہم انہی چھ صحیح کتب حدیث سے رسول اللہ ﷺ کے فیصلے اور آپؐ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا معمول اپنے قارئین کے سامنے پیش کریں گے 'وباللہ التوفیق

صحیح بخاری شریف

آمین کے مقدمہ میں گواہی دینے والوں میں سے سب سے پہلے ہم حضرت امام بخاریؒ کی گواہی پیش کرتے ہیں کیونکہ پورے اہل سنت کے نزدیک دین کے کسی بھی مسئلہ میں ان کی گواہی دوسری تمام گواہیوں پر بہ ہمہ وجوہ اور بہر پہلو فوقیت رکھتی ہے۔

حضرت امام بخاریؒ کی گواہی چار اجزاء پر مشتمل ہے اور ہم ان چاروں کو ہی ترتیب وار پیش کر رہے ہیں۔

جزو اوّل

آمین کی فضیلت

عبداللہ بن یوسف باسناد صحیح حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا قَالَ اَحَدُکُمْ اٰمِیْنَ وَقَالَتِ الْمَلٰئِکَۃُ فِی السَّمَآءِ اٰمِیْنَ فَوَافَقَتْ اِحْدٰھُمَا الْاُخْرٰی غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ [1]

کہ جب تم میں سے کوئی شخص آمین پکارتا ہے تو (اس کی آمین سن کر) آسمان کے فرشتے بھی آمین پکارتے ہیں۔ پھر جس کسی کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق پڑ گئی۔ اس کے سارے ہی پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

---

[1] بخاری شریف جلد اول پ ۳ کتاب الاذان باب فضل التامین حدیث نمبر ۷۴۲

اب غور طلب بات یہ ہے کہ آمین پکارنے والا شخص اگر اپنے منہ میں ہی آہستہ سے آمین کہہ لے گا تو فرشتوں کو کیونکر معلوم ہوگا کیونکہ فرشتے غیب نہیں جانتے' وہ تو آمین کا کلمہ صرف اسی صورت میں سن سکتے ہیں جب اسے باآواز بلند پکارا گیا ہو۔ منہ کے اندر کہی گئی آمین کو تو وہ نہیں سن سکیں گے۔ اب ذرا اس خسارے کا اندازہ کیجئے جو نمازی نے صرف ایک چھوٹا سا کلمہ نہ پکارنے کی وجہ سے قبول کیا۔

اگر وہ آمین کو باآواز بلند پکارتا تو اس کی آمین کو سن کر فرشتے بھی اس کے ساتھ آمین پکارتے۔ اور اگر خوش نصیبی اس کا ساتھ دیتی اور اس کی آمین کسی مرحلہ پر فرشتوں کی آمین سے ہموار ہو جاتی تو اس کے سارے ہی گناہ معاف ہو جاتے۔

اب نہ اس نے آمین کو باآواز بلند پکار کر کہا' نہ فرشتوں نے اس کی آمین سنی' نہ انہوں نے آمین کے ساتھ آمین پکاری' نہ نمازی کی آمین کا فرشتوں کی آمین سے موافق ہو سکنے کا موقع پیدا ہوا' نہ اس کے گناہ بخشے جانے کی صورت تخلیق پائی۔

بڑے ہی حوصلہ مند ہیں وہ لوگ جو محض اپنی گروہی ضد سے ہی ایک سنت ترک کر کے اتنا بڑا خسارہ بخوشی قبول کر لیتے ہیں۔

جزو دوم

امام کی آمین

عبداللہ بن یوسف بواسطہ امام مالکؒ ابن شہاب (امام زہریؒ) سعیدؒ بن مسیب اور ابی سلمہ بن عبدالرحمنؒ بہ سند صحیح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ وَّافَقَ تَامِيْنُهٗ تَامِيْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ قَالَ ابْنُ

شِهَاب وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اٰمِيْنَ ۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا امام (ولا الضالین کے بعد) آمین پکارے تو تم بھی باآواز بلند [2] آمین پکارو۔ اور پھر جس کسی کی آمین بھی فرشتوں کی آمین کے موافق ہو گئی اس کے گذشتہ سارے ہی گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں (حدیث کے ایک راوی) ابن شہاب (زہریؒ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (ولا الضالین کے بعد) خود بھی آمین باآواز بلند ہی پکارا کرتے تھے۔

جزو سوم

مقتدیوں کی آمین

عبداللہ بن مسلمہ بواسطہ امام مالکؒ۔ سمی (حضرت ابو بکرؓ کے غلام) اور ابو صالح سمان حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ فَاِنَّهٗ مَنْ وَّافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِهٖ ۔[3]

کہ جونہی امام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (کہہ کر آمین) پکارے تو تم بھی اس کی آمین کے متصل ہی باآواز بلند آمین پکارو۔ اس طرح تم میں سے جس کسی کی آمین بھی فرشتوں کی آمین سے مل گئی اس کے گذشتہ سارے ہی گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

بخاری کی یہ تینوں روایات جن کو ہمارے قارئین ملاحظہ کر چکے ان سب کا مرکزی نقطہ اپنی مغفرت کی تلاش ہی ہے۔

۱۔ بخاری شریف جلد اول پ ۳ کتاب الاذان باب جہر الامام بالتامین حدیث نمبر ۷۴۱

۲۔ یہ الفاظ بخاری شریف کے عنوان باب جہر الامام کا ترجمہ ہے۔

۳۔ بخاری شریف جلد اول پ ۳ کتاب الاذان باب جہر الماموم بالتامین حدیث نمبر ۷۲۳

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان مقامات کی تلاش میں راہ گلی پھرتے رہتے ہیں' جہاں اللہ کا ذکر ہو رہا ہو اور جونہی وہ کوئی موقع پاتے ہیں وہ انسانوں کے ساتھ شریک عبادت ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگوں کے لئے بھلائی کی دعا کرتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ جب فرشتے عام اوقات میں بھی اللہ کے ذکر کے متلاشی ہوتے ہیں تو نمازوں کے اوقات میں بالخصوص جب جہری نمازوں میں قرآن کریم کی تلاوت جاری ہو تو مساجد ان کے ہجوم سے مرکز نور بن جاتی ہوں گی۔ ایسے میں جب امام سورہ فاتحہ کے اختتام پر آمین پکارے گا تو اس کے ساتھ صدہا فرشتوں کی آمین مل کر ماحول کو جس درجہ نورانیت میں بسا دے گی' بالکل ظاہر ہے اور جب کچھ خوش قسمت لوگ امام کی آمین کے ساتھ اپنی آمین کو شامل کر دیں گے تو کون جانے کس کس کی قسمت کھل جائے اور اللہ کے ہاں سے اس کے نامۂ اعمال کی ساری سیاہیاں دھو ڈالی جائیں۔

جزو چہارم

صحابہؓ کا معمول

جب مسجدیں آمین کے غلغلوں سے گونج اٹھتی تھیں

رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے آمین بالجہر کے باب میں آپ ﷺ کی سنت کو کس درجہ شدید اہتمام کے ساتھ اپنا معمول بنائے رکھا۔ اس کی کیفیت بھی امام بخاریؒ سے ہی سنیئے :

قَالَ عَطَآءٌ اٰمِيْنَ دُعَآءٌ اَمَّنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ وَرَاءَهٗ حَتّٰى اَنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّةً وَكَانَ اَبُوْهُرَيْرَةَ يُنَادِي الْاِمَامَ لَاتُفُتْنِيْ بِاٰمِيْنَ وَقَالَ نَافِعٌ كَانَ

ابْنُ عُمَرَ لَا یَدَعُہٗ وَیَحُضُّھُمْ وَسَمِعْتُ مِنْہُ فِیْ ذَالِکَ خَیْرًا ۱؎

حضرت عطاء فرماتے ہیں آمین ایک دعا ہے (اور میں نے ابن زبیرؓ کے پیچھے نماز ادا کی ہے اور میں نے دیکھا) ابن زبیرؓ اور ان کے مقتدیوں نے اتنی (زیادہ بلند) آواز سے آمین پکاری کہ مسجد گونج اٹھی۔ اور حضرت ابوہریرہؓ تو (آمین پکارنے میں اتنے حریص تھے کہ اگر کبھی انہیں امام کے ذرا تیز پڑھنے کا شبہ بھی گذرتا تو وہ امام کو پہلے ہی کہہ دیا کرتے تھے کہ (امام صاحب! سورہ فاتحہ کو ذرا ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا) کہیں میری آمین ہی فوت نہ ہو جائے (اور ماضی کے گناہوں کی معافی اک ایک موقع ہی کھو جائے)۔ حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ آمین پکارنے کو نہ صرف خود کبھی ترک نہیں کرتے تھے بلکہ لوگوں کو اس کے لئے ترغیب دیتے تھے اور اس باب میں ایک حدیثِ رسولؐ بھی میں نے ان سے سنی۔

صحیح مسلم شریف

جیسا کہ ہم عرض کر آئے ہیں بخاری شریف کے بعد صحاح ستہ میں مسلم شریف دوسرے درجے پر ہے کیونکہ یہ کتاب اپنی صحت کے اعتبار سے بخاری شریف کے زیادہ قریب ہے۔ تو آیئے اب ہم آپ کو مسلم شریف کی گل بداماں وادی کی سیر کراتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّہٗ مَنْ وَّافَقَ تَامِیْنَہٗ تَامِیْنَ السَّمَآءِ غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ ۲؎

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارا امام (ولاالضالین کے بعد) آمین پکارے تو تم بھی اس کے ساتھ آمین پکارو پھر تم میں سے جس کی آمین آسمان (کے فرشتوں) کی آمین کے موافق پڑ

۱؎ بخاری شریف جلد اول کتاب الاذان باب ۲-۵ جہر الامام بالتامین

۲؎ صحیح مسلم شریف جلد ۲ باب التسمیع والتحمید والتامین

گئی اس کے گذشتہ زندگی کے سارے ہی گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

مزید ارشاد ہے:

اِذَا قَالَ الْقَارِئُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقَالَ مَنْ خَلْفَهٗ اٰمِيْنَ فَوَافِقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ اَهْلِ السَّمَآءِ غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ [۱]

جب قاری (یعنی امام) سورہ فاتحہ کی آخری آیت مبارکہ غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین پڑھے۔ پھر اس کے مقتدی (اس کی آمین کے ساتھ ہی) آمین پکاریں تو ان میں سے جس کسی کی آمین بھی آسمانی (فرشتوں کی) آمین سے موافق پڑ گئی' اس کے گذشتہ سارے ہی گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

صحیح مسلم کے شارح امام نوویؒ اس حدیث کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں کہ مقتدی اور امام دونوں کے لئے ہی ولا الضآلین کے بعد آمین پکارنا مستحب ہے۔

ابوداؤد شریف

حضرت وائلؓ بن حجر فرماتے ہیں:

اَنَّهٗ صَلّٰی خَلْفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَهَرَ بِاٰمِيْنَ۔

(ابوداؤد مع عون المعبود جلدا صفحہ ۳۵۲)

کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے آپ (ولا الضآلین کے بعد) آواز بلند آمین پکارتے تھے۔

حضرت وائلؓ بن حجر سے ہی مزید ایک روایت وارد ہوئی ہے۔ فرمایا:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَرَاَ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ اٰمِيْنَ وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهٗ۔ صفحہ ۳۵۲

۱۔ مسلم شریف ایضاً

کہ جب رسول اللہ ﷺ (سورہ فاتحہ کی آخری آیہ مبارکہ) ولا الضالین پڑھتے تھے تو آمین پکار کر کہتے تھے اور آمین کہتے ہوئے آپ کی آواز (معمول) سے زیادہ بلند ہو جاتی تھی۔

راوی کا مطلب یہ ہے کہ جتنی اونچی آواز سے آپ سورہ فاتحہ کی قرآت فرمارہے ہوتے آمین کہتے وقت آپ کی آواز اس سے زیادہ اونچی ہو جاتی تھی۔

امام ابوداؤدؒ ایک روایت حضرت ابوہریرہ سے بھی لائے ہیں :

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَلٰى غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ اٰمِيْنَ حَتّٰى يَسْمَعَ مَنْ يَّلِيْهِ مِنَ الصَّفِّ الْاَوَّلِ۔ صفحہ ۳۵۲

کہ جب رسول اللہ ﷺ ولا الضالین تک پہنچتے تو آمین پکارتے تھے۔ یہاں تک کہ پہلی صف والے آپ کی آواز سنتے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کی آواز پہلی صف والوں سے آگے نہیں بڑھتی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی صف والوں تک آپ کی آواز پہنچنے کے ساتھ ہی دوسرے سب نمازی آمین پکارنے لگ جاتے تھے۔

ہم حضرت امام بخاریؒ کی گواہی کے سلسلہ میں یہ بتا آئے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ امام سے کہہ دیا کرتے تھے کہ سورہ فاتحہ کو ذرا ٹھہر ٹھہر کر پڑھیئے گا۔ ایسا نہ ہو کہ (آپ تیز پڑھیں اور میں آپ کے ساتھ مل نہ سکوں اور) میری آمین فوت ہو جائے۔

ظاہر ہے نمازیوں کے ہجوم میں یہ بات ضروری نہیں تھی کہ ابوہریرہؓ ہمیشہ پہلی ہی صف میں ہوتے ہوں اور پھر حضرت ابوہریرہؓ کا واقعہ تو بعد کی بات ہے امام ابوداؤدؒ نے خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں شامل حضرت بلالؓ سے بھی ایک ایسی ہی ایمان افروز کہانی نقل کی ہے، فرماتے ہیں :

ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ یارسول اللہ! لا تسبقنی بآمین (میرے آقا! میرے سنت پڑھنے کا خیال رکھیے گا) مجھے پیچھے نہ چھوڑ جائیں' ایسا نہ ہو کہ میری آمین رہ جائے۔ (ابوداؤد مع عون المعبود جلد ا صفحہ ۳۵۴)

اور ظاہر ہے کہ مسجد نبویؐ میں نمازیوں کے بے پناہ ہجوم میں یہ ضروری نہیں تھا کہ بلالؓ ہمیشہ صفِ اوّل میں ہی ہوتے ہوں۔ علاوہ ازیں صحابیہ رسولؐ حضرت اُم حصین رضی اللہ عنہا کے بارے میں بروایت زیلعی اِنَّهَا صَلَّتْ خَلْفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَالَ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ اٰمِيْن فَسَمِعَتْهُ وَهِيَ فِي الصَّفِ النِّسَاء [1]

نبی ﷺ نے سورہ فاتحہ کے بعد جب آمین پکاری تو انہوں نے آپ کی آمین (اپنے کانوں سے) سنی جبکہ وہ مردوں کی ساری صفوں کے آخر میں عورتوں کی صف میں نماز ادا کر رہی تھیں۔اب ظاہر ہے کہ جس آمین کو ایک صحابیہ مردوں سے دور پیچھے عورتوں کی صف میں سنتی ہیں وہ آمین نبی ﷺ نے کافی بلند آواز سے ہی پکاری تھی۔

ابن ماجہ شریف

حضرت عبدالجبارؒ اپنے باپ حضرت وائلؓ سے نقل کرتے ہیں:

صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَالَ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ اٰمِيْن فَسَمِعْنَهَا مِنْهُ۔

---

[1] نصب الرایہ جلد اوّل صفحہ ۳۷۱

وائلؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے آپؐ نے جب ولاالضآلین کہا تو آپؐ نے آمین اتنی بلند آواز سے پکاری کہ ہم سب نے آپ کی آواز سنی۔

پھر حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت لائے ہیں کہ : رسول اللہ ﷺ جب ولاالضآلین کہہ کر آمین پکارتے تو جب آپ کی آمین کو پہلی صف والے سنتے تو وہ بھی آمین پکارتے اور ساتھ ہی سب لوگ آمین کہتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر حال یہ تھا کہ فیرتج بھا المسجد مسجد آمین کے غلغلوں سے گونجنے لگتی۔

ترمذی شریف

حضرت وائلؓ بن حُجر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے اور میں نے (اپنے کانوں) سنا کہ :

قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقَالَ اٰمِيْن مَدَّبِهَا صَوْتَهٗ۔

کہ جب آپؐ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (ترمذی مع معارف السنن جلد ۲ صفحہ ۳۹۶) کہتے تو آمین پکارتے اور آمین پکارتے ہوئے آپ اپنی آواز کو کھینچ کر لمبا کر لیتے تھے (یعنی آپ کی آواز بلند ہو جاتی تھی)

اس روایت کو درج کرنے کے بعد ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ آمین کو کھینچ پکار کر کہنے پر مشتمل احادیث (جیسے حضرت علیؓ اور حضرت ابوہریرہ سے وارد شدہ روایات) سب کی سب حسن ہیں۔ آپ مزید تحریر کرتے ہیں کہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم اور تابعین اور ان کے اتباع رحمہم اللہ سب یہی اعتقاد رکھتے تھے۔

مزید فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام احمدؒ اور حضرت امام اسحٰقؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

نسائی شریف

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّنَ الْقَارِیُٔ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ تُؤَمِّنُ فَمَنْ وَّافَقَ تَامِیْنُہٗ تَاْمِیْنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ (نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۴۷)

(باب جہر الامام بامین)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قاری (یعنی پڑھنے والا امام) آمین کہے تو تم سارے لوگ بھی آمین کہو کیونکہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ پس جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہو گئی اس کے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

ایک روایت مزید لائے ہیں:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ فَاِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ تَقُوْلُ اٰمِیْنَ وَاِنَّ الْاِمَامَ یَقُوْلُ اٰمِیْنَ فَمَنْ وَّافَقَ تَامِیْنُہٗ تَاْمِیْنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو (اور یاد رکھو کہ امام کے آمین پکارنے پر) فرشتے بھی آمین پکارتے ہیں۔ پس ایک طرف امام آمین پکارتا ہے اس کے ساتھ فرشتے آمین پکارتے ہیں' ساتھ ہی مقتدیوں کی آمین بلند ہوتی ہے پھر جس کی بھی آمین فرشتوں کی آمین سے ہموار پڑ گئی اس کے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

نوٹ: حضرت امام نسائیؒ نے ان سب احادیث کو با آواز بلند آمین پکارنے کے ثبوت میں وارد ہونے والی احادیث کے ضمن میں درج فرمایا ہے۔

چار اماموں میں سے تین

واضح رہے کہ اہل سنت کے چار امام مشہور ہیں اور اہل سنت (میں سے مقلدین) کے مطابق یہ چاروں امام برحق اور برسر حق ہیں۔ اور اس باب میں یہ بات چوتھے امام کے مقلدین کے لئے بھی ایک لمحہ فکریہ یا درسِ عبرت ہی ہے کہ ان چار برحق اماموں میں سے تین برحق امام یہی مذہب رکھتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کی قرأت کے بعد امام اور مقتدی دونوں آمین کو با آواز بلند ہی پکاریں کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہی ہے۔

ذیل میں ہم ان تینوں برحق اماموں یعنی حضرت امام مالکؒ' حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ بن حنبل کی تحقیق کا حاصل پیش کرتے ہیں:

امام مالکؒ

حضرت امام مالکؒ تحریر فرماتے ہیں:

یحییٰ نے ابن شہاب زہریؒ اور سعید بن مسیب اور ابی سلمہ کی سند سے بیان کیا ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوْا فَإِنَّهُ مَنْ وَّافَقَ تَأْمِيْنُهُ تَأْمِيْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَّكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اٰمِيْنَ [1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام جب آمین کہے تو تم بھی آمین کہو (کیونکہ اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں) پھر جس کسی کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو گئی' اس کے پچھلے سارے ہی گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

---

[1] موطا امام مالکؒ جلد اول طبع کراچی صفحہ ۱۰۷

ابن شہاب (امام زہریؒ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس مرحلہ پر خود بھی آمین پکارتے تھے۔

حضرت امام مالکؒ نے اپنی مؤطا میں صرف یہی حدیث باسناد مختلفہ تین جگہ درج فرمائی ہے اور آپ نے اس باب کو انہی تین روایات پر اور اسی ایک بات کو بار بار دہرا کر یہ باب ختم کر دیا ہے کہ آمین کا بہر حال باآواز بلند پکارنا ہی سنت ہے اور پھر جب آپ نے اس سلسلہ کی کسی بھی دوسری حدیث کو قبول نہیں کیا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک آمین صرف باآواز بلند ہی پکاری جا سکتی ہے۔ اس کے خلاف نہ کوئی دوسری صورت ہی موجود ہے اور نہ اس باب میں کسی بحث ہی کی حاجت ہے۔

مؤطا امام مالکؒ کی اس حدیث کے ضمن میں زرقانی اور محلّی (شرح موطا) میں بڑے اعتماد سے یہ تحقیق پیش کی گئی ہے کہ یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اول اول آمین کو باآواز بلند پکار کر ہی کہا کرتے تھے مگر بعد میں آپ نے اخفا اختیار کر لیا' تو یہ بات صریحاً غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ آمین بالجہر کو سنت بتلانے والے راویوں میں حضرت وائل بن حُجر کا نام بھی شامل ہے اور اس بات کو سب ہی جانتے ہیں کہ حضرت وائل بن حجر ۹ ھ میں ایمان لائے تھے اور یہ زمانہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا دور آخر ہے۔ اور جب حضرت وائل نے حضور کو اس دور آخر میں آمین کو باآواز بلند پکار کر کہتے دیکھا' سنا ہے تو اس کے بعد اس کے نسخ کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

امام زرقانی لکھتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ سے یہ بات بالصراحت ثابت ہے کہ آمین کہنے کے لئے اس کا پکارنا ہی شرط ہے ورنہ مقتدیوں کو کیونکر پتہ چل سکتا ہے کہ امام نے آمین کہی ہے یا نہیں۔

امام شافعیؒ

امام ابن قیمؒ ربیع کی زبان سے بیان کرتے ہیں کہ کسی نے امام شافعیؒ سے سوال کیا کہ کیا وہ سورہ فاتحہ کے بعد آمین باآواز بلند پکارے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہی حکم ہے۔

سائل نے اس کی دلیل طلب کی تو فرمایا:

میں نے اپنے استاد حضرت امام مالکؒ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت پر سب کا ہی اتفق ہے جو ان سے اس طرح وارد ہوئی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا۔

کہ جب امام (سورہ فاتحہ پڑھ کر) آمین پکارے تم سب بھی اس کے ساتھ آمین پکارو۔

آپ فرماتے تھے کہ آمین کا پکارنا دراصل پہلے امام پر ہی لازم ہے تاکہ اس کے مقتدی اس سے آمین سن کر آمین پکار سکیں اور اگر امام آمین پکار کر نہیں کہے گا تو اس کے مقتدیوں کو کیونکر معلوم ہوگا۔ علاوہ ازیں امام زہریؒ سے یہ بھی وارد ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورہ فاتحہ کے بعد خود بھی ہمیشہ آمین پکارتے تھے۔

سائل نے کہا کہ مجھے تو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ امام آمین پکارے۔ حضرت امام شافعؒ نے جواب دیا کہ تمہاری ناپسندیدگی رسول اللہ ﷺ کی پسند کے خلاف ہے [1]۔

حضرت امام شافعیؒ خود اپنی پسند کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں:

احب قولها لكل من صلى رجل اومراء ة اوصبى فى جماعته كان اوغير جماعته [2]۔

کہ میں آمین پکارنا ہر اس شخص کے لئے محبوب رکھتا ہوں جو نماز ادا کرتا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت یا بچہ پھر خواہ وہ جماعت میں ہو یا جماعت کے بغیر۔

---

[1] اعلام الموقعین امام ابن قیم   [2] کتاب الام امام شافعی صفحہ ۹۵

امام احمد بن حنبلؒ

امام ترمذیؒ حضرت وائل بن حجر سے لائے ہیں :

قَال سَمِعتُ النَّبِی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ قرء غَیرِالمَغضُوبِ عَلَیھِمْ وَلَا الضَّالِّیْن قَالَ اٰمِیْنَ وَمَدَّبِھَا صَوتَہٗ۔

کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے (عالمِ نماز) سنا ہے۔ آپ نے جب غَیْرِالْمَغْضُوبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّالِّیْن کہا تو آپ نے آمین پکاری اور آمین پکارتے وقت آپ نے (الف پر مد داخل کر کے) اپنی آواز کو لمبا (اور اونچا) کر لیا۔

امام ترمذی اس روایت کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

وبه يقول غير واحد من اهل اعلم من اصحاب النبی صلی اللّٰه عليه وسلم والتابعين ومن بعدهم يرون ان يرفع الرجل صوته بالتامين ولا يخفيها و به يقول الشافعیؒ و احمدؒ واسحقؒ اھ

کہ (یہ صرف میں ہی نہیں کہہ رہا بلکہ) نبی ﷺ کے اصحاب اور بہت سے تابعین اور ان کے اتباع کا بھی یہی مذہب ہے کہ آدمی آمین کہتا ہوا اپنی آواز کو بلند کرلے اور اسے پوشیدہ طور پر (صرف اپنے منہ میں) نہ کہہ چھوڑے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحٰق کا بھی یہی قول ہے۔

اھ ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۹۸

کچھ اور معتبر گواہ

دو صد اصحابؓ رسولؐ کی گواہی

مشہور تابعی بزرگ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں :

اَدْرَکْتُ مِأَتَیْنِ مِنَ الصَّحابة فِیْ هٰذِهِ الْمَسْجِدِ اِذْقَالَ الْاِمَامُ وَلَا الضَّآلِّیْنَ اٰمِیْن سَمِعْتُ لهم رَجَّة بآمِیْن [1] کہ میں نے اس مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے دو صد اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پایا ہے کہ جب امام ولا الضالین کہتا تو وہ اس طرح آمین پکارتے تھے کہ انکی آواز بہت بلند ہو جاتی تھی۔

ابن خزیمہ

امام ابن خزیمہ حضرت نعیم مجمرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ :

صلیت ورآء ابی هریرة فقرأ بسم اللّٰه الرحمٰن الرّحیم ثمّ قراء بام القراٰن حتّٰی بلغ غیرا المغضوب علیهم ولاالضآلّین قال اٰمین وقال النّاسُ اٰمین۔ میں نے ابو ہریرہؓ کے پیچھے نماز پڑھی' انہوں نے جب ولا الضآلین سن کر آمین پکاری تو سب لوگوں نے بھی آمین پکاری (ابن خزیمہ جلد اول صفحہ ۲۵۱)

دارمی شریف

حضرت وائلؓ بن حجر سے روایت ہے کہ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَرأَوَلَا الضَّآلِّیْن قَالَ اٰمِیْن وَیَرفع بِهَا صَوْتَه' کہ رسول اللہ ﷺ جب وَلَا الضَّآلِّیْن پڑھتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔ (دارمی جلد ۱ صفحہ ۲۸۴)

---

[1] بیہقی جلد ۲ صفحہ ۵۹ قسطلانی شرح صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۸ مطبع نولکشور

دار قطنی شریف

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کان النبی ﷺ اذا فرغ من قرأة ام القرآن رفع صوته وقال آمین- هذا اسناد حسن (دار قطنی مع تعلیق جلد ا صفحہ ۳۳۵) کہ رسول اللہ ﷺ جب سورت فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو آمین پکارتے اور اپنی آواز کو خوب بلند کرتے۔

علماء واکابر ملت

حضرت امام ابن حجرؒ

حضرت ابن حجرؒ حضرت ابوہریرہؓ سے نقل فرماتے ہیں :

اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ وَّافَقَ تَامِیْنُهٗ تَامِیْنَ الْمَلٰئِکَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ- کہ جب امام آمین پکارے تو تم بھی اس کے ساتھ ہی آمین پکارو (اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں) پس پھر جس کسی کی آمین بھی فرشتوں کی آمین کے موافق ہو گئی اس کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں-

حضرت امام ابن حجرؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد یہ نکتہ مزید پیدا کرتے ہیں : وجه الولالة من الحديث انه لولم يكن التامين مسموعاً للماموم لم يعلم به وقد علق تامينه بتامينه [1]

کہ اس حدیث میں امام کے آمین پکارنے پر دلیل یہ ہے کہ اگر مقتدی امام کی آمین سنے گا نہیں تو ا... م کی آمین کا علم کیونکر ہوتا- جبکہ نبی ﷺ نے لوگوں کے آمین پکارنے کو امام کے آمین پکارنے سے مشروط رکھا ہے- مزید ارشاد ہے : حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں :

---

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۲

كان النبى صلى الله عليه وسلم إِذَا فَرَغَ من قرأة أُمُّ الْقُرْآنَ رَفَعَ صَوْتَهٗ وَقَالَ امين ۱؂

جب نبی ﷺ ام القرآن فاتحہ سے فارغ ہوتے تو آمین پکارتے تھے اور آمین پکارتے ہوئے ان کی آواز (بہت) بلند ہو جاتی تھی۔

حضرت امام ابن قیمؒ

ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

فَإِذَا فَرَغَ من قرأة الفاتحة قال أمين فان كان يجهر بالقرأة رفع بها صوته وقالها من خلف ۲؂

کہ جب (نبی ﷺ) قرأۃ فاتحہ کو ختم کرتے اگر نماز جہری ہوتی جس میں با آواز بلند قرأۃ کی جاتی ہے (جیسے فجر، مغرب، عشاء اور نماز جمعہ) تو آپ آمین بھی با آواز بلند ہی پکارتے اور آپ کے مقتدی بھی آپ کی آمین کے ساتھ بلند آواز سے ہی آمین کہتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوْا فَإِنَّهٗ مَنْ وَّافَقَ تَأْمِيْنُهٗ تَأْمِيْنَ الْمَلٰئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

کہ جب امام آمین پکارے تم بھی اس کے ساتھ ہی آمین پکارو (اس لئے کہ امام کی آمین پر فرشتے بھی آمین پکارتے ہیں) پس جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ ہموار ہو گئی اس کے گزشتہ سارے ہی گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اس پر شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

۱؂ تلخیص ابن حجر جلد اول ۲؂ زاد المعاد ابن قیم جلد اول صفحہ ۵۴

اَقُوْلُ الْمَلٰئِکَۃُ یَحْضُرُوْنَ الذِّکْرَ رَغْبَۃً مِنْھُمْ فِیْہِ وَیُؤَمِّنُوْنَ عَلٰی اَدْعِیَتِھِمْ ۱؂

کہ میں کہتا ہوں کہ فرشتے ذکر اللہ سے رغبت رکھنے کی وجہ سے مجالس ذکر و عبادت کے متلاشی رہتے ہیں اور پھر اس غرض سے عبادت گاہوں میں پہنچ کر عبادت گذاروں کی دعاؤں پر آمین پکارتے ہیں۔

حصن حصین میں ہے:

ان اللہ ملائکۃ یطوفون فی الطرق یَلْتَمِسُوْنَ اھل الذکر ۲؂

کہ اللہ تعالی کے بعض فرشتے ایسے ہیں جو اہل الذکر اور عبادت گذار لوگوں کی تلاش میں راہ گلی پھرتے رہتے ہیں۔

سبحان اللہ' کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی تنہائیاں فرشتوں کے ہجوم سے آباد ہوتی ہیں۔اور بقول شاعر؂

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

اور یہ بات ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ مقدس فرشتوں کے کان گنہگار انسانوں کی آمین پر زمین کی پستیوں سے آسمانوں کی رفعتوں تک ہر جانب ہی لگے ہوتے ہیں۔

پھر جونہی کوئی انسان فرش زمین پر آمین کا گیت گاتا ہے تو عرش بریں تک سارے ہی آسمان فرشتوں کی آمین سے گونجنے لگ جاتے ہیں۔ ۳؂

اللہ اکبر! کتنے ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے گنہگار ہونٹوں پر اچھلنے والی آمین کا نغمہ اچک لے جانے کے لئے آسمانوں کی قدوسیت ہر لمحہ گھات میں رہتی ہے۔

۱؂ حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۴۸۳ شائع کردہ شیخ غلام علی اینڈ سنز

۲؂ حصن حصین صفحہ ۱۴ ۳؂ بخاری شریف جلد اول مسلم شریف جلد دوم

اور کتنے کم نصیب ہیں وہ نیکو کار جو آمین کی رعنائیوں اور رسائیوں سے نا آشنا اس محبوب اور پاکیزہ کلمہ کے لبوں سے باہر نکلنے پر ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں۔ کیا سچ ہے۔

قسمت کیا ہر شخص کو قسام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

حضرت امام غزالیؒ

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ پوری امت محمدیہؐ میں ہر جگہ ہی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

احیاء العلوم آپ کی مایہ ناز تصنیف ہے جو آپ کے فضل وکمال اور وسعت نگاہ کا ایک غیر فانی شاہکار ہے اور اپنی غیر محدود علمی معلومات کے اعتبار سے انسائیکلوپیڈیا کی ہی حیثیت رکھتی ہے۔ علامہ اقبال نے "تلقین غزالی" کی محبوب ترکیب میں حضرت کو بھرپور خراج تحسین پیش کر رکھا ہے۔ مسئلہ زیر بحث پر حضرت کی تحقیق کا حاصل یہ ہے: ویقول امین فی اخر الفَاتِحَة یمدّبِها مَدًّا [1]

(رسول اللہ ﷺ کی سنت یہی ہے) کہ سورۃ فاتحہ کے بعد اپنی آواز کو (بلند اور) خوب لمبا کر کے آمین پکاری جائے۔

مشہور حنفی بزرگ علامہ بدرالدین عینی مصنف عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری نے اپنی اس مایہ ناز تصنیف میں حضرت امام غزالیؒ کی کتاب "خلاصہ" کے حوالے سے امام غزالیؒ کا یہ عقیدہ نقل کیا ہے:

ومن سنن الصلوٰة ان یجهر بالتامین فی الجهری کہ جہری نمازوں میں سورہ فاتحہ کے بعد آمین کا باآواز بلند پکارنا نماز کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔

---

[1] احیاء العلوم امام غزالی

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

عالم اسلام کے عظیم بزرگ محبوب سبحانی حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کا ارشاد ہے:

والجھر بالقرأة امین والاسرا ربھا [1]

بلند آواز میں پڑھی جانے والی نمازوں میں آمین بھی آواز بلند ہی پکاری جائے گی، اور آہستہ یعنی منہ میں پڑھی جانے والی نمازوں میں آمین آہستہ کہی جائے گی۔

اجماعِ اُمّت

صاحب واضح البیان فی تفسیر اُمّ القرآن نے ان اصحابؓ رسولﷺ، تابعین حضرات رحمہم اللہ، آئمہ دین اور محدثین رحمہم اللہ علیہم اجمعین کی ایک فہرست پیش کی ہے جن سے اثبات آمین بالجہر کی روایات وارد ہوئی ہیں۔ آپ بھی ایک نظر دیکھ لیجئے اور پھر خود ہی فیصلہ کیجئے کہ اس کے بعد آپ کو اللہ کے ان بندوں کے گروہ میں داخل ہونے میں کیا مانع ہے اور آپ کو اس کے بعد مزید کس دلیل کی حاجت باقی ہے۔

اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم

حضرت علیؓ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ حضرت ابوہریرہؓ حضرت بلالؓ حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ حضرت انسؓ بن مالک، حضرت سلمانؓ حضرت سمرہؓ حضرت ابو موسیٰؓ حضرت وائلؓ بن حجر، حضرت ابوزبیرؓ اور حضرت صہیبؓ بن مسلمہ۔

---

[1] غنیتہ الطالبین مترجم فارسی صفحہ ۱۰

صحابیات

اُمّ المومنین حضرت عائشہ اور اُمّ حصینؓ

تابعین حضرات رحمہم اللہ

حضرت عطاء بن ابی رباح' ابن شہاب (امام زہریؒ) حضرت ابن جریجؒ' حضرت ابو مصلحؒ' حضرت نعیمؒ' مجمرؒ' حضرت عکرمہؒ۔

آئمہ دین رحمہم اللہ

حضرت امام مالکؒ' حضرت امام شافعیؒ' حضرت امام احمد بن حنبلؒ' حضرت امام اسحٰقؒ' حضرت امام اوزاعیؒ' حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ' حضرت امام سفیان ثوریؒ' حضرت امام عبدالرحمن مہدیؒ' حضرت امام داؤد طیالسیؒ' حضرت امام ابو زرعہؒ۔

محدثین رحمہم اللہ

حضرت امام بخاریؒ' حضرت امام مسلمؒ' حضرت امام ابوداؤدؒ' حضرت امام ابن ماجہؒ' حضرت امام ترمذیؒ' حضرت امام نسائیؒ' حضرت امام دار قطنیؒ' حضرت امام بیہقیؒ' حضرت امام دارمیؒ۔

حنفی علماء

جو آمین بالجہر کا انکار نہ کر سکے

ذیل میں ہم چند حنفی علماء کی شہادتیں پیش کر کے اپنے حنفی بھائیوں پر اتمام حجت کر دینا چاہتے ہیں جو حنفی اور مقلد ہونے کے باوجود حق سے انحراف نہیں کر سکے اور انہوں

نے قولِ امام کو حدیث رسول علیہ السلام پر ترجیح دینے کی جسارت سے اپنے دامانِ ایمان کو بڑی خوبی سے بچالیا ہے' رحمہم اللہ تعالیٰ۔

حضرت شیخ ابن الہمامؒ

ابن الہمامؒ حنفی فقہ کی مشہور اور مستند کتاب فتح القدیر کے مصنف اور فقہ حنفیہ کے اساتین میں داخل ہیں لکھتے ہیں :

> اگر کوئی میری مانے تو میرے نزدیک صحیح صورت یہ ہے کہ جن روایات میں آمین کو آہستہ کہنے کا ذکر آیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ آمین کو زیادہ چلا کر نہ کہا جائے' اور جو روایات آمین کو پکار کر کہنے کا حق میں وارد ہوئی ہیں' وہاں مراد یہ ہے کہ آمین کو منہ میں ہی نہ دبا رکھا جائے بلکہ درمیانی آواز سے پکار کر کہا جائے جیسے ابن ماجہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب آمین پکارتے تو پہلی صف کی لوگ آپؐ کی آواز سنتے۔[1]

اب یہ تو خیر حضرت شیخ کے مقلد ہونے کی مجبوری ہے کہ انہوں نے آمین کو آہستہ کہنے والی روایات کو جن میں سے کوئی ایک بھی نہ صرف صحیح نہیں بلکہ حسن کے درجہ کو بھی نہیں پہنچتی۔ آمین کو پکار کر کہنے والی صحیح روایات کے ساتھ موجود رکھا ہے۔ تاہم یہی بہت ہے کہ آپ نے آمین کو بآواز بلند پکار کر کہنے والی روایات کو قبول کیا ہے اور ان سے انکار کے لئے کسی ناروا تاویل کی راہ اختیار نہیں کی بلکہ ان کو قابل عمل قرار دے کر احناف کو ان کے قریب لانے کی ایک راہ بھی پیدا کی ہے۔ مگر انہوں نے جو کچھ لو اور کچھ دو کے پیش نظر اپنی درمیان داری والی بات کے حق میں ابن ماجہ کی روایت سے استدلال کیا ہے' یہ صحیح نہیں

---

[1] فتح القدیر جلد اول صفحہ ۲۵۷ شائع کردہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

ہے۔اور ہم اس باب اپنی گذارشات اس حدیث کے ذیل میں پیش کر آئے ہیں کہ ابوداؤد کی اس روایت کا یہ مطلب نہیں کہ حضورؐ کی آواز پہلی صف سے آگے نہیں بڑھتی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی آمین کی آواز پہلی صف تک پہنچنے کے عرصہ میں ہی آپ کی آمین کے ساتھ پوری مسجد آمین کے غلغلہ سے گونج اٹھتی تھی۔ کیونکہ جیساکہ حضرت اُمِ حصینؓ کے واقعہ سے ظاہر ہے نبی ﷺ کی آمین بھی آپ کی باقی قرآت کی طرح مسجد نبویؐ کی پچھلی صفوں تک ہر جگہ ہی سنی جاتی تھی۔

اور یہ بات تعجب سے خالی نہیں کہ نبی ﷺ جب قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے تو حضورؐ کا قرآن سارے اگلی پچھلی صفوں کے نمازی سنتے تھے مگر آپ کی آمین پہلی صف سے آگے نہیں بڑھتی تھی۔

اور لوگ یہ تو جانتے تھے کہ آپ کس رکعت میں کیا پڑھ رہے ہیں اور کون سی سورہ مبارکہ تلاوت فرمارہے ہیں' مگر انہیں یہ پتہ نہیں چل سکتا تھا کہ آپؐ نے آمین کب کہہ دی۔ جبکہ یہی حضرت ابن الہمام آمین کو پکار کر کہنے والی جن احادیث کو صحیح قرار دے چکے ہیں انہی کے بموجب رسول اللہ ﷺ کی آمین آپ کی دوسری قرآت کے مقابلے میں زیادہ اونچی آواز میں ہوا کرتی تھی۔

تاہم ابن الہمامؒ کا بیان اس بات کی دلیل ہے کہ انصاف پسند حنفی بزرگ آمین بالجہر سے الرجک نہیں ہیں۔ جیساکہ ہمارے ہاں کتنے ہی حنفی آئمہ اور ان کے مقتدی آمین بالجہر سے بغض روا رکھتے ہیں۔

علامہ بدر الدین عینیؒ

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کے مصنف اور سخر حنفی عالمِ دین حضرت بدرالدین عینیؒ بھی اگرچہ گہرے حنفی بزرگ ہیں۔ مگر جب انہوں نے صحیح بخاری کی شرح لکھی تو

ظاہر ہے انہیں بخاری شریف کے ابواب جہر الامام اور جہر الماموم سے سابقہ پڑتا ہی تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بخاری شریف کے ان ابواب میں وارد شدہ احادیث نبوی کی کوئی تاویل بھی ممکن نہیں ہے اور اگرچہ بخاری شریف کے بعض دوسرے حنفی مترجمین نے یہاں پہنچ کر اپنے قلم کی نوک ذرا ٹیکھی ہی رکھی ہے' مگر حقیقت حال سے کوئی انکار نہیں کر سکا۔ حضرت عینیؒ بھی حنفی ہیں' مقلد ہیں' ایک طرف بخاری کے بیان کردہ واضح حقائق ہیں کہ ان کو بھی نظر انداز کرنا ممکن نہیں' دوسری طرف تقلید کا بوجھ ہے اسے بھی اٹھائے رکھنے کی مجبوری ہے بقول مرزا غالب ؎

ایمان مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

تاہم حضرت عینیؒ انصاف کو ذبح کرنے پر آمادہ نہیں ہیں اور انہوں نے حضرت ابن الہمام کے مقابلہ میں زیادہ واضح طور پر اور زیادہ جرأت سے بات کی ہے۔ فرماتے ہیں :

ان الخبرین بالجھر بھا وبالمخافتہ صحیحان [1]

کہ آمین کو آواز بلند پکار کر کہا جائے یا آہستہ دونوں طرح ہی صحیح ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اگر تقلید راہ نہ روکتی تو حضرت عینیؒ صحیح نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کیونکہ جب وہ تحقیق کر چکے کہ بلند آواز سے آمین پکارنے کے حق میں وارد ہونے والی روایات صحیح ہیں تو اس کے خلاف واقع ہونے والی کیونکر صحیح ہو سکتی تھیں مگر ہم اتنے پر بھی ان کے مشکور ہیں کہ انہوں نے حق فہمی کو آسان کر دیا ہے۔ تاہم حضرت عینیؒ نے اپنی بحث کے دوران میں اس بات کی صراحت بھی کر دی ہے کہ حضرت امام غزالیؒ آمین پکار کر کہنے کو ہی سنت سمجھتے تھے۔

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری

حضرت مولانا عبدالحئی لکھنویؒ

حضرت مولانا عبدالحئی لکھنویؒ احناف بزرگوں میں واحد اہلِ علم ہیں جو مقلد ہونے کے باوجود لگی لپٹی رکھے بغیر بات کہنے کے عادی ہیں اور اظہار حق میں تقلید ان کو اکثر ہی رکاوٹ نہیں بنتی آمین بالجہر کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے ہر قسم کی روایات کو تحقیق کی چھلنی کے سپرد کیا ہے اور علم کو جہل سے شرمندہ نہیں ہونے دیا۔ وہ اگرچہ اپنے بزرگوں کی روایات کو ترک کرنے پر تو آمادہ نہیں ہیں کہ ؎

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے

مگر حق بات کو کھل کر کہتے ہیں فرمایا:

والانصاف ان الجهر قوی من حیث الدلیل ا؎

کہ انصاف کی بات یہی ہے کہ باآواز بلند پکار کر آمین کہنے والی روایات زیادہ قوی ہیں۔ مزید ارشاد ہے:

قد ثبت الجهر عن رسول الله صلی الله علیه وسلم باسانید متعدده ۲؎

کہ آمین کا باآواز بلند پکار کر کہنا رسول اللہ ﷺ سے بہت سی سندوں کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

گیارھویں صدی ہجری کے بلندپایہ حنفی اہل علم بزرگ ہیں، مفسر ہیں، محدث ہیں، مورخ ہیں اور فقیہہ ہیں۔ بعض اہم کتابوں کے شارح بھی ہیں۔ ان کے تذکرہ نگاروں نے ان کی چھوٹی بڑی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف کی تعداد ایک سو تک شمار کی ہے۔ بڑا اچھتہ

۱؎ تعلیق الممجد صفحہ ۱۰۳ حاشیہ نمبر ۹ ۲؎ عمدة الرایه حاشیه شرح وقایه صفحه ۱۶۷

حنفی ذہن رکھتے ہیں' تاہم متصلب' متعصب اور متشدد نہیں ہیں اور حق بات کو مان لینے میں بخل سے کام نہیں لیتے' اگرچہ وہ ان کے تقلیدی مسلک کے بھی خلاف واقع ہوئی ہو۔

آمین کے بآواز بلند یا آہستہ پکارنے کی باب میں بھی ان کا رویہ بڑا معقول ہے وہ اپنی ذاتی حد تک تو آمین بالجہر پر عمل نہیں کرتے کیونکہ ان کا عذر یہ ہے کہ ان کے امام نے ایسا نہیں کیا۔ مگر رسول اللہ ﷺ سے وارد ہونے والی صحیح احادیث کا انکار نہیں کرتے اور ٹھیک مولانا عبدالحئیؒ لکھنویؒ کی طرح ہی ان کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ آمین بالجہر رسول اللہ ﷺ سے زیادہ قوی دلائل کے ساتھ ثابت ہے۔ ایک حنفی کی حیثیت سے وہ اپنے کمزور موقف کی وکالت بھی کرتے ہیں مگر بطور ایک محقق کے وہ انصاف کو ترک نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں :

(رسول اللہ ﷺ سورہ فاتحہ کے آخر میں آمین کہتے تھے جہری (یعنی پکار کر پڑھی جانے والی نمازوں) (نماز فجر' نماز مغرب اور نماز عشاء) میں آمین بھی پکار کر ہی کہتے تھے اور سری (یعنی آہستہ پڑھی جانے والی نمازوں (نماز ظہر اور نماز عصر) میں آہستہ سے موافقت کرتے تھے مزید فرماتے ہیں :

نماز میں بآواز بلند پکار کر آمین کہنے کی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ لیکن امام مالکؒ کے مذہب میں قدرے اختلاف [1] ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب میں مطلقاً اخفا یعنی آہستہ کہنا ہی وارد ہوا ہے جامع ترمذی میں بآواز بلند آمین کہنے اور بآوازِ پست آمین کہنے دونوں قسم کی احادیث نقل ہوئی ہیں تاہم حق یہی ہے کہ بآواز بلند آمین پکارنے والی احادیث کو ترجیح ہے۔ بخاری شریف میں بھی ایسا ہی آیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ علیہم کا اکثر اسی طریقہ پر عمل ہے۔ [2]

---

[1] حضرت امام مالکؒ کے سلسلہ میں شاید حضرت کسی توارد کا شکار ہوئے ہیں ورنہ امام مالکؒ بھی یہی مذہب رکھتے ہیں جیسا کہ امام مالکؒ کے ضمن میں ہم یہ بحث گذشتہ اوراق میں درج کر آئے ہیں [2] مدارج النبوۃ حصہ اول طبع کراچی صفحہ ٦١٧

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

مولانا رشیدؒ احمد صاحب نے اپنی مشہور تصنیف بحر العلوم میں دوسرے بہت سے مسائل کی طرح مسئلہ آمین بالجہر پر بھی ایک بسیط بحث درج کی ہے اور آپ نے اس باب میں بہت سے احناف اہل علم کے فتاویٰ نقل کر کے بڑی صفائی سے یہ بات تسلیم کی ہے کہ:

در باب آہستہ گفتن آمین وارد نہ شدہ مگر حدیث ضعیف ا؎

کہ آہستہ آمین کہنے کے باب میں سوائے ضعیف حدیث کے اور کچھ وارد نہیں ہوا۔ اور آپ نے اپنے پیروکاروں کو نصیحت فرمائی کہ آمین بالجہر پر اصحابؓ رسولؐ کا تعامل ثابت ہے (یعنی اصحابؓ رسولؐ آمین باآواز بلند پکار کر ہی کہتے تھے) اس لئے آمین بالجہر کہنے والوں پر سب و شتم (گالی گلوچ) در پردہ صحابہؓ پر معترض ہونا ہے ۲؎

اب رہی قسمت کی بات تو یہ ایک الگ امر ہے اور دیکھیئے کہ حضرت مولانا نے آمین بالجہر کو اصحابؓ رسولؐ کا معمول بھی بتلایا ہے مگر ان کے اس معمول کو خود نہیں اپنا سکے' سچ ہے؎

کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

آمین کا ایک قدسی الاصل رُخ

خدا خود میر مجلس بُود شب جائیکہ من بُودم

سورہ فاتحہ کے ساتھ آمین کا تعلق محض آمین کا یہ پانچ حرفی کلمہ پکارنے پر ہی تمام نہیں ہو جاتا کیونکہ یہ حرف تو ان دونوں کے باہمی تعلق کو ظاہر کرنے میں محض ہیولیٰ کی حیثیت ہی رکھتے ہیں ورنہ آمین کے اس طائر لاہوت کو الفاظ و حروف کے

۱؎ بحر العلوم صفحہ ۷۳ ۲؎ بحر العلوم صفحہ ۷۴

دائروں میں قید رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

آمین اور سورۃ فاتحہ کے ربط باہمی سے دراصل حسن و عشق کی ایک ایسی محبوب، ایک دلنواز، ایک ایمان افروز اور ایک ایسی نور بدوش داستان تخلیق پاتی ہے جس کا تخلیقی رقبہ آمین کہنے والے کے لبوں سے چل کر ہفتِ افلاک کے اُس پار عرش رب العالمین کی پہنائیوں تک دراز ہے، جس کے کرداروں میں آمین پکارنے والے سے لے کر ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں فرشتے اور خود اللہ رب السمٰوات والارض کی ذات گرامی تک سب شریک ہیں۔

آمین کو سورہ فاتحہ سے کچھ ایسا ہی عشق ہے جیسے بلبل کو پھول سے اور پروانے کو چراغ سے جس طرح بلبل کو پھول کی طلب میں موسم خزاں میں بھی بہاروں کی تلاش ہوتی ہے اور جس طرح پروانے سر شام سے ہی دیوانہ وار شمع کی طرف کھنچنے لگتے ہیں، ٹھیک ایسے ہی آمین بھی سورۃ فاتحہ کی تلاش میں اور سورہ فاتح کا کلمہ آخر ولا الضآلین سن پانے کی طلب و تمنا میں فرشتوں کے دوش پر سوار قریہ و دیار کی گھٹن بھری تنگیوں، زمین کی وسعتوں، فضاؤں اور خلاؤں کی پہنائیوں، افلاک کی اونچائیوں اور رفعتوں میں دیوانہ وار بھاگتی پھرتی ہے۔ پھر جہاں کہیں بھی وہ اپنے محبوب کو دیکھ سن پاتی ہے، دوڑ کر اس کے قدموں میں بچھ جاتی ہے، بچھ بچھ کر اٹھتی ہے اور اٹھ اٹھ کر اس سے لپٹ جاتی ہے کہ ۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد زپسِ پردۂ تقدیر پدید

سورہ فاتحہ اور آمین کے جذباتی اور عقل فریب تعلق کو سمجھنے کے لئے آپکی فکر و تدبیر کے مروجہ پیمانے کام نہیں دے سکتے کہ ۔

بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کی لئے

اس غرض سے آپ کو اپنے شعور کے اس پار تحت الشعور کی وادی میں اتر کر سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ جہاں پہنچ کر لوحِ روح پر ملاء اعلیٰ میں اچھلنے والے حقائق کی تصویریں چھپتی ہیں اور جہاں دل ایمان وایقان کی نورانی تجلیات سے منور ہو جاتا ہے۔

احساس کے سینے میں اُچھلنے والی موجیں جہاں پر پرواز جبرئیل کی ہمسفر ہوتی ہیں۔

جہاں حیرت کدوں کے ہجوم میں خامہ انگشت بدنداں اور ناطقہ سر بگریباں رہ جاتا ہے جس وادی کا منظر کچھ ایسا ہے کہ۔۔

لطف خرامِ ساقی و ذوق صدائے چنگ
یہ جنتِ نگاہ وہ فردوش گوش ہے

اور جہاں۔

ساقی بجلوہ دشمن ایمان و آگہی
مطرب ز نغمہ رہزن تمکین و ہوش ہے

اور جہاں قدم قدم پر۔

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کی می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا ست

آیئے ذرا آپ بھی آمین کے اس مافوق العقل اور مافوق الشعور مقام کا شعور حاصل کرنے کی سعی کر دیکھئے۔ اگر آپ نے بہ نیت صالح اس سفر میں ہمارا ساتھ دیا تو ماحول کی کیف باریوں اور لذت آفرینیوں میں کھو کر اور غلبہ کیف و لذت سے بخود ہو کر آپ بھی ہمارے ساتھ مل کر آمین آمین نہ پکارنے لگ جائیں تو ہمیں الزام دیجئے گا۔

حیرت کدوں کے اس ماحول سے پار اترنے کے لئے آیئے ہم آپ کو اس سالک راہ لاہوت سے ملاتے ہیں جس کی شان راہروی کو پا کر خلاؤ کے حیرت کدے بھی بحرِ حیرت میں ڈوب ڈوب جاتے رہے۔

یہ مسافر راہ سلوک محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ آیئے ہم چند لمحوں کے لئے آپ کو ان کے دربار میں لئے چلتے ہیں جہاں دلوں کی بستی میں جبرئیل نزول پاتے ہیں' دل شک کے کانٹوں سے پاک ہوتے ہیں' فکر کی گرہیں کھلتی ہیں اور مقدر کے عقدے وا ہوتے ہیں۔

وہ سنو! محمد ﷺ کی نوائے عرش آسا یعنی وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى کیا ایک حسین اور دلگداز نغمہ میں ڈھل کر اُچھلی۔

ارشاد ہے۔ میرے رب نے مجھے خبر دی ہے کہ میں نے سورہ فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے میں نصف نصف تقسیم کر رکھا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ (میرے حضور تصویر عجز بنا کھڑا ہو کر) کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن تو اللہ (خوش ہو کر) فرماتا ہے حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ کہ اے میرے فرشتو! (تم بھی سنو اور گواہ رہوں) میرے بندے نے میری حمد بیان کی اور میری تعریف کی (اور اس نے ارض و سماء کی پوری کائنات میں صرف مجھے ہی قابل تعریف اور لائق حمد پایا ہے) پھر جب بندہ کہتا ہے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تو اللہ فرماتا ہے اَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ کہ میرے بندے نے میری ثناء کی (کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ثناء کے لائق صرف میری ہی ذات ہے) پھر جب بندہ کہتا ہے مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن تو اللہ فرماتا ہے (سننے والے سب کان سن لیں کہ) مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ میرے بندے نے میری عظمت بیان کی (میرے شرف مجد اور میری بزرگی کا اقرار کیا)۔

پھر جب بندہ کہتا ہے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْن تو اللہ فرماتا ہے کہ هٰذَا بَيْنِيْ وَ بَيْنَ عَبْدِيْ کہ یہ بات میرے اور میرے بندے کے درمیا مشترک ہے۔ وَلِعَبْدِيْ مَا سَاَلَ اور اب جو چاہے مجھ سے مانگے۔

یہاں پہنچ کر ماحول کچھ نشیلا ہونے لگتا ہے' خدا کی رحمت لہرانے لگتی ہے اور اس کی نگاہ بندے کے لبوں پر جم جاتی ہے کہ وہ کیا طلب کرتا ہے۔ اب ماحول میں مستی گھلنے لگی۔

بندہ اپنے رب میں ڈوبا ہے اور رب اپنے بندے کے لبوں سے کان لگائے اس کی طلب کے لئے وقت انتظار ہے کہ اچانک بندے نے درخواست کر دی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔ [1] اور بندے کی اس طلب پر اس کا رب جھوم جاتا ہے کہ میرے بندے نے مجھ سے مال و زر طلب نہیں کیا بلکہ خود مجھے ہی طلب کیا ہے اور میری سیدھی راہ کو پانے کی توفیق مانگی ہے۔ میرے منعم علیہم بندوں کے راہ پر چلانے کی مجھ سے درخواست کی اور مغضوب اور ضالین کی راہ سے حفاظت کی تمنا کی ہے۔

بندے نے اپنے رب کے حضور ایک بھرپور طلب اور ایک حسین تمنا پیش کر دی جو بندے کے لبوں سے چلتی ہے اور مزاحمت کی دیواروں کو توڑتی پھاندتی ایمان والقان کے ان رفیع ایوانوں تک جا پہنچتی ہے جہاں بندے کا مقدر ان لوگوں کی مصاحبت کا حقدار بنتا ہے جن کے حق میں خود اللہ تعالیٰ ہی یہ خبر دے چکے ہیں۔

اَلَّذِينَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيقًا۔

یہ وہ بندے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے انعامات کی بارش برسا دی۔ جن کو نبوت کے شرف سے نوازا' جن کو صدیقوں کے مراتب بخشے' جنہیں شہادت کی دولت سے سرفراز فرمایا' جن کو صالحین میں دخل فرمایا اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی رفاقت نہایت ہی محبوب اور اعلیٰ رفاقت ہے۔ اس مرحلہ پر پہنچ کر بندے کی طلب اپنی انتہاؤں کو چھونے لگی' تمنا اپنی حدود سے بہت آگے نکل گئی اور بندے نے اپنے رب سے دنیا و آخرت کی ساری بھلائیاں مانگ لیں اور اللہ کے ہاں کس بات کی کمی ہے۔ اس کی رحمت لہرائی اور فرمایا هٰذَا لِعَبْدِي مَا سَأَلَ کہ ہاں یہ سب میرے بندے کا حق ہے' میرا بندہ جو سوال کرے میں پورا کروں گا۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف جلد اول باب القرءۃ فی الصلوٰۃ

اب جب طلب اپنی تمام بے چینیوں کے ساتھ اور اجابت اپنی بے مقدار رحمتوں کے ساتھ نقطہ انتہا کو چھونے لگیں۔

اور آمین جو الحمد کے ضالین تک پہنچنے کا بے تابی سے انتظار کر رہی ہے اُچھل کر بڑھی لپک کر پہنچی' سورہ فاتحہ کا حُسن اپنی رُونمائی کے لئے بیتاب ہو گیا اور اس نے ولا الضآلین کے ساتھ ہی اپنے چہرہ انور سے نقاب اُلٹ دی۔ امام نے آمین پکاری تو ساتھ ہی آمین آمین کی پکاروں نے آمین کو آسمان کا ہمسر بنا دیا۔ زمین اور آسمان آمین کی پکار سے گونج اٹھے اور اجابت آگے بڑھی اور اس نے اپنے بندے کی تمنا اپنی جھولی میں لی اور یوں ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے جبیں پہ غرق انفعال کے

لبہائے رسالت پر یہ نغمہ بدستور ہی جاری تھا کہ اِذَا اَمَّنَ الِامَام فامنوا کہ لوگو! امام کے منہ سے آمین سنو تو تم بھی آمین بھی پکارنے لگ جاؤ کیونکہ خدا کے فرشتے زمین سے آسمان تک تمہاری آمین پر کان لگائے منتظر ہوتے ہیں' پھر جونہی تم آمین پکارتے ہو تو فرشتوں کی آمین سے ساتوں آسمان گونجتے ہیں اور پھر تم سے جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مطابق ہو گئی اس کا بیڑہ پار ہے' وہ نجات پا گیا۔ اس نے مغفرت کی دولت لوٹ لی۔ اس کے سارے ہی گذشتہ گناہ معاف کر دیئے گئے۔

اور اس مرحلہ پر خود رسول اللہ ﷺ کی اپنی مسجد کا یہ حال ہوتا تھا کہ جونہی امام کے منہ سے آمین کا کلمہ بلند ہوتا تو آمین کی پکاروں سے مسجد نبویؐ لرزنے لگتی' ہلنے لگتی اور گونجنے لگتی (کلمہ فیر تج بھا المسجد کے یہ تینوں معنی مترجمین حدیث نے ہی کئے ہیں)۔

آمین اب سورہ فاتحہ کے گلے مل گئی' اس سے لپٹ گئی' اس کی جدائی کے لمحات ختم ہو گئے' بلبل نے پھول کو پالیا' پروانے کو اپنی منزل مل گئی' محب نے اپنے محبوب کو پالیا اور

بقول مولانا رومؒ ؎

عشق جانِ طور آمد عاشقا
طور مست و خرّ موسیٰ صعقا

حنفی بھائیوں! اگر اس پر بھی آپ آمین سے رُوٹھے ہی رہیں تو آپ کا مقدر اگر آپ کے بخت کی گرہیں محمد ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے بھی نہ کھل پائیں تو ان سے بڑا کوئی عقدہ کشا ہم پیش نہیں کر سکتے۔؎

حوالت با خدا کردیم و رفتیم

آمین اور یہودی

ایک عبرت انگیز موعظمت

امام ابن ماجہؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَاحَسَدَتْكُمُ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ مَاحَسَدَتْكُمْ عَلٰى اٰمِيْن ۱؎

یہودی تمہاری کسی بات سے اتنا نہیں جلتے جتنا وہ (تمہاری مسجدوں میں گونجنے والی) آمین کی (زلزلہ افگن) پکار سے جلتے ہیں۔

یعنی تمہاری با جماعت نمازوں میں گونجنے والی آمین ان کے سینوں میں زخم ڈال دیتی ہے اور وہ نعرہ تکبیر کی طرح گھن گرج رکھنے والی اس دبدبہ اثر آواز کی دہشت سے بار بار سہم جاتے ہیں۔ انہیں تمہاری اجتماعیت کا یہ بار بار مظاہرہ کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتا۔ تمہارے ان غلغلوں میں اچھلنے اور پھلانگنے والی شوکت ان کی روح کے لئے دوزخ کی آگ

۱؎ ابن ماجہ

سے بھی زیادہ تیز اور زیادہ جلانے والی ہے۔

یہاں ہم اپنے حنفی بھائیوں سے یہ ایک بات پوچھنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ یہودی جو صادق و مصدوق پیغمبر خدا محمد ﷺ کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں کی آمین سن کر جل بھن کر کوئلہ ہو جاتے تھے۔ تو کیا یہ وہی آمین تھی جو بقول آپ کے منہ سے باہر نہیں نکلتی تھی، اور جو سینے سے اٹھتی بھی تھی تو خلقِ خدا تک پہنچتے پہنچتے ہوا میں تحلیل ہو جاتی تھی، یا کوئی ایسی آمین تھی جو مسجد بلند ہو کر یہودیوں کے کانوں تک پہنچ جاتی تھی؟ جو مومن کے لبوں پر اچھلتی تھی اور آسمان کی رفعتوں پر کمند ڈالتی تھی؟

اور اس پر پھر رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد بھی پیش نظر رہے جس میں آپ نے یہودیوں کے آمین سے جلنے کا علم پا کر انہیں مزید جلاتے رہنے کی غرض سے مسلمانوں کی ہدایت فرمائی کہ: فَاَكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ اٰمِيْن

کہ تم اپنی زمین کی اس آتشناک تاثیر سے یہود نامسعود کے جان و جگر کو ہمیشہ جلاتے رہو۔

اور کیا ہمارے حنفی بھائی بھی رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے کوئی نصیحت اور موعظت قبول کریں گے! ہماری ان سے نہایت اخلاص کے ساتھ درخواست ہے کہ وہ اپنی ضد اور غیر مسنون سوچ میں ترمیم کریں اور اس بات کا یقین کر لیں کہ آمین کے ایمان افروز اور پر شوکت غلغلوں سے بدکنا جن سے بہر حال اسلام کی وجاہت اور مسلمانوں کی اجتماعیت کا مظاہرہ ہوتا ہے، سچے مومنوں کا شیوہ نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث پاک سے ظاہر ہے کہ مومن آمین کی طرف بڑھتا ہے اس سے بدکتا بھاگتا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کریں، آپ کن لوگوں سے کٹتے ہیں اور کن سے جڑ کر رہنا پسند کرتے ہیں آہ!

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

حنفی موقف

تحقیق کی ترازو میں

حضرت ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ایک متبع سنت اور عاشق رسولؐ بزرگ تھے اور تحقیق یہ ہے کہ وہ خود کسی کے مقلد تھے نہ کسی کو اپنی تقلید کرنے کے لئے کہتے تھے۔

سلفی المسلک تھے۔ کتاب و سنت اور اجماعِ صحابہؓ پر اپنے فتاویٰ کی بنیاد رکھتے تھے ان سے باہر کبھی نہیں جاتے تھے۔

اگر انہیں کبھی قیاس کی نوبت آتی تو تابعی کے قیاس پر قیاس کر لیتے تھے۔ مگر صحابی کے قیاس پر قیاس بھی نہیں چلاتے تھے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد کچھ لوگوں نے اپنے دنیوی مفاد میں ان کے نام سے بہت سے خلاف سنت طریقے اور خلاف شرع مسائل جمع کر کے بزور و جبر ان کی نام لگا دیئے ہیں اور چونکہ ان کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی بھی تحریر دنیا میں موجود نہیں ہے [1] اس لئے جس کا جی چاہے ان کے نام لگا دے وہ اب تردید کے لئے نہیں آئیں گے۔ چنانچہ اب جو کچھ بھی ان کے نام لگا دیا گیا وہ انہی کا سمجھا جاتا ہے اور انہی کے نام سے شائع ہے۔

آمین بالجہر کے خلاف اور آہستہ کہنے کے حق میں حنفی بھائیوں نے جو دلائل حضرت ابو حنیفہؒ کے نام سے جمع کر رکھے ہیں ذیل میں ہم ان میں سے چند سر فہرست دلائل کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

---

[1] سیرۃ النعمان شبلی نعمانی

احناف کی پہلی دلیل

احناف نے اپنے مقدمہ کی بنیاد جس سب سے بڑی دلیل پر استوار کی ہے' وہ اس طرح ہے:

رَوٰی شعبۃ عن سلمۃ بن کہیل عن حجر ابی العنبس عن علقمۃ بن وائل عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین فقال اٰمین وخفض بہا صوتہ[1]

شعبہ نے سلمہ بن کہیل سے اور اس نے عنبس کے باپ حجر سے' اس نے علقمہ بن وائل سے' اور علقمہ نے اپنے باپ (وائل) سے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین پڑھ کر آمین کہی اور (آمین کہتے ہوئے) اپنی آواز کو پست کر لیا۔

یہ روایت حنفی بھائیوں کا سرمایہ ناز ہے اور وہ جا و بے جا اس سے استدلال کرتے رہتے ہیں۔ یہ روایت بیشک ترمذی میں درج ہے لیکن اگر ہمارے حنفی اہل علم بزرگ اس روایت کے بارے میں خود حضرت امام ترمذی کی اپنی رائے بھی اپنے پیروکاروں تک پہنچا دیتے تو بات کی گرہ وہیں کھل جاتی اور ان کے سر سے بھی وہ بوجھ اتر جاتا جو اپنے ساتھیوں کو دھوکہ میں رکھنے کی وجہ سے ان پر محشر کے روز پڑنے والا ہے۔

امام ترمذی نے اس روایت کو بدلائل بینہ ضعیف قرار دیا ہے اور اس کو اپنے ہاں اس لئے درج کیا ہے کہ وہ اپنے قارئین کو یہ بتا سکیں کہ بعض لوگ اس روایت کو پیش کر کے آمین کے بارے میں وارد ہونے والی صحیح روایات پر اپنی غرض کا پردہ ڈال رہے ہیں اس لئے

---

[1] ترمذی شریف مع معارف السنن جلد۲ صفحہ ۲۰۰

ان سے احتیاط کی جائے۔ مگر حنفی اہل علم نے اس کو اپنے موقف کے حق میں بطور دلیل اختیار کر لیا ہے۔ سبحان اللہ ؎

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہئے غیر سے تہی
سُن کے ستم ظریف نے مجھ کو اُٹھا دیا کہ یوں؟

اس روایت کو درج کرنے کے بعد امام ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ :

میں نے اپنے استاد (امام بخاریؒ) سے اپنے کانوں سنا ہے 'آپ فرماتے تھے کہ شعبہ کی اس روایت کے بجائے صحیح روایت وہ ہے جو سفیانؒ کے حوالہ سے وارد ہوئی ہے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ کا آمین کا پکار کر اور اپنی آواز کو آمین کہتے وقت لمبا کرنے کا ذکر ہوا ہے۔

اور یہ روایت ترمذی کی اُن روایات میں داخل ہے جو نہ صرف صحیح نہیں بلکہ حسن کے درجہ کو بھی نہیں پہنچیں۔ امام ترمذی نے اس کے مقابلہ میں جس روایت کو حسن کہہ کر نقل کیا ہے وہ یہ ہے :

إِذَا قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ آمِينْ مَدَّبِهَا صَوْتَهُ کہ نبی اللہ علیہ وسلم جب پڑھتے غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین تو آمین پکارتے اور آمین پکارتے وقت آپ کی آواز دراز (بلند) ہو جاتی تھی۔

اس روایت کی ایک قرأت رفع صوتہ بھی آئی ہے کہ آمین پکارتے وقت آپ کی آواز زیادہ بلند ہو جاتی تھی۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حضرت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ :

یہ روایت حسن ہے اور اصحابِ رسولؐ، تابعین اور اتباع تابعین سب کا مذہب یہی ہے۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ :

امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحٰقؒ بھی یہی مذہب رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں

شعبہ کی اس روایت کے اختراعی ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ شعبہ سے آمین بالجہر کے اثبات میں یہ روایت آچکی ہے۔ا؎ اور وہ ان راویوں میں شامل ہیں جن کے نزدیک آمین کا صرف باآواز بلند پکارنا ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ پھر جو شخص آمین بالجہر کی روایت کرتا ہے وہ دوسرے ہی لمحے خفض اور اخفاء (یعنی آمین کو صرف منہ میں کہنے) کی بات کیونکر کر سکتا ہے۔

حنفی بزرگ بھی

ہمارے قارئین یہ سن کر حیران ہوں گے کہ شعبہ کی اس روایت کے غلط اور غیر صحیح ہونے پر صرف اہلحدیث' علمائے حدیث کا ہی اتفاق نہیں بلکہ وہ حنفی اہل علم محققین بھی جو اگرچہ تقلید کی مجبوری سے آمین بالجہر کے عامل تو نہیں ہیں مگر شعبہ کی اس روایت کی تغلیط وہ بھی بالکل اہلحدیث کی طرح ہی کرتے ہیں اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس روایت میں لفظ خفض کا داخل ہونا اس روایت کے تمام سلسلہ ہائے اسناد کے منافی ہے۔ چنانچہ حنفی محقق عالم حضرت ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

حفاظ حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ اس روایت میں خَفَضَ بِهَا صَوْتَهٗ کے الفاظ بسند صحیح ثابت نہیں ہیں۔ یعنی یہ بات صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ آمین پکارتے وقت اپنی آواز پست کر لیتے تھے۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ اس روایت کے صحیح سلسلہ اسناد کے بموجب شعبہ کی اس روایت میں خَفَضَ بِهَا صَوْتَهٗ کے الفاظ غلط ہیں اور صحیح مَدَّ بِهَا صَوْتَهٗ اور رفع بها صوته ہے یعنی آمین پکارتے وقت رسول اللہ ﷺ کی آواز دراز اور بلند ہو جاتی تھی۔

حضرت ملا علی قاری مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ا؎ بیہقی

مَدَّ بِهَا صَوْتَهٗ کے الفاظ کہ آپ اس موقع پر اپنی آواز لمبی کر لیتے تھے۔

ترمذی 'احمد اور ابن شیبہ کی روایت میں وارد ہوئے ہیں۔

جبکہ رَفَعَ بِهَا صَوْتَهٗ کہ آپ آمین پکارتے وقت اپنی آواز بلند کرتے تھے۔

ابوداؤد 'بیہقی اور ابن حبان میں نقل ہوئے ہیں۔ ۱؎

حضرت ابن الہمامؒ کی گواہی

شعبہ کی اس روایت کی اصلیت کا سراغ لگاتے ہوئے حنفی بزرگ اور محقق عالم حضرت ابن الہمامؒ تحریر کرتے ہیں:

قَدْ رَجَحَ الدَّار قُطْنِیُّ وَغَیْرُهٗ رِوَایَةَ سُفْیَانَ بِاَنَّهٗ اَحْفَظُ وَقَدْ رَوَا لْبَیْهِقِیُّ عَنْ شُعْبَةَ فِی الْحَدِیْثِ رَافِعاً صَوْتَهٗ ۲؎

کہ امام دار قطنی نے اس باب میں سفیان کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ جس میں نبی ﷺ آمین کو بلند آواز سے پکارنے کا ذکر ہوا ہے اور یہ روایت نہایت محفوظ بھی ہے۔ علاوہ ازیں امام بیہقی نے خود شعبہ سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ آمین کا کلمہ بلند آواز سے ہی پکارتے تھے۔

بات کا دوسرا رُخ

امام ترمذی نے شعبہ کی روایت کے ضعف پر بحث کرتے ہوئے اس کے اندر چند فنی گھپلوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

پہلا گھپلا شعبہ نے اس روایت میں ایک راوی حُجر ابی عنبس کا ذکر کیا ہے جبکہ اس نام کا کوئی راوی پورے سلسلہ رواۃ میں سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ البتہ ایک راوی حُجر بن

۱؎ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ از ملا علی قاری ۲؎ فتح القدیر جلد اول صفحہ ۲۵۷ از حضرت ابن الہمام

عنبس کا نام ضرور ذکر ہوا ہے مگر وہ سلسلہ رواۃ میں اس کنیت سے پہچانا ہی نہیں جاتا اس کی کنیت حجر ابا سکن ہے ابا عنبس یا ابن عنبس نہیں ہے۔

دوسرا اگھیلا وائل سے تعلق رکھتا ہے۔ اس راوی کے بارے میں روایت کے الفاظ یہ ہیں عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِيْهِ ۱؎ کہ علقمہ بن وائل اپنے باپ وائل سے سن کر بیان کرتے ہیں۔ جبکہ علقمہ اس روایت کے سلسلہ اسناد میں سرے سے موجود ہی نہیں ہے اور اس کا اپنے باپ وائل سے سننا بھی ثابت نہیں ہے۔

ابن حجر کہتے ہیں اَنَّهٗ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ اَبِيْهِ کہ علقمہ نے اپنے باپ سے نہیں سنا۔

ایک سوال

یہاں البتہ ایک سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ علقمہ اور وائل باپ بیٹا ہیں اور علقمہ کا اپنے باپ سے سننا بالکل ممکن ہے پھر علقمہ اپنے باپ سے کیوں نہیں سن سکا؟

بلاشبہ یہ ایک معقول سوال ہے اور ہم اس سوال کے جواب کے لئے ابن الہمامؒ کو تکلیف دیتے ہیں۔ حضرت ابن الہمامؒ حنفی حضرت امام ترمذی کی کتاب "علل کبیر" کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

> امام ترمذیؒ نے اپنے استاذ حضرت امام بخاریؒ سے دریافت کیا کہ کیا علقمہ نے اپنے باپ وائل سے یہ حدیث سنی ہے؟ امام بخاریؒ نے جواب دیا اِنَّهٗ وُلِدَ بَعْدَ مَوْتِ اَبِيْهِ بِسِتَّةِ اَشْهُرٍ ۲؎ کہ علقمہ تو اپنے باپ وائل کی وفات کے چھ ماہ بعد پیدا ہوا تھا (وہ ان سے کیونکر سن سکتا تھا!)

۱؎ تقریب التہذیب علامہ ابن حجرؒ ۲؎ فتح القدیر جلد اول صفحہ ۲۵۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

سبحان اللہ ؎

بنے کیونکر کہ ہے سب کار اُلٹا
ہم اُلٹے بات اُلٹی یار اُلٹا

اس طرح علقمہ بن وائل کے ساقط ہو جانے سے یہ روایت منقطع بھی ہوئی اور قابلِ حجت نہ رہی۔

ایک اور خرابی

شعبہ کی اس روایت میں ایک نمایاں خرابی یہ بھی ہے جو اس روایت کو مشتبہ بنا دیتی ہے کہ اس روایت میں وارد ہونے والے الفاظ خَفَضَ بِهَا صَوْتَهٗ صرف اس ایک روایت کے علاوہ دوسرے کسی بھی سلسلہ اسناد سے وارد ہونے والی کسی روایت میں بطور تائید موجود نہیں ہیں۔ اس طرح کوئی ایک قرینہ بھی موجود نہیں رہ گیا ہے کہ اس روایت کو قبول کیا جاسکے۔

احناف کی دوسری دلیل

شیخ عبدالحق حنفی مصنف شرح سفر السعادۃ نے اپنے ہاں حضرت فاروق اعظمؓ کا ایک اثر نقل کیا ہے کہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ امام نماز کے اندر چار چیزیں ہمیشہ اخفا یعنی آہستہ سے منہ میں ہی پڑھے۔ اعوذ باللہ۔ بسم اللہ۔ آمین اور سبحانک اللّٰھم اور بعض روایات میں سبحانک اللّٰھم کے بجائے رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ آیا ہے [1]۔ (اور یہی بات دراصل صحیح بھی ہے اور قرین قیاس بھی)

---

[1] شرح سفر السعادۃ

حضرت ابن مسعودؓ سے بھی بحوالہ ابن شبیہ انہی معنوں میں ایک روایت نقل ہوئی ہے۔ ایسے ہی ابن جریر' طحاوی اور ابن شاہین نے بھی یہی خبر دی ہے۔ حضرت امام ابن الہمام حنفی نے بھی اپنی یہی تحقیق پیش کی ہے۔ ۱ے

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ابی وائل سے نقل کیا ہے کہ عمرؓ اور علیؓ اعوذ باللہ۔ بسم اللہ اور آمین بآواز بلند نہیں کہتے تھے ۲ے

یہ روایت اپنی سندی حیثیت سے بھی تو نہایت درجہ ضعیف اور موضوع روایات کی صف کا مال ہے مگر اپنے مندرجات کے اعتبار سے بھی صاف طور پر جعلی اور لغو ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ دونوں سے آمین بالجہر کی روایات وارد ہو چکی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بڑا واضح ہے جب فرمایا:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ اٰمِيْنَ ۳ے

کہ میں نے اپنے کانوں رسول اللہ ﷺ کو ولا الضآلین پر بآواز بلند آمین پکارتے سنا ہے۔

پھر مزید وضاحت فرمائی کہ:

كَانَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ اٰمِيْنَ وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ ۴ے

کہ رسول اللہ ﷺ جب ولا الضآلین کہہ کر آمین پکارتے تو ان کی آواز (معمول سے زیادہ) بلند ہو جاتی تھی۔

تو پھر ایک ضعیف تر اور موضوع قسم کی روایت اور کسی پیشہ ور راوی کے اس کے خلاف کہنے سے یہ کیونکر مان لیا جائے کہ علیؓ نے بعد ازاں اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا۔

۱ے فتح القدیر ۲ے جمع الجوامع علامہ سیوطی ۳ے ابن ماجہ طبع اول دہلی صفحہ ۱۲' تحفتہ الاحوذی جلد اول صفحہ ۸ ۲ بحوالہ مستدرک حاکم ٤ے کنز العمال

روایت یہ کہ حضرت علیؓ بسم اللہ پکار کر نہیں پڑھتے تھے تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ آپ کا بسم اللہ پکار کر پڑھنا ثابت ہے۔

ویسے بھی بسم اللہ کو پکارنے یا آہستہ پڑھنے کا کوئی جھگڑا نہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی کبھی بسم اللہ کو اخفا سے پڑھا ہے کبھی پکار کر بھی پڑھا ہے ۱۔ آپؐ کے اصحابؓ اور پھر تابعین میں اس کے بعد تبع تابعین سب کا ہی یہی معمول تھا۔ بہت سے لوگ بسم اللہ کو پکار کر پڑھتے تھے ۲۔ اور بہت سے لوگ اخفا سے پڑھتے تھے ۳۔

حاصل یہ ہے کہ بسم اللہ کے پکار کر پڑھنے یا نہ پڑھنے میں وسعت ہے اور یہ کوئی بحث والی بات نہیں ہے۔

اب رہی سبحانک اللہ کو منہ میں پڑھنے کی بات تو واضح ہو یہ نماز کی دعائے استفتاح ہے۔ اس کو پکار کر پڑھنے والی کوئی بات نہیں تھی، نہ رسول اللہ ﷺ نے دعائے استفتاح کبھی پکار کر پڑھی نہ اس کا حکم دیا۔ پھر اس کو اخفا سے پڑھنے کی ہدایت کرنے میں کیا تُک تھی، جو حضرت عمرؓ اس کے بارے میں خصوصی ہدایت جاری فرماتے۔

تعوذ کو بھی پکار کر پڑھنے کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا، پھر حضرت عمرؓ نے اس کے اخفا کا حکم کیوں دیا! حضرت عمرؓ کے ربنالک الحمد نہ پکارنے کے باب میں بھی کوئی شبہ نہیں، نہ وہ خود یہ کلمہ پکارتے تھے اور نہ رسول اللہ ﷺ کو پکارتے سنتے تھے پھر وہ اس سے منع کیوں فرماتے! تعجب ہے کہ احناف بزرگوں نے اس جعلی اور بے بنیاد اثر کو صحیح اور حسن احادیث کے مقابلہ میں قبول کر لیا ہے، آہ۔

ہوا تھا کبھی سر قلم قاصدوں کا
یہ تیرے زمانہ میں دستور نکلا

۱۔ بخاری۔ مسلم۔ ہدیٰ ابن قیم۔ سفر السعادۃ ۲۔ ترمذی، نسائی، ابن خزیمہ، مسك الختام، سبل السلام ۳۔ بخاری۔ مسلم۔ احمد۔ نسائی۔ ابن خزیمہ

اس روایت پر محدثین کی رائے

محدثین کے نزدیک یہ اثر چوتھے طبقہ کی روایات میں داخل ہے اور ان روایات کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ارشاد یوں ہے:

چوتھے طبقہ کی بہتر سے بہتر روایات ضعیف ہیں یا ایسا احتمال ہے اور جو بدتر ہیں وہ موضوع یا مقلوب یا سخت درجہ کی منکر ہیں [1]۔

واضح ہو کہ چوتھے طبقہ کی روایات کو روایات کے بجائے تخلیق کہنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ محدثین کے بقول ان روایات کا وجود نہ دورِ رسالت میں تھا نہ دورِ اصحابؓ میں نہ تابعینؒ کے دور میں اور نہ یہ تبع تابعین کے دور میں پائی جاتی تھیں بلکہ ان کی تخلیق ان سارے ہی اچھے ادوار کے بعد کی صنعت کاری ہے جو بعد کے اہل غرض نے اپنی ضرورت سے کی ہے' اور حنفی بزرگوں پر تعجب ہے کہ وہ ان اختراعی روایات کو جن کی نہ ماں ہے نہ باپ' صحیح اور حسن روایات کے مقابلے میں لاتے ہوئے خدا کا خوف تو خیر نہ سہی جگ ہنسائی سے بھی نہیں ڈرتے۔ اگر اس پر بھی حنفی بزرگوں کو اپنے موقف کے بارے میں کوئی حسنِ ظن باقی ہے تو یہ ان کی شہزادگی ہے یا دلیری۔ حقیقتِ حال کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اور حنفی بزرگوں کی اس دلیری کا المیہ اس وقت مزید دردناکی حاصل کر لیتا ہے۔ جب ایک حنفی بزرگ حضرت ابن الہمامؒ کے بقول ہی یہ روایت اثر کی حد تک بھی ایک موقوف روایت ہے۔ کیونکہ اس کی سند زیادہ سے زیادہ ابراہیم نخعیؒ تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ یعنی صنعت کار لوگ اس اثر کی سند بھی کسی ٹھکانے تک نہیں پہنچا سکے۔ اور وہ مقطوع اور موقوف ہو کر رہ گیا ہے۔ محدثین کے نزدیک ایسی روایات منقطع کہلاتی ہیں اصحاب حدیث نے ان کو مردود شمار کیا ہے [2]۔

1۔ حجتہ اللہ البالغہ نور محمد اصح المطابع جلد اول صفحہ ۳۰۱ طبع کردہ شیخ غلام علی اینڈ سنز جلد اول صفحہ ۲۱۸ 2۔ فتح القدیر حضرت ابن الہمام حنفیؒ

اور پھر جب یہ اثر ہی موضوع اور مقطوع ہے تو اس پر زیادہ بحث کی بھی کیا حاجت ہے! بقول ؎

عاقل کو بس اک حرف ہے تحقیق کا کافی
نادان کو کافی نہیں دفتر کا اثالہ

احناف کی مزید دلیل

حضرت عطاءؒ نے کہا ہے کہ آمین دُعا ہے (بخاری)

اس پر احناف بزرگ بات اٹھاتے ہیں کہ دُعا کے بارے میں قرآن کریم کی ہدایت یہ ہے کہ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً کہ اپنے رب کو عاجزی اور اخفا سے پکارو۔

گذارش ہے کہ کلمۂ آمین کو دُعا کے ساتھ منسلک ہونے کی وجہ سے اسے دعا کہہ دیا گیا ہے ورنہ آمین فی نفسہٖ دعا نہیں ہے اور خود حنفی بھائی بھی اگر ایک لحہ کے لئے اپنی ضد سے الگ رہ کر اپنے آپ میں بھی غور کر لیں گے تو آمین کو دعا نہیں پائیں گے۔

دیکھئے آمین کا معنٰی ہے (الٰہی) ایسا ہی ہو۔

اور جب تک آپ نے خدا تعالٰی سے کچھ چاہا نہیں ہوگا تو آپ ہی فرمایئے کہ محض ایسا ہی ہو' ایسا ہی ہو کیا معنٰی رکھتا ہے۔

عزیزو! دعا میں طلب شرط ہے۔ بے طلب کوئی بڑی سے بڑی عبادت بھی دعا نہیں بن سکتی۔

مثلاً آپ جب اپنے رب سے درخواست کریں گے کہ الٰہی ! میری مشکل کو دور فرمایئے تو یہ مرحلہ آمین کے استعمال کا ہے اور اب یہ کلمہ بھی بامقصد بن گیا کہ الٰہی ! جو میں نے آپ سے طلب کیا ہے آپ کی مہربانی سے

ایسا ہی عمل میں آئے۔ لیکن اگر آپ نے کچھ مانگا نہیں تو آمین آمین پکارنے سے کیا حاصل ہوگا؟

بغیر کسی طلب کے آمین کہنا بالکل مہمل بات ہے' اس لئے آپ کو یہ بات سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہیے کہ آپ کی دلیل بے بنیاد ہے اور آمین کا کلمہ بطور خود کوئی دعا نہیں ہے بلکہ اس کو کسی دعا کے بعد ہی پکارا جاتا ہے۔ اور اس کا صرف یہی ایک مصرف ہے۔

آمین کو جب دعا کے بعد پکارا جائے گا تو یہ ایک درخواست ہوگی جو اپنی دعا میں زیادہ زور پیدا کرنے' اسے موثر بنانے اور اپنی دعا میں عاجزی کی مقدار کو بڑھانے کے لئے اللہ کے حضور پیش کی جاتی ہے۔ اور یہی اس کا موقع اور یہی اس کا مصرف ہے۔ پس حضرت عطاؒ کا یہ کلمہ آمین کے اخفا کی ہرگز دلیل نہیں ہے۔

علاوہ ازیں حضرت عطاءؒ کا یہ قول ان کی بیان کردہ اس روایت کا حصہ ہے جس میں انہوں نے آمین کو آواز بلند پکارنے کی خبر دی ہے۔

ایک نظر وہ روایت پھر ملاحظہ فرمالیجیے۔ پھر ہم فیصلہ آپ پر ہی چھوڑ دیتے ہیں کہ آپ کا حضرت عطاءؒ کے اس قول کو آمین کے اخفا کے ثبوت میں پیش کرنا کہاں تک صحیح ہے۔ عطاءؒ فرماتے ہیں:

> اٰمِیْنُ دُعَآءٌ اَمَّنَ ابن الزُّبَیْرِ وَمَنْ وَرَآءَهٗ حَتّٰی اَنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلُجَّةً ؕ[1]
>
> آمین ایک دعا ہے اور میں نے حضرت ابن زبیرؓ کے پیچھے نماز ادا کی ہے۔ جب انہوں نے (والاضآلین کہہ کر) آمین پکاری تو پوری مسجد نمازیوں کی آمین سے گونجنے لگی۔

روایت اپنے پورے پیش منظر' پس منظر سمیت آپ کے سامنے ہے آپ خود ہی

---

[1] بخاری شریف باب جهر الامام بالتامین

فیصلہ فرما دیجئے کہ حضرت عطاءؒ کا آمین کو دعا کہنے سے کیا مطلب تھا!

اب رہا حنفی بزرگوں کا دعا کو اخفا سے پکارنے کے لئے قرآن کریم کی آیہ مبارکہ سے استدلال واستشہاد' تو گزارش ہے کہ جب آمین دُعا ہی نہ ثابت ہو سکی تو یہ آیہ مبارکہ اس کو کیونکر موثر ہوگی- تاہم قرآن پاک نے جو دُعا کو تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً پکارنے کی ہدایت فرمائی ہے تو اس کا مطلب بھی یہ نہیں کہ تم دل ہی دل میں دُعا کیا کرو بلکہ اس کا مطلب بھی دعا کرتے وقت چِلاّنے سے منع کرنا ہے اور خود قرآن پاک نے بھی اس اخفا کے یہی معنٰی بیان فرمائے ہیں' جب فرمایا:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا [1] کہ دعا زیادہ چیخ کر مانگ نہ بالکل اندر ہی اندر بلکہ اس غرض سے اعتدال ملحوظ رہے-

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اُنْزِلَ ذٰلِكَ فِي الدُّعَاءِ (بخاری) کہ یہ آیہ مبارکہ دعا کے حق میں نازل ہوئی ہے- سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ آئیہ مبارکہ خود رسول اللہ ﷺ کے نزدیک بھی آمین پکارنے کو موثر نہیں ہے- اگر ایسا ہوتا ہے تو آپ کی موجودگی میں' آپ کی اقتداء میں اور آپ کی مسجد میں آمین کو بآواز بلند کیوں پکارا جاتا-

یہ آیہ مبارکہ مکہ معظمہ میں اُتر چکی تھی اور آمین پکارنے کی سنت مدینہ منورہ میں جاری ہوئی- اگر یہ آیت آمین کو موثر ہوتی تو آپ لوگوں کو ضرور بتا دیتے اور انہیں آمین پکارنے سے روکتے- جبکہ امر واقعہ اس کے خلاف ہے اور آپ نے آمین پکارنے سے روکنے کے بجائے اس کو پکارنے کا حکم دیا اور اس کی حکمت بھی ساتھ ہی بتادی کہ تمہاری آمین کے ساتھ خدا کے فرشتے بھی آمین پکارتے ہیں- اور پھر اگر کسی خوش نصیب کی آمین فرشتوں کی آمین سے ہموار ہو گئی تو دُعا کے قبول ہونے کا امکان بڑھ جاتا ہے اور بات موافق رہی تو آمین کہنے والے کے گذشتہ سارے ہی گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں-

---

[1] بنی اسرائیل ع ۱۲

تراویح
(۸) یا (۲۰)
آٹھ یا بیس!

نماز تراویح ---- آٹھ یا بیس؟

وجہ تسمیہ

لفظ ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ راحت سے مشتق ہے اور آپ جانتے ہی ہیں کہ راحت آرام کو یا آرام حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔

تراویح کی اصطلاح اُس نماز کے لئے خاص ہے جو رمضان المبارک میں نماز عشاء کے ساتھ قیام اللیل کے بطور ادا کی جاتی ہے۔ لفظ تراویح حدیث میں وارد نہیں ہوا' رسول اللہ ﷺ اس نماز کو ادا کرتے تھے مگر اس کو تراویح نہیں بلکہ صلوۃ اللیل یا قیام اللیل کہا جاتا تھا۔

اصحاب رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی اس نماز کے لئے کبھی تراویح کا کلمہ استعمال نہیں ہوا ہے۔ اس نماز کے لئے یہ اصطلاح بعد کے دور کی پیداوار ہے۔ مگر چونکہ یہ اصطلاح اس نماز کے عین حسبِ حال تھی اس لئے پوری امت نے ہی یہ جانے بغیر کہ یہ اصطلاح کب وجود میں آئی اور یہ کس کی اختراع ہے اس کو بخوشی قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے دور میں تو یہ نماز اپنے اندر ایک قسم کا کیف سموئے تھی اور لوگ وفور لذت سے اس کے اندر ڈوب ہی جایا کرتے تھے اور محویت کے غلبہ سے بے خود ہو جاتے تھے امام اس نماز کو جس رغبت اور جس شوق سے ٹھہر ٹھہر کر وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا کے ارشاد میں ڈوب کر پڑھاتا تھا' اس کے مقتدی بھی اُسی ذوق و شوق' اسی رغبت و محبت' اسی کیف و محویت اور اُسی جذب و کشش میں ڈوبے آخر تک اس کا ساتھ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات یہ خدشہ محسوس ہونے لگتا کہ مبادا سحری کا وقت ہی گذر جائے۔

راوی کہتا ہے کہ ہم جب نماز میں کھڑے کھڑے تھک جاتے تو بعض لوگ اپنی لاٹھیوں کا سہارا اختیار کر لیتے تھے۔ ایسے میں جب امام سلام پھیرتا تو (تھکاوٹ کی وجہ سے)

سب کی یہ خواہش ہوتی کہ اگلی نماز کے لئے قیام سے قبل چند منٹ آرام حاصل کر لیا جائے اور پھر اس نماز میں آخر تک یہی صورت قائم رہتی کہ لوگ وقفہ وقفہ سے آرام کرتے۔اسی وجہ سے بعد میں اس نماز کا نام ہی نماز تراویح مشہور ہو گیا یعنی وہ نماز جس میں بار بار آرام کیا جاتا ہے اور بار بار ہی راحت حاصل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

آج کیا صورت ہے!

اب تراویح کے مسئلہ پر جھگڑنے والے لوگوں سے پہلا سوال یہی بنتا ہے کہ وہ جس نماز تراویح کے لئے رکعتوں کی تعداد پر جھگڑ رہے ہیں کیا انہوں نے کبھی غور کیا کہ ان کی اپنی نماز تراویح نماز تراویح بھی ہے یا نہیں؟

اب تو تراویح کی نماز کو بطور نماز تراویح ادا کرنا بھلے زمانوں کی یاد ہی رہ گئی ہے' ورنہ تراویح کے نام سے آج جو نماز ہماری مساجد میں ادا ہو رہی ہے اس کو نماز تراویح کے بجائے نماز عاجلہ ہی کہنا زیادہ مناسب ہے یعنی وہ نماز جو سب قسم کی نمازوں میں سب سے زیادہ تیز بھاگم بھاگ اور جلدی جلدی ادا کی جاتی ہے۔

اس میں طعن والی کوئی بات نہیں امر واقعہ یہی ہے کہ جن مساجد میں آٹھ تراویح ادا کی جاتی ہیں قرآن کی قرأت کا طریقہ اگرچہ وہاں بھی کچھ زیادہ قابلِ رشک نہیں ہوتا۔ تاہم قاری کے سانس لینے کا پتہ ضرور چل جاتا ہے' مگر جن مساجد میں بیس تراویح ادا کی جاتی ہیں وہاں قرآن پاک کا حال بہت پتلا ہوتا ہے۔ قرآن کا پارہ انہیں بھی آٹھ تراویح والوں کے ساتھ ہی ختم کرنا ہوتا ہے اس لئے نماز کھڑی ہونے کے ساتھ ہی امام خیبر میل کی رفتار سے دوڑنے لگتا ہے اسے پھر نہ کوئی وقف مطلق آڑے آتا ہے' نہ کوئی وقف لازم ہی اس کی راہ روکتا ہے' نہ اس کے سامنے کسی وقفے کی پیش چلتی ہے نہ معانقے کی' اوقاف آپس میں گتھم گتھا ہونے لگتے ہیں۔ آئتیں آیتوں میں گھسڑ رہی ہوتی ہیں مگر وہ پوری رفتار سے اسٹیشن پر اسٹیشن

چھوڑے چلا جاتا ہے' نمازیوں کے گھٹنے پورے زور سے زمین کے ساتھ ٹکرا رہے ہوتے ہیں مگر وہ اللہ اکبر پر اللہ اکبر گرائے چلا جاتا ہے۔ مقتدی ابھی ایک اللہ اکبر سے سنبھلنے نہیں پاتے سر اللہ اکبر انڈیلتا ہوا آگے نکل جاتا ہے۔

اس کے صرف پڑھنے کی آواز سنائی دیتی ہے مگر کوئی نہیں جان سکتا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے کہاں سے پڑھ رہا ہے۔ مرزا غالبؔ کی مشکل گوئی اور مشکل پسندی پر پھبتی کہی گئی تھی کہ ؎

کلامِ میرؔ سمجھے اور زبانِ میرزاؔ سمجھے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

یہی حال یہاں قرآن پاک کا ہو رہا ہوتا ہے اور یہ وہی نماز تراویح ادا کی جا رہی ہوتی ہے جسے ترلویح ہی اس لئے کہا گیا تھا کہ اس کو ٹھہر ٹھہر کر اور آرام لے لے کر ادا کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود ضد یہی ہے کہ ہم بیس ہی پڑھیں گے یعنی ؎

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

آٹھ اور بیس کا ایک لطیفہ

میں نے اپنے ایک عزیز تلمیذ مولوی عبدالرحمٰن صاحب سے جو ہمارے شہر کے حوالی میں رہتے ہیں کہا کہ آپ اپنے ہاں جمعہ جماعت کا بندوبست کریں' ان کے اہل دیہہ کسی اہل علم کے محتاج ہی تھے۔ انہوں نے میری اس خواہش کا ان سے ذکر کیا تو وہ بڑے خوش ہوئے اور پھر اگلے روز سے ہی مولوی صاحب نے اپنا کام جاری کر دیا۔ چند ماہ بعد رمضان المبارک کے چاند نے مطلع کیا تو تراویح کا مسئلہ سامنے آگیا۔

وہ لوگ قدیم سے ہی بیس تراویح پڑھتے چلے آرہے تھے۔ مولوی صاحب نے

فرمایا کہ ہم تو آٹھ تراویح پڑھائیں گے وہ کہنے لگے کہ ہم تو اپنے باپ دادا سے ہی بیس رکعت تراویح پڑھتے آئے ہیں' ہم اب بھی بیس ہی پڑھیں گے- مولوی صاحب نے انہیں بہت کہا کہ بیس تراویح کی کوئی روایت صحیح نہیں ہے اور جو صحیح روایت وارد ہوئی ہے وہ صرف آٹھ تراویح کے حق میں ہی ہے' مگر وہ لوگ نہ مانے اور اپنی بات پر بضد رہے-

مولوی صاحب کے دل میں کوئی بات آئی' ذرا سا سوچا اور پھر کہا چلئے آپ کی مرضی ہم بیس ہی پڑھا دیتے ہیں' وہ بڑے خوش ہوئے کہ مراد بر آئی- مولوی صاحب نے اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ لی اور پہلی دو رکعت میں ہی کم و بیش بیس منٹ صرف ہو گئے- وہ لوگ بیس منٹ میں بیس رکعت پڑھنے کے عادی تھے- جب بیس منٹ میں صرف دو رکعت کا سفر ہی طے ہوا تو پریشان ہوئے مگر برداشت کر گئے- مولوی صاحب نے اگلی دو رکعت کی نیت سے نماز شروع کی اور پھر بیس منٹ میں یہ دو رکعت بھی تمام ہوئیں' اور اب تک بہت سے بیس رکعتی مقتدیوں کا حوصلہ جواب دے چکا تھا- سلام پھیرتے ہی ایک صاحب نے آواز دی' مولوی صاحب! آپ نے جو آٹھ رکعت کا کہا تھا تو کیا آٹھ رکعت صحیح حدیث سے ہی ثابت ہیں؟ مولوی صاحب نے کہا چھوڑیئے صاحب ہم بیس رکعت ہی پڑھیں گے' آٹھ پڑھ کر آپ کے باپ دادوں کی روح کو کیوں تکلیف دی جائے-

اب تو دو' چار' پانچ آدمی اور بھی بولنے لگ گئے- کہ نہیں صاحب اگر آٹھ تراویح صحیح حدیث سے ثابت ہیں تو ہمارے بزرگ بھی تو اللہ اور اس کے رسولؐ کے عاشق تھے' انہیں بھلا حضور علیہ السلام کی حدیثوں پر عمل کرنے سے کیوں تکلیف ہو گی' آپ آٹھ ہی پڑھائیں اور پھر سارے لوگ آٹھ پر ہی راضی ہو گئے- اور اب جو سولہ رکعت ابھی باقی تھیں' پھر اگلی چار میں ہی پوری ہو گئیں-

انعامی چیلنج

ہمارے ہاں ایک دوسرے کے مقابلہ میں انعامی چیلنج بازی کا بڑا رواج ہے اگرچہ مجھے یہ انداز فکر کبھی پسند نہیں آیا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ حق ہمیشہ حق رہتا ہے خواہ کوئی اسے قبول کرے یا منہ بنائے بیٹھا رہے۔

مگر ایک مرحلہ پر مجھے بھی یہاں ایک جوابی انعامی چیلنج کی مجبوری پیدا ہو گئی۔ ہوا یوں کہ ہمارے شہر کے بریلوی المسلک لوگوں کی ایک مسجد کے خطیب نے اپنے حاضرین کے سامنے خطبہ جمعہ کے اندر یہ بانگی لگائی کہ تراویح صرف بیس ہی ہیں اس سے کم ثابت نہیں ہیں۔ اور اگر کوئی شخص آٹھ تراویح کا ثبوت پیش کر سکے تو میں اُسے پانچ صد روپے انعام دوں گا۔ شہر میں ان کی بات کا عام چرچا ہوا۔ پھر ان کے کچھ سر چڑھے اور منہ زور لوگ اہلحدیث کو راہ چلتے گھیرنے اور زچ کرنے لگے۔

پھر کچھ اپنے فریق کے نوجوان اور کچھ فریق ثانی سے تعلق رکھنے والے نوجوان حق کی طلب اور تجسس حال کی غرض سے میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ فلاں مولوی صاحب نے آٹھ تراویح کا ثبوت فراہم کرنے پر پانچ صد روپے کا انعامی چیلنج دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ تراویح صرف بیس ہی ہیں آٹھ نہیں ہیں' آپ اس کے جواب میں کیا کہتے ہیں؟ اگر آپ صحیح حدیث سے آٹھ تراویح ثابت کر سکیں تو پھر ہم ان سے بات چلاتے ہیں۔

میں نے کہا اہلحدیث کا یہ بڑا صاف ستھرا اور نہایا نکھرا مسلک ہے کہ تراویح آٹھ ہی ہیں۔ اس کے خلاف ہرگز کچھ ثابت نہیں ہے! کہنے لگے تو پھر بات کھل جانی چاہیے۔ ان کے انعامی چیلنج نے شہر میں بڑی شہرت حاصل کر لی ہے۔ میں نے کہا تو ٹھیک ہے کل جمعہ ہے اور میں خطبہ جمعہ کے اندر ہی سب لوگوں کے سامنے اُنہی مولوی صاحب کی زبان میں بات کروں گا۔ آپ بھی سب تشریف لے آئیں۔ پھر میں نے اگلے روز جمعہ کا خطبہ مسئلہ تراویح

کے لئے ہی خاص کر دیا اور ایک گھنٹہ تک مسلسل آٹھ تراویح والی روایات کی اصابت اور بیس والی روایات کے ضعف پر بھرپور دلائل پیش کیے۔

پھر مولوی صاحب کا قرضہ اتارتے ہوئے انہیں جوابی چیلنج دیا کہ مجھے مولوی صاحب کے انعام کی ضرورت نہیں' وہ یہ رقم اپنے کام میں لاویں' اور میرا انہیں چیلنج ہے کہ اگر وہ بیس تراویح کے حق میں کوئی ایک بھی صحیح مرفوع حدیث پیش کر سکیں تو میں انہیں بیس ہزار روپے انعام میں پیش کروں گا۔ اب وہ جب چاہیں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ میرے پاس تشریف لے آئیں یا مجھے وقت اور تاریخ سے مطلع فرماویں' میں انکی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔

اس جوابی چیلنج کا اہل شہر پر وہی اثر ہوا جو پانچ صد روپے کے مقابلہ میں بیس ہزار کی خطیر رقم کا ہو سکتا تھا۔

ساتھ ہی پورے اہلِ شہر کے دلوں اور دماغوں سے اُن کے چیلنج کی سیاہی دُھل گئی جس طرح تیز بارش میں برگ و بار سے گرد و غبار دُھل جاتا ہے۔ اب مولوی صاحب کے اپنے ہی نوجوان اُن کے گرد ہوئے کہ چلئے صاحب بیس ہزار روپے کی رقم مل رہی ہے' ایسے مواقع روز روز نہیں آتے۔ اس پر مولوی صاحب نے فرمایا' چھوڑو یار! بحثوں میں کیا پڑا ہے آٹھ بھی ٹھیک ہیں اور بیس بھی ٹھیک ہیں۔

مسجد نبویؐ

بات کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ہم وہاں چلتے ہیں جہاں سے بات چلی ہے۔ واضح رہے کہ اس بات میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں صرف ایک ہی برس تین رات تک اپنے اصحابؓ کو نماز تراویح پڑھائی ہے۔

ابوداؤد' ترمذی اور نسائی کی روایت کے بموجب جو حضرت ابوذر غفاریؓ سے وارد

ہوئی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ رمضان المبارک کا مہینہ آخر تک پہنچ رہا تھا مگر نبی ﷺ نے ہماری ساتھ قیام نہیں فرمایا لیکن جب صرف سات روز باقی رہ گئے تو آپؐ نے تیئسویں شب ہم کو نماز تراویح باجماعت پڑھائی اور تہائی رات تک قیام فرمایا۔

پچیسویں رات کو آپ نے پھر ہمیں یہ سعادت بخشی اور نصف شب تک قیام کیا۔

ستائیسویں شب آپؐ نے اپنے تمام افراد خانہ کو خواتین سمیت ہمراہ لے کر ہمیں نماز پڑھائی اور یہ قیام آپؐ نے اتنا طویل فرمایا کہ ہمیں خطرہ ہوا مبادا سحری کا وقت گذر جائے۔

پھر اگلی شب آپؐ اس نماز کے لئے باہر نہیں نکلے' اصحابؓ انتظار کرتے رہے مگر آپؐ صبح سے قبل نہیں نکلے۔صبح کو تشریف لائے تو فرمایا میں تمہاری بے چینی سے تو آگاہ تھا' مگر نماز کے لئے اس لئے نہیں نکلا کہ اس نماز کو باجماعت ادا کرنا کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے اور تم اس کو نبھا نہ سکو۔اس بات پر سارے ہی اہل سنت مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو تین شب یہ نماز پڑھا کر پھر ترک کر دی اور حکم دیا کہ تم اس نماز کو اپنی اپنی جگہ ادا کر لیا کرو۔

پھر اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ آپ کی زندگی کا اگلا سارا عرصہ اور حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت کا پورا دور یہ نماز یونہی الگ الگ ہی پڑھی جاتی رہی۔

اس نماز کو دوبارہ باجماعت ادا کرنے کا اہتمام پھر حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفہ دوم کے دور خلافت میں ہوا۔جب یہ بات صاف ہو چکی کہ اب نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ کا وہ خدشہ وجود نہیں پا سکتا کہ یہ نماز مسلمانوں پر فرض ہو جائے گی۔

روایت ہے کے بموجب ایک شب حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حسب معمول ہی الگ الگ نماز ادا کرتے دیکھ کر یہ بات پسند کی کہ بہت ہی اچھا ہو اگر ان سب کو ایک امام پر جمع کر دیا جائے۔

چنانچہ پھر آپ نے اپنی اس محبوب خواہش کو عملی جامہ پہناتے ہوئے فَجَمَعَهُمْ

عَلٰی اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ [1] انہیں اُبی بن کعب کی امامت میں جمع کر دیا۔

نبی ﷺ کی تین شب تک یہ نماز با جماعت پڑھانے' پھر ترک کر دینے اور دورِ صدیقی میں اسی حالت کے قائم رہنے اور بالآخر عہد فاروقی میں اس جماعت کے دوبارہ جاری ہونے تک کی واقعات پر اہلحدیث اور احناف میں کوئی اختلاف موجود نہیں ہے۔

اختلاف کی نوعیت

اختلاف کی نوعیت واقعات سے ہٹ کر دوسری ہے اور یہ اختلاف اُس وقت پیدا ہوا جب آگے چل کر کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی ادا کردہ رکعات تراویح میں عددی رُخ سے اپنی مرضی داخل کرنے کے اختلاف کی ایک راہ پیدا کر دی۔ کہا یہ گیا ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے جو تین شب تک اپنے اصحاب کو نماز تراویح پڑھائی تھی تو یہ بیس رکعت پر مشتمل تھی اور آپ کا اپنا معمول بھی بیس رکعت ادا کرنا ہی تھا۔ پھر آپ کے بعد آپؐ کے اصحابؓ کا بھی یہی معمول رہا ہے۔

کسی امر میں جھگڑے کا چل جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے' جھگڑے کی بنیاد کوئی غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی اور کبھی اس کی وجہ نیت کی خرابی بھی ہوتی ہے۔

اوّل الذکر دونوں صورتوں میں جھگڑے کا حل بالکل ممکن ہے۔ لیکن اگر کسی جھگڑے اور اختلاف کا سبب آخر الذکر صورت ہو' تو ظاہر ہے اس سے مقصود کسی اصلیت کا پانا نہیں ہوتا بلکہ یہ اختلاف کسی ذاتی غرض اور اپنے مفاد سے ہوتا ہے اور اس کا کوئی حل نہیں ہے۔

جو لوگ آج بھی فی الواقع ہی اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول بیس رکعت تراویح ہی تھیں' پھر اگر وہ اپنے اس عقیدے کے حق ہونے میں مخلص

---

[1] بخاری باب فضل من قام رمضان

ہیں، ضدی اور متعصب نہیں ہیں تو ہمیں ان کا بہ دل و جان احترام ہے۔ جبکہ اہلحدیث کا مسلک یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ہمیشہ آٹھ رکعت ہی پڑھائی تھیں۔ تو اگر یہ اختلاف نیک نیتی سے ہے اور اس کے پیچھے کوئی اپنی غرض، اپنا مفاد اور کوئی عصبیتِ جاہلیہ نہیں ہے تو اس کا فیصلہ نہایت آسان ہے۔

آیئے دونوں قسم کی روایات سامنے رکھ لیتے ہیں اور پھر ان کی صحت اور ان کا ضعف و قوت معلوم کرتے ہیں۔ اگر صحیح روایات وہ ثابت ہوں جن میں رسول اللہ ﷺ کے آٹھ رکعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے تو ہم سب پر ہی حضورؐ کے ارشاد کی تعمیل لازم ہے؟ کیونکہ بات تو نبی ﷺ کی ہی مانی جائے گی کیونکہ شارع وہی ہیں۔

اور اگر صحت ان روایات کی دامن کی دولت ہو جن میں بیس رکعت کا ذکر ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ بیس رکعت کو اختیار نہ کر لیا جائے۔

فیصلہ تو بڑا آسان ہے، مگر جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس غرض سے نیت کا نیک، صالح اور صاف ہونا ضروری ہے۔ آدمی بے جا ضد سے دُور اور گروہی تعصب سے نفور ہو تو کوئی مرحلہ مشکل نہیں رہتا۔

مشکلے نیست کہ آسان نشود
مرد باید کہ ہراساں نشود

مسئلہ کی صحیح صورت

جھگڑے اور ضد کی بات الگ ہے، ورنہ اس میں جھگڑے والی کوئی بات نہیں ہے۔ حدیث پاک نے اس مسئلہ کو بڑی خوبی سے صاف کر رکھا ہے کوئی سننے پر آمادہ نہ ہو، تو اس کا کسی کے پاس کیا علاج ہے۔ بات چلانے سے پہلے یہاں ہم بخاری شریف کی ایک حدیث از اول تا آخر من و عن اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کئے دیتے ہیں جو تراویح کے مسئلہ میں

قول فیصل کا حکم رکھتی ہے :

حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهُ ابْنِ یُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِکُ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ سَعِیْدِ الْمَقْبُرِیِّ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَأَلَ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا کَیْفَ کَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ ؟

فَقَالَتْ مَاکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِہٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشَرَةَ رَکْعَةً - اھ

ترجمہ : امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن یوسف نے بتایا کہ مالک نے انہیں سعید بن ابی سعید کی زبان سے ابو سلمہ بن عبدالرحمن کہ یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رمضان المبارک کی راتوں میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کیسی ہوا کرتی تھی ؟

اس کے جواب میں حضرت عائشہ نے فرمایا- رمضان ہو یا کوئی دوسرا مہینہ' آپ کی رات کی نماز ہمیشہ گیارہ رکعت ہی ہوتی تھی (اس سے زیادہ کبھی نہیں ہوئی- ان گیارہ رکعت میں آٹھ رکعت تراویح اور تین وتر' جیسا کہ دوسری روایات میں اس کی تفصیل موجود ہے)

بات میں بحث کی گنجائش تو کوئی نہیں تھی مگر تعجب ہے کہ احناف بزرگوں نے یہاں بھی بحث کا میدان پیدا کر دیا ہے- بڑی ہی سیدھی بات ہے کہ کسی مسلمان نے جب

۱- بخاری شریف شائع کردہ سعید اینڈ سنز قرآن منزل کراچی جلد اول صفحہ ۴۵۰ حدیث نمبر ۱۰۷۶ باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیرہ

رمضان المبارک کے فضائل اور اس کی برکات و حسنات کا ذکر سنا تو اسے خیال گذرا کہ رسول اللہ ﷺ اس مبارک مہینے میں ضرور ہی اپنے معمول (یعنی تہجد کی نماز) سے زیادہ عبادت کرتے ہوں گے اور اس نے اپنا شبہ نکالنے کے لئے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رابطہ پیدا کیا اور مسئلہ صاف کر لیا پھر بات اسی پر ختم ہو گئی۔

تراویح یا قیام اللیل کے سلسلے میں بعض روایات میں آٹھ سے کم رکعات بھی وارد ہوئی ہیں، مگر آٹھ سے زیادہ رکعت کی بات کہیں وارد نہیں ہوئی۔ بخاری شریف میں ہی حضرت عروہؓ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں :

كَانَ يُصَلِّي اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً [1]

کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز گیارہ رکعت ادا کرتے تھے۔

حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا :

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ [2]

کہ نبی ﷺ رات کو تیرہ رکعت ادا کرتے تھے۔ ان میں آٹھ نفل تین وتر اور دو رکعت سنت فجر ہوتی تھیں۔

ایک توجہ طلب حقیقت

یہ تین روایات جو ہم نے بخاری شریف سے پیش کی ہیں ان سب کا تعلق رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز سے ہی ہے۔

---

[1] بخاری باب طول السجده فی قیام اللیل [2] بخاری باب کیف کان صلوٰۃ النبی و کم کان النبی ﷺ یصلی من اللیل۔

مطلب یہ ہے کہ آپ کا معمول تو رات کو گیارہ رکعت (آٹھ نفل تین وتر) کا ہی تھا۔ اگرچہ کبھی بوجوہ اس سے کم رکعت پر بھی کفایت کر لیتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف کے مطابق ہی کبھی کبھی آپ کی رات کی نماز سات رکعت (چار نفل تین وتر) کبھی نو رکعت (یعنی چھ نفل اور تین وتر یا آٹھ رکعت اور ایک وتر) پر مشتمل ہوتی تھی اور ہو سکتا ہے کہ ایسی صورتیں آپؐ علالت کے باعث اختیار کرتے ہوں۔

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ قیام اللیل یا تہجد کے بطور آٹھ رکعت و نوافل سے کم تو کر لیتے تھے مگر یہ نفل آٹھ سے زیادہ کبھی ادا نہیں کئے اور یہی مطلب ہے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس حدیث کا کہ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَ رَكْعَةً کہ رمضان کا مہینہ ہو یا کوئی دوسرا رات کی نماز آپؐ نے گیارہ رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی۔

قیام اللّیل کیا ہے؟

صورت یہ تھی کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو نبی ﷺ اپنی پچھلی رات کی نماز یعنی نماز تہجد کو جسے قیام اللّیل بھی کہا گیا ہے عشاء کی نماز کے ساتھ ملا دیتے تھے۔

رمضان المبارک کے علاوہ آپ کا قیام اللّیل تہجد کہلاتا ہے اور یہی قیام اللّیل رمضان المبارک میں جب نماز عشاء سے ملا دیا گیا تو اس نے نماز تراویح کا نام پایا۔ آپ نے یہ صورت اس لئے اختیار فرمائی کہ امت پر بوجھ نہ ہو اور عام لوگ بھی با آسانی قیام اللّیل کا ثواب حاصل کر سکیں۔ اور ظاہر ہے کہ اگر قیام اللّیل کو پچھلی رات سے ہی خاص رہنے دیا جاتا تو بے شمار لوگ قیام اللّیل کے ثواب سے محروم رہ جاتے۔ رات کو اُٹھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ جبکہ رات کو اٹھنے کی شدت کو خود قرآن پاک نے بھی اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً کے الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قیام اللّیل اور نماز تراویح ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ یہی قیام اللّیل جب رمضان المبارک میں واقع ہو تو اس کو تراویح کہتے ہیں اور یہی جب رمضان المبارک کے علاوہ دوسرے گیارہ مہینوں سے وابستہ ہو تو اس کا نام قیام اللّیل یا نماز تہجد ہے۔

کچھ مزید روایات

اگرچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی سطح پر نہ سہی لیکن آٹھ تراویح کے حق ہونے کی روایات کا ایک انبار موجود ہے اور بطور مثال یہ تین روایات پیشِ خدمت ہیں:

☆ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ اِنَّهُ قَامَ بِهِمْ فِيْ رَمَضَانَ فَصَلّٰى ثَمَانَ رَكْعَاتٍ وَ اَوْتَرَ[1] کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں ان کے ساتھ قیام کیا اور آٹھ رکعت ادا کیں اور پھر وتر پڑھے۔

☆ حضرت جابرؓ ہی سے روایت ہے کہ: صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَكْعَاتٍ ثُمَّ اَوْتَرَ[2] کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ساتھ لے کر رمضان میں آٹھ رکعت ادا کیں اور پھر وتر پڑھے۔

☆ اَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اُبَیَّ ابْنَ كَعْبٍ وَ تَمِيْمًا الدَّارِیَّ اَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً[3] کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت اُبی بن کعب اور حضرت تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو (بطور تراویح) گیارہ رکعت پڑھائیں۔

۱۔ ابن حبان ۲۔ ابن خزیمہ ۳۔ موطا امام مالکؒ باب ماجآء فی رمضان

حنفی اہلِ علم اکابر

اگر کوئی شخص انصاف اور دیانت داری سے تجسس کر سکے تو وہ اس بات کو بآسانی اور بخوبی پا سکتا ہے کہ اہلحدیث سے رکعت تراویح کی تعداد کا قضیہ عموماً کاروباری لوگوں کا ہی شغل ہے جو عوام کو اپنی غرض سے گمراہ کر کے اپنے پیٹ کے دھندے کے بطور اس مہم کو جاری کئے ہوئے ہیں' ورنہ اکابر احناف بزرگ جن سے حنفیت دراصل عبارت ہے وہ اس باب میں نہ صرف اہلحدیث کے حریف نہیں بلکہ وہ اہلحدیث کے ساتھ ہموار ہیں۔ ہم یہاں ایسے ہی چند حنفی بزرگوں کا ذکر کریں گے۔

حضرت ابنِ ہمامؒ

عظیم حنفی بزرگ ہیں حنفی مسلک کی سب سے بڑھ کر بنیادی فقہ کی کتاب ہدایہ کے شارح ہیں۔ ان کی یہ شرح فتح القدیر کے نام سے بہت مشہور ہے اور احناف کے اندر بہت اہمیت کی حامل ہے۔ وہ اپنی اسی فتح القدیر میں رقمطراز ہیں:

أَنَّ قِيَامَ رَمَضَانَ سُنَّةٌ إِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ فِي جَمَاعَةٍ فَعَلَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَتَرَكَ بِعُذْرٍ ؎۱

رمضان المبارک میں تراویح کی نماز دراصل گیارہ رکعت (۸ تراویح ۳ وتر) پر ہی مشتمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح یہ نماز با جماعت پڑھائی ہے۔ پھر اس عذر سے (یہ جماعت کے ساتھ فرض نہ ہو جائے) ترک کر دی۔

---

۱ ـ فتح القدیر مع کفایہ جلد ۱ صفحہ ٤٠٧

تاہم حضرت ابن ہمامؒ نے بھی اپنی حنفیت کی رعایت سے رسول اللہ ﷺ کی سنت آٹھ رکعت تراویح کو تسلیم کرنے کے باوجود بیس تراویح کو سنت خلفاء قرار دیا ہے' جبکہ یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ سنت خلفاء تو تب ہوتی اگر حضرت عمرؓ نے بیس تراویح پڑھانے کا حکم دیا ہوتا یا کسی صحیح روایت سے کسی دوسرے خلیفہ سے بیس رکعت ادا کرنا ثابت ہوتا۔ لیکن جب ایسی کوئی بات نہیں ہے اور صحیح روایت سے حضرت عمرؓ کا آٹھ تراویح پڑھانے کا حکم ہی وارد ہوا ہے تو بیس تراویح کو سنت خلفاء قرار دینا ہرگز صحیح نہیں

ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بعض لوگوں کے اپنے آپ بیس رکعت پڑھنے کی تاویل علامہ طحطاویؒ نے یہ کی ہے کہ ان میں تراویح کی آٹھ ہی رکعتیں ہیں باقی بارہ رکعت مستحب قرار دیکر پڑھی جاتی تھیں۔ امام ابن ہمامؒ اس تاویل کو تسلیم نہیں کرتے۔ مگر ہمیں اس سے بحث نہیں کیونکہ یہ احناف کا اپنے گھر کا معاملہ ہے' دونوں بزرگ حنفی ہیں جو چاہیں رائے رکھیں۔ ہمارا مطلب ثابت ہے کہ تراویح کی رکعت آٹھ ہی ہوتی تھیں۔

علامہ بدر دین عینی حنفیؒ

حضرت علامہ بدر دین عینی حنفیؒ اہل علم میں بڑا بلند مقام رکھتے ہیں' وہ بڑے متشدد حنفی ہیں اور اپنے مذہب کے خلاف کوئی لچک نہیں رکھتے' مگر صحیح حدیث کو تسلیم کیے بغیر انہیں بھی چارہ نہیں رہا۔ وہ حدیث عائشہؓ کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں :

نماز تراویح بلا شبہ اصل میں آٹھ رکعت اور تین وتر پر ہی مشتمل ہے اور یہی صحیح ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے وارد ہونے والی حدیث سے ظاہر ہے [1]

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری از علامہ بدر دین عینی

ردالمختار (شامی)

در مختار فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہے اس کی شرح ردالمختار کے نام سے احناف میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ شارح در مختار تحریر کرتے ہیں:

وذکر فی الفتح ان مقتضی الدلیل کون المسنون منھا ثمانیة والباقی مستحبا۔ (ردالمختار جلد ۲ صفحہ ۳۸)

یعنی فتح میں ذکر کیا گیا ہے کہ دلیل کے اعتبار سے تراویح آٹھ رکعت ہی مسنون ہے اور باقی مستحب۔

حضرت مُلّا علی قاریؒ

حضرت مُلّا علی قاری ماضی قریب کے آئمہ احناف میں سرخیل کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور جیسا کہ ہم کئی بار بتا چکے ہیں کہ انہوں نے مشکوٰۃ شریف کی شرح مرقاۃ کے نام سے بڑی مبسوط کتاب لکھی ہے، فرماتے ہیں:

ان التراویح فی الاصل احدی عشرة بالوتر فی جماعة فعله صلی اللّٰه علیه وسلم ثمه ترکه لعذر۔ [1]

یہ تقریباً وہی الفاظ ہیں جو ہم اوپر حضرت ابن ہمامؒ سے نقل کر آئے ہیں کہ تراویح کی نماز دراصل آٹھ رکعت اور تین وتر پر مشتمل ہے جو حضور علیہ السلام نے جماعت کے ساتھ اپنے اصحاب کو پڑھائی ہے۔ پھر (فرض ہو جانے کے خوف سے) جماعت سے پڑھانا ترک کر دی۔

---

۱ ۔ مرقاۃ مصنفہ ملا علی قاری

حضرت مولانا عبدالحق دہلویؒ مرحوم

حضرت موصوف بھی احناف کے اندر علمی اعتبار سے بہت بلند مقام رکھتے ہیں اور اپنے مسلک کے ہاں سند سمجھے جاتے ہیں ان کا ارشاد ہے:

وَالصَّحِيحُ مَاوَرَدَتهُ عَآئِشَةَ أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى إِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً كما هو عَادَتُهُ فِيْ قِيَامِ اللَّيْلِ ا؎

کہ صحیح بات وہی ہے جو امّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے وارد ہو چکی ہے کہ نبی ﷺ (ماہ رمضان ہو یا کوئی دوسرا مہینہ) نماز تراویح ہو یا تہجد ہمیشہ گیارہ رکعتیں ہی ادا کیا کرتے تھے۔ اور یہی قیام اللیل کے بطور رمضان اور غیر رمضان میں آپ کا معمول تھا۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا عبدالحئی لکھنویؒ

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اپنی مشہور کتاب حق الصریح ۲؎ میں اور حضرت مولانا عبدالحئی لکھنویؒ اپنی مشہور اور مقبول کتاب تعلیق المجد شرح موطا امام محمد ۳؎ میں تحریر کرتے ہیں کہ آٹھ رکعت تراویح پر مشتمل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے وارد ہونے والی حدیث نہایت صحیح ہے۔

۱؎ ماثبت بالسنته صفحه ۲۱۷ ۲؎ حق الصريح صفحه ۲۲ ۳؎ تعليق الممجد صفحه ۸٤۲

دوسرے آئمہ دین

حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ

احناف اہل علم کے علاوہ دوسروں کے ہاں بھی صورتِ حال یہی ہے چنانچہ حضرت امام سیوطیؒ اپنے رسالہ "التراویح"[1] میں امام جوزیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم (شوافع) کے ہاں اور امام مالکؒ کے ہاں بھی تراویح کے سلسلہ میں جس قول پر اتفاق ہے وہ وہی ہے جس پر حضرت عمرؓ نے اپنے عہد حکومت میں لوگوں کو جمع کر دیا تھا اور یہ قول اور طریقہ ہمیں بہت محبوب ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی نماز تراویح بھی گیارہ رکعت (آٹھ تراویح تین وتر) پر ہی مشتمل ہوتی تھیں۔

ایک سوال پر انہوں نے فرمایا کہ جو تیرہ رکعت کا ذکر آتا ہے تو اس میں بھی تراویح آٹھ ہی ہوتی تھیں اور باقی پانچ رکعت وتر تھے۔[2]

وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ سے سوال کیا گیا کہ یہ بیس رکعت کس نے نکالی ہیں' اور کہاں سے نکالی گئی ہیں' انہوں نے جواب دیا اس کا مجھے بھی علم نہیں ہے۔

ایک بے بنیاد عذر

آٹھ رکعت نماز تراویح کے حق میں از اوّل تا آخر دلائل کا انبار موجود ہونے کے باوجود اور خود حنفی اہل علم بزرگوں کے اعتراف کے باوجود محض جھگڑا کرنے والے لوگ جو اس جھگڑے کو اپنے پیٹ کی مصلحت سے جاری رکھنا چاہتے ہیں اور جس بات کو ان کے بزرگوں نے بھی ختم کر دیا تھا' وہ اسے ختم کرنے پر آمادہ نہیں' کیونکہ یہ امر ان کی دنیوی حیات کی مصلحتوں کے خلاف ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ ساری روایات نماز تہجد کے بارے میں

۱۔ التراویح للسیوطی ۲۔ حضرت عائشۃ سے وارد ہوا ہے کہ ان تیرہ میں آٹھ نفل (تراویح) تین وتر اور دو رکعت نماز فجر کی پہلی دو سنتیں شامل ہیں (بخاری)

ہیں اور ہمارے بزرگ جو آٹھ رکعت پر صاد کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد بھی تہجد کی آٹھ رکعت ہی ہوتی ہے۔

یہ عذر اس لئے بھی مردود ہے کہ اگر ایسا ہی تھا تو آٹھ کو الگ رکھ کر باقی بارہ کو مستحب بنا لینے کی کیا ضرورت تھی' اور پھر عائشہ صدیقہؓ کے قول کی تصدیق کی کیوں حاجت پڑی جبکہ عائشہؓ کی وہ حدیث سائل کے اس سوال کے جواب میں ہی ہے کہ حضورؐ کی رات کی نماز رمضان المبارک میں کیسی تھی۔ سوال سے ظاہر ہے کہ سائل کو اس بات کا علم تھا کہ حضورؐ رات کو معمول کے مطابق ہی نماز ادا کیا کرتے ہیں مگر سائل نے خیال کیا کہ رمضان المبارک کی برکات سے زیادہ سے زیادہ حصہ حاصل کرنے کی لئے شاید حضورؐ اس مہینے کچھ زیادہ محنت کرتے ہوں گے اور معمول کے خلاف مزید بھی کچھ رکعتیں پڑھتے ہوں گی جس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے یہ فرما کر اس کی تسلی کر دی کہ رمضان کی برکات سے تو انکار نہیں مگر حضورؐ نے اپنی رات کی نماز رمضان میں بھی وہی رکھی تھی جو وہ دوسرے مہینوں کی راتوں میں ادا کیا کرتے تھے۔ پھر یہ سوال حضرت امام بخاری بھی رمضان المبارک کے قیام اللیل کے زیر عنوان ہی لائے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ سوال حضورؐ کی عام عبادت کے علاوہ کسی دوسری عبادت کے تجسس میں ہی تھا' جس کا جواب سائل کو مل گیا۔

اس کے باوجود جھگڑالو قسم کے حنفی بزرگ یہی کہتے چلے جا رہے ہیں کہ نہیں صاحب حضور رمضان کی راتوں میں تراویح الگ پڑھتے تھے اور تہجد الگ ہم اس پر بحث کرنے کے بجائے خود احناف کے گھر سے ہی اس کا جواب عرض کرتے ہیں۔

حضرت سید انور شاہ صاحب کشمیری جو اپنے دور کے آئمہ احناف میں شمار ہوتے ہیں ارشاد فرماتے ہیں:

لَا مَنَاصَ فِیْ تَسْلِیْمِہٖ اَنَّ تَرَاوِیْحَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَتْ ثَمَانِیَةَ رَکْعَاتٍ وَلَمْ یَثْبُتْ فِیْ رِوَایَہ مِنَ

الرِّوَايَاتِ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى التَّرَاوِيْحَ وَالتَّهَجُّدَ عَلٰيحِدَةً فِیْ رَمَضَانَ ا ؎

کہ اس بات کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ نبی ﷺ کی نماز تراویح آٹھ ہی رکعت پر مشتمل تھی' کیونکہ یہ بات کسی بھی روایت سے ثابت نہیں ہو سکی ہے کہ حضور علیہ السلام نے رمضان کی راتوں میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھی ہوں۔

مخالف دلائل

بیس تراویح کے حق میں احناف کے حلقوں کی طرف سے جو باتیں دلائل کے نام سے کہی جاتی ہیں ان کی قیمت تو اس لئے بھی کوئی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اور بعد کے اہل علم آئمہ اور خود احناف کے وہ بزرگ بھی جو ان کے ہاں سند کی حیثیت رکھتے ہیں سب کو تسلیم ہے کہ تراویح اصل میں آٹھ رکعت ہی ہیں باقی سب کچھ زائد ہے۔ اور بعد کے لوگوں کی تخلیق ہے' مگر اس کے باوجود بھی چند روایات بار بار سامنے لائی جاتی ہیں' آیئے ایک نگاہ اُن پر بھی ڈالتے جائیں۔

پہلی روایت

ابن ابی شیبہ' بیہقی اور طبرانی کی ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ رمضان المبارک میں وتروں کے علاوہ بیس رکعت ادا کرتے تھے۔

اس کا جواب ہم اپنی طرف سے نہیں دیتے بلکہ ہم اس مقصد کے لئے ایک حنفی بزرگ اور احناف کے امام حضرت ابن ہمامؒ کو ہی تکلیف دیتے ہیں۔

ا؎ العرف الشذی صفحہ ۲۴۰

۱- حضرت ابن ہمامؒ کا ارشاد ہے کہ یہ روایت اپنے ایک راوی ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان کے دخل کی وجہ سے سخت ضعیف اور ناقابل حجت ہے اور یہ اس لئے بھی بنائے استدلال نہیں بن سکتی کہ یہ عائشہ صدیقہؓ کی اس حدیث کے معارض ہے جس میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان ہو یا کوئی دوسرا مہینہ رات کو نماز صرف گیارہ رکعت ہی ادا کرتے تھے ۱-

۲- امام شوکانی نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے ۲-

۳- حنفی بزرگ حضرت بدر دین عینی نے بھی اس راوی کو بغوی کے حوالہ سے کاذب قرار دیا ہے- ۳-

۴- ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان سخت ضعیف راوی ہے (امام بخاری' امام نسائی' امام احمد اور ابن معین)

۵- ابی شیبہ منکر الحدیث ہے (تہذیب الکمال)

۶- یہ راوی منکر الحدیث ہے (ابوداؤد' ابوحاتم' امام ترمذی' ابن عدی)

۷- یہ راوی کاذب ہے (میزان الاعتدال علامہ ذہبی)

۸- شعبہ نے اس راوی سے روایت قبول کرنے سے منع کیا ہے-

دوسری روایت

یزید بن رومان کہتے ہیں کہ لوگ عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں بشمول تین وتر تئیس رکعت ادا کرتے تھے- (۱- موطا امام مالک مترجم جلد ۱ صفحہ ۱۳۹)

۱- یہ روایت اس لئے قابل حجت نہیں ہے کہ اس کے راوی یزید بن رومان نے حضرت عمر بن الخطابؓ کا زمانہ ہی نہیں پایا' یہ ان کے عہد کے بعد کی پیداوار ہے- عمرؓ کے زمانہ

۱- فتح القدیر ابن الہمام مع کفایہ جلد ۱ صفحہ ۴۰۷ ۲- نیل الاوطار شوکانی ۳- عمدہ القاری شرح صحیح بخاری عینی

کے بہت سے لوگ موجود تھے اور ظاہر ہے وہ بیس رکعت ادا بھی کیا کرتے ہوں گے' ان میں سے کوئی شخص ایسی کوئی روایت سامنے نہیں لایا۔

۲۔ محلی ا۔ شرح موطا میں ہے کہ یہ روایت موقوف ہے بلکہ صاحب محلی لکھتے ہیں کہ اس باب میں کوئی ایک روایت بھی مرفوع نہیں ہے بلکہ یہ سب کی سب ہی موقوف ہیں جو لائق حجت نہیں۔

۳۔ یہ روایت موقوف ہے اور نا قابلِ حجت ہے (امام نووی شارح صحیح مسلم۔ امام ترمذی)

۴۔ اس روایت کو مسترد کر دینے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کے اس حکم کے معارض ہے جو آپ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو دیا تھا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت نماز پڑھاؤ۔

۵۔ یہ بات عقلاً بھی قابل فہم نہیں کہ عمرؓ ایک حکم جاری کریں اور ان کے حکم کے خلاف لوگ اپنی مرضی کرنے لگیں۔

۶۔ سائب بن یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تیرہ رکعت ہی نماز تراویح پڑھا کرتے تھے۔ ۲۔ دوسری روایت میں بزمانہ عمرؓ گیارہ رکعت ادا کرنے کا ذکر ہے ۲۔
ایسی ہی کچھ اور بھی ضعیف' نالائق اور بے بنیاد روایات پیش کی گئی ہیں۔ قارئین ان کو بھی انہی دو پر قیاس فرما لیں۔

موطا امام مالک عمدة القاری شرح صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۲۵۷ ۲۔ قیام اللیل مروزی صفحہ ۹۱

جمعہ

اور

ظُہر احتیاطی

جمعہ اور ظہر احتیاطی

جمعہ اور ظہر احتیاطی بظاہر دو مسئلے ہیں۔ مگر ہم ان دونوں کو ایک ہی عنوان سے اس لئے ذکر کر رہے ہیں کہ یہ دونوں بڑی حد تک ایک دوسرے سے گہری وابستگی کے حامل ہیں۔

ظہر احتیاطی کی تخلیق ہی چونکہ جمعہ کی ایک خاص حالت سے وابستہ ہے اس لئے غیر مناسب نہیں ہوگا اگر ان دونوں کا ذکر ایک ہی عنوان کے تحت آ جائے۔

جمعہ ایک فرض امر ہے۔ قرآن پاک نے اس نماز کو اس درجہ عظیم اہمیت دی ہے کہ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے اذان سنتے ہی سارے کام کاج وہیں چھوڑ کر اٹھ دوڑنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا ہے : فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ (سورہ جمعہ) کہ اس نماز کے لئے بس اٹھ ہی دوڑو۔ اور فرمایا: وَذَرُوا الْبَیْعَ پھر سب قسم کا لین دین اور خرید و فروخت ختم کر دو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کی اذان ہو چکے تو آپ پر ہر قسم کا کاروبار حرام ہو جاتا ہے' جبکہ دوسری نمازوں کے لئے اتنی شدت اختیار نہیں کی گئی۔

حدیثِ رسول علیہ السلام کے بموجب بھی عورت' غلام' بچہ اور بیمار کو چھوڑ کر اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فِیْ جَمَاعَةٍ (ابوداؤد مع عون المعبود جلد ا صفحہ ۴۱۲) جمعہ کی با جماعت نماز ہر مسلمان (مرد) پر لازم اور واجب ہے۔

مگر عجیب بات ہے کہ ہمارے حنفی بھائیوں نے اس فرض واجب نماز میں بھی سخت گڑ بڑ کر دی ہے اور اس کو ایسی ایسی سخت شرطوں سے مشروط کر دیا ہے کہ کوئی قسمت سے ہی جمعہ ادا کر سکے۔

قرآن پاک نے تمام اہل ایمان مردوں کے لئے بغیر کسی شرط کے

اور بلا قید شہری و دیہاتی جمعہ کی نماز واجب قرار دی ہے اور حدیث پاک میں بھی ٹھیک یہی کچھ وارد ہوا ہے۔

جمعہ کی فرضیت کا یہ حکم ایک مطلق حکم ہے۔ جس میں نہ کوئی شرط بیان کی گئی ہے نہ کوئی قید رکھی گئی ہے بلکہ یہ حکم عام ہے اور سارے ہی بالغ مسلمان مردوں کو موثر ہے مگر فقہ حنفی کا کہنا ہے کہ :

> جمعہ دیہات کا مسئلہ نہیں ہے' یہ نماز کسی گاؤں میں نہیں پڑھی جا سکتی' بلکہ جمعہ کی نماز صرف شہر میں ہی پڑھی جائے گی اور شہروں میں بھی یہ نماز کسی ایسے شہر میں ہی ادا کی جا سکتی ہے جہاں عدالت لگتی ہو' حاکم اور قاضی موجود ہو' احکامِ شرعی کا نفاذ اور حدود قائم کی جاتی ہوں۔ جس شہر میں یہ شرائط موجود نہیں ہوں گی وہاں کے لوگ جمعہ تو کیا نماز عید الفطر اور نماز عید الاضحیٰ سے بھی محروم رہیں گے' کیونکہ یہ دونوں نمازیں بھی ایسے ہی شہروں اور ان کے مضافات (عید گاہ وغیرہ) میں ادا کی جا سکتی ہیں جن میں جمعہ ادا کیا جا سکے [1]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس شہر میں حاکم اور قاضی موجود نہیں ہو گا' جہاں احکامِ شرعی نافذ نہیں ہوتے ہوں گے' جہاں حدود قائم نہیں کی جاتی ہوں گی یعنی جہاں شرابی کو کوڑے نہیں لگائے جاتے ہوں گے' جہاں چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جاتے ہوں گے۔ جہاں غیر شادی شدہ زانیوں کے سو سو کوڑے نہیں مارے جاتے ہوں گے' جہاں شادی شدہ زانی سنگسار نہیں کیے جاتے ہوں گے' وہاں کے مسلمان جمعہ' عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازوں سے ہمیشہ محروم رہیں گے۔

---

[1] - ہدایہ باب الجمعہ

ہدایہ شریف کے مصنف نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں حدیث کی ایک روایت پیش کی ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کی نماز' عید الفطر کی نماز اور عید الضحیٰ کی نماز سوائے شہر کے کسی دوسری جگہ جائز نہیں ہے۔ (باب الجمعہ)

اور حضرت مصنف ہدایہ نے اتنے بڑے دعوے کی بنیاد ایک ایسی روایت پر رکھی ہے جس کے بارے میں شارح صحیح مسلم حضرت امام نووی لکھتے ہیں کہ اس روایت کے ضعف پر تمام محدثین کا اتفاق ہے (اور یہ لائق حجت نہیں ہے)

حضرت امام بیہقی تحریر کرتے ہیں کہ:

جمعہ کے باب میں اس قسم کی کوئی روایت بھی صحت کے درجہ کو نہیں پہنچتی۔

حضرت عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ زیلعیؒ نے اس روایت کو ضعیف بیان کیا ہے۔

تخریجات ہدایہ میں ہے کہ اس روایت کے ضعف پر اتفاق واقع ہوا ہے۔

مثبت پہلو

فقہ حنفیہ نے مسئلہ کو جس طرح بیان کیا ہے یہ ایک منفی کوشش ہے جبکہ اس مسئلہ کا عظیم مثبت پہلو روایات میں بڑی باقاعدگی سے اور بکثرت موجود ہے۔

روایات کے بموجب حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطابؓ خلیفہ دوم اور حضرت عثمان بن عفانؓ خلیفہ سوم کے بابرکت ادوار میں مصر اور اس کے مضافات کے وہ لوگ جو دریا کے کنارے پر بستے تھے احکام خلافت کے ماتحت جہاں جہاں وہ

مقیم تھے وہ جمعہ ادا کیا کرتے تھے۔ -۱-

مکہ اور مدینہ کے درمیان دیہی بستیوں کے لوگ اپنے اپنے پانی کے جوہڑوں اور آبی ذخیروں پر جمعہ ادا کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کو اس حال میں پایا مگر انھیں منع نہیں کیا۔ -۲-

حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفہ رسولؐ نے بحرین کے لوگوں کو لکھا کہ تم جہاں کہیں بھی بستے ہو وہیں جمعہ ادا کر لیا کرو۔ -۳-

اہلحدیث کا عقیدہ

کتاب و سنت اور آثار صحابہؓ سے جمعہ کی ادائیگی کے بارے میں جو کچھ وارد ہوا ہے اہلحدیث کا عقیدہ ٹھیک اس کے مطابق ہے کہ جمع بھی دوسری نمازوں کی جماعت کے اصول پر ہی پڑھا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق دو آدمی جماعت کے حکم میں ہیں۔ پس جس طرح دو آدمی دوسری نمازوں میں باجماعت نماز ادا کر کے جماعت کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں' ٹھیک ایسے ہی دو آدمی ہوں اور یا دو سے اوپر انہیں جہاں موقع ملے جمعہ بھی ادا کر سکتے ہیں جس کا یہ واضح نتیجہ ہے کہ ملک کے اندر کوئی دو مسلمان جمعہ کے ثمرات اور اس کی ادائیگی سے محروم نہیں رہ سکتے' جبکہ احناف اگر اپنی فقہ پر چلیں تو جمعہ سے محرومی کی بے نصیبی ان کے بخت کی تحریر بن کر ان پر مسلط رہتی ہے۔

حنفی فقہ کی ناکامی

• جمعہ کی ادائیگی میں درپیش فقہی شرائط اتنی مہمل' بے جواز' غیر منطقی اور ناقابل عمل ہیں کہ خود حنفی لوگ بھی تقلید کے زنجیر بستہ ہونے کے باوجود ان کو ملحوظ نہیں رکھ سکتے اور انھوں نے ان تمام شرائط کو عملاً مسترد کر دیا ہے۔

۱۔ بیہقی ۲۔ عبدالرزاق ۳۔ ابن شیبہ

دیہات میں جمعہ کی ادائیگی کا عدم جواز شہر میں بھی قاضی اور حاکم کی موجودگی احکامِ شرعی کے نفاذ اور حدود کے اجراء کی شرائط کا منصوبہ بس فقہ کی کتابوں میں ہی رہ گیا ہے' خارج میں وہ اپنا وجود ختم کر چکا ہے۔

آج کوئی چھوٹے سے چھوٹا گاؤں بھی آپ کو ایسا نہیں ملے گا جس میں حنفی موجود ہوں اور کوئی شخص جمعہ پڑھانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو تو وہاں جمعہ کا اجتماع منعقد نہ ہوتا ہو۔

قصبات کی سطح تک ایک ایک قصبہ میں متعدد حنفی مساجد موجود ہیں اور وہ سب کی سب جامع مساجد ہی ہیں ہم بڑے شہر کی بات نہیں کرتے جہاں ایک ایک شہر کے اندر احناف کی صدہا مساجد ہیں اور ہر مسجد میں جمعہ ادا کیا جاتا ہے جبکہ وہاں بھی کسی ایک آدھ شرط کے سوا حنفی فقہ کی عائد کردہ شرائط میں سے اکثر ہی موجود نہیں ہوتیں۔

اس طرح یہ مسئلہ خود احناف کے ہاتھوں ہی خارج میں تو موت کی نیند سو چکا ہے اور اب صرف کتابوں کے اندر ہی عجائب گھر کی کسی نایاب یادگار یا آثارِ قدیمہ کی کسی نادر دریافت کے بطور محفوظ ہے۔

ظہر احتیاطی

حنفی عوام و خواص کی طرف سے جمعہ کی شرائط کو مسترد کر دینے سے ظہر احتیاطی خود ہی ختم ہو جاتی ہے مگر حنفی حضرات ہیں کہ اس مُردہ کو بدستور ہی کندھوں پر اٹھائے ہیں۔

ظہر احتیاطی کی بنیاد یہ تھی کہ چونکہ ایک ہی شہر میں ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کی نماز کا ادا کرنا جائز نہیں ہے اس لئے جب کسی شہر میں ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کی نماز ادا کی جاری ہو تو خطرہ ہے کہ شائد کسی کا بھی جمعہ ادا نہ ہو سکا ہو۔ایسی صورت میں شہر کے

لوگ جمعہ کے بعد احتیاطاً ظہر کی چار رکعت بھی ادا کر لیں' تاکہ اگر جمعہ شمار میں نہ آسکا ہو تو ظہر کی نماز شمار ہو جائے۔

نہ جمعہ نہ ظہر

امر واقعہ یہ ہے کہ اسلام کا ہر حکم اور ہر فعل یقین کی ترازو میں تلتا ہے۔ اسلام کے اندر ریب و تشکک کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

ذَالِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

کہ اس قرآن پاک میں شک والی کوئی بات بھی موجود نہیں ہے یعنی یہاں ہر بات پُنی چھنی اور یقین کے ترازو اُتری ہے۔ اس کوچہ میں شک اور شبہ کا کوئی گذر ہی نہیں ہے۔

ایک مسلمان کو اپنے حق ہونے پر' اپنے دین کے حق ہونے پر اتنا بڑا یقین دیا گیا ہے کہ اس کی مثال ادیانِ عالم میں کہیں بھی پائی نہیں جاتی۔ مسلمان نے اپنے عقیدہ اور ایمان کی بنیاد اتنے بڑے یقین پر استوار کر رکھی ہے کہ وہ اس کے لئے موت کی دعوت کو بھی آسان پاتا ہے اور قرآن پاک نے مومن کی زبان سے پورے عالمِ انسانی کو چیلنج دے رکھا ہے کہ :

تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ[1]

کہ اسلام کے منکرو اور کافرو! (اگر تمہیں اسلام کی غلط اور اپنے سچا ہونے کا گمان ہے تو) آؤ (میدان میں اترو) ہم اپنے بال بچوں کو بھی بلاتے ہیں اور تمہارے بال بچوں کو بھی دعوت دیتے ہیں۔ ہم اپنی

١۔ پ٣ ع١٤

خواتین کو بھی. اور تمہاری عورتوں کو بھی بلا لیتے ہیں۔ ہم اپنے رفقاء
کو بھی اور تمہارے ساتھیوں کو بھی بلاتے ہیں۔ پھر ہم سب مل کر اللہ
سے عاجزانہ دعا کریں کہ الٰہی! جھوٹوں کا خانہ خراب کر دے اور ان پر
(ایسی) لعنت فرما (کہ وہ دوسروں کے لئے عبرت بن جائیں)

اور پھر تاریخ کی گواہی موجود ہے کہ یہ آیت کریمہ جن نجرانی عیسائیوں کے مقابلہ میں چیلنج بن کر اتری تھی۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے اور پھر بعد میں بھی تب سے اب تک کوئی شخص یہ جرأت نہ کر سکا کہ مرد مومن کے اس یقین کے منہ آئے اور اس سے آنکھیں ملا سکے۔ پس اگر حنفی بزرگوں کو بھی اپنے جمعہ کے بارے میں شک ہے کہ وہ شاید ادا نہیں ہو سکا تو یہ ایمان و یقین سے بالکل دُور کی بات ہے اور بے یقینی کا یہ جمعہ یقیناً نہیں ہو سکا ہے اور جب اس کے ادا ہونے کا یقین نہیں تو یقیناً اس نے وجود ہی نہیں پایا۔ بس یہ جمعہ یوں ختم ہوا اور ظہر کی نماز اس لئے شمار نہیں ہو گی کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابؓ سے جمعہ کے روز جمعہ کے علاوہ ظہر کی نماز ثابت نہیں ہے اور جو نماز نہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے ادا کی ہے اور نہ اس کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے بطور نماز قبول نہیں کیا جا سکتا۔ پس ظہر احتیاطی ادا کرنے والے لوگوں کا نہ جمعہ نہ ظہر دونوں نمازوں میں سے کوئی ایک نماز بھی ادا نہ ہو سکی یعنی۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم　　　نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

گئے دونوں جہاں سے خدا کی قسم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

بات کا ایک نازک رُخ

ہم اپنے سادہ لوح حنفی بھائیوں سے کیونکر کہیں کہ اگر انہوں نے تقلید کی بھیڑ چال سے الگ عقل اور سوچ کا بھی کوئی خانہ اپنے لئے محفوظ کر رکھا ہے تو للہ ہماری بات اس کے سپرد کریں آپ کی بھلائی اسی میں ہے۔ دیکھئے آپ کی ظہر احتیاطی کی بنیاد اس پر تھی کہ اگر شہر میں ایک سے زیادہ جگہ جمعہ کی نماز ادا کیا جاتی ہے تو یہ ناجائز ہے۔ ایسی صورت میں احتیاطاً چار رکعت ظہر الگ بھی ادا کر لی جائے اور آپ اس ہدایت کے مطابق چلے جاتے رہے۔ لیکن اگر آپ کو یہ پتہ چل جائے تو کیا ہو کہ جن بزرگوں نے آپ کو اس راہ پر ڈالا تھا اُنہی میں سے کچھ اہل فکر و نظر نے جب اپنی کمزوری دیکھی تو انہوں نے یہ اعلان کر کے خود کو الگ کر لیا ہے کہ ایک شہر میں کئی جمعے ہو سکتے ہیں۔[1]

لیجئے ظہر احتیاطی کی بنیاد تک گر چکی، اور آپ ہیں کہ کولہو کے بیل کی طرح ظہر احتیاطی کا چکر بدستور چلائے ہی جا رہے ہیں۔ آہ

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو

۱۔ دُرمختار (طحطاوی ابواب جمعہ)

نماز

جنازہ

نماز جنازہ

احناف کے گروہ میں اپنے علم و خبر اور فکر و نظر کے اعتبار سے بڑے بلند پایہ لوگ موجود ہیں' نیک دل بھی ہیں' اہل دل بھی ہیں اور اصحاب اتقاء بھی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا علمی مقام بہت اونچا ہے۔ وہ اپنے پیچھے ایثار اور قربانی کی ایک تاریخ بھی رکھتے ہیں مگر ان کی سوچ کا یہ رُخ شاید اُن سے خدا تعالی کی کسی ناراضگی کے سبب سے ہے کہ وہ اپنے دینی معمولات اور معتقدات کی بنیاد جیسا کہ ان سطور کے قارئین پر واضح ہے۔ اکثر ہی صحیح مرفوع روایات سے ہٹ کر کمزور' مجروح' ضعیف اور بعض اوقات بالکل موضوع روایات پر استوار کرتے ہیں۔ جیسے یہ دستور ان کے مسلکی پلان کا کوئی حصہ ہے اور پھر اس کو انہوں نے بطور اپنے ایک مسلکی شعار کے ہی اختیار کر لیا ہے۔

نماز جنازہ اور اس کی ادائیگی کا طریقہ صحیح احادیث کے بموجب بالکل واضح ہے مگر وہ اس میں بھی ڈنڈی مار گئے ہیں اور اپنے معمول کے مطابق صحیح احادیث سے آنکھ بچا کر نکل گئے ہیں اور انہوں نے اس باب میں بھی کمزور روایات کی بنا پر جگہ جگہ اختلاف کی دیواریں تعمیر کر رکھی ہیں۔ ذیل میں ہم ان کے چند اختلافات کا جائزہ پیش کرتے ہیں :

سورہ فاتحہ

صحیح بخاری اور صحاح ستہ کی دوسری کتب کے بموجب یہ امر بڑی صراحت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس طرح دوسری نمازوں میں سورہ فاتحہ کی قرأت فرماتے تھے نماز جنازہ میں بھی پہلی تکبیر کے بعد دعائے استفتاح پڑھتے پھر سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھ کر دوسری تکبیر کہتے تھے۔

پھر آپؐ کے بعد آپؐ کے اصحاب رضی اللہ تعالی عنھم کا بھی یہی معمول رہا ہے مگر ہمارے حنفی بھائی سورۂ فاتحہ سے کچھ ایسے الرجک ہیں کہ جہاں اس کا ذکر آیا وہ مرنے مارنے

پر آمادہ ہو گئے' اور وہ اس سورۂ مبارکہ سے کچھ ایسے ناراض ہیں کہ کسی کے منائے نہیں مانتے' سچ ہے ؎

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

جبکہ یہ سورہ مبارکہ خود خدا تعالیٰ کو بھی اتنی محبوب ہے کہ اس نے اس کو قرآن میں نازل فرمانے کے ساتھ اس کو قرآن سے الگ بھی اپنا ایک احسان قرار دیا ہے' جب فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ١؎

کہ ہم نے تجھے (اے محمدؐ سورہ الحمد کی شکل میں) سات آیات عطا کی ہیں جو (نماز کے اندر) بار بار دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔

اور اس سورہ مبارکہ کی عظمت کے سبب ہی رسول اللہ ﷺ نے اس کو نماز کی ہر رکعت میں نماز کا ایک رکن بنا کر داخل فرمایا۔ اس سے کھنچے کھنچے رہنے والوں کو ساتھ ہی یہ انتباہ بھی دیا کہ :

لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتٰبِ ٢؎

کہ خبردار رہو جو شخص اپنی نماز میں (خواہ وہ کوئی بھی نماز ہو) اس سورہ مبارکہ کو نہیں پڑھے گا اس کی نماز شمار نہیں ہو گی۔

نماز جنازہ میں رسول علیہ السلام کا طریقہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ :

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَلَی الْجَنَازَۃِ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ ٣؎

١؎ پارہ ١٤ رکوع ٦ ٢؎ مشکوٰۃ شریف ٣؎ ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ

کہ رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔

اس روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اپنا معمول بھی ساری عمر یہی رہا ہے جیسا کہ طلحہؓ بن عبداللہ بن عوف کی روایت سے ظاہر ہے حضرت طلحہؓ کہتے ہیں :

صَلَّيْتُ خَلْفَ بْنِ عَبَّاسٍ عَلٰى جَنَازَةٍ فَقَرَأَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَقَالَ لِتَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ ا؂

میں نے عبداللہ بن عباسؓ کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی ہے آپ اس نماز میں سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے تھے (پھر انہوں نے نماز کے بعد فرمایا میں نے جو تمہارے سامنے جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ کو پڑھا ہے تو اس کی غرض یہ ہے) کہ تم جان سکو کہ جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ کی قرأت رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

انہی حضرت طلحہؓ سے اسی واقعہ کی کچھ مزید تفصیل بھی دوسری جگہ وارد ہوئی ہے' فرماتے ہیں :

صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰى جَنَازَةٍ فَقَرَأَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ وَجَهَرَ حَتّٰى اَسْمَعَنَا فَلَمَّا فَرَغَ اَخَذْتُهُ بِيَدِهٖ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ سُنَّةٌ وَحَقٌّ (نسائی جلد ا صفحہ ۲۸۱)

کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پیچھے نماز جنازہ ادا کی۔ آپ نے نماز کے اندر سورہ فاتحہ کی قرأت فرمائی اور ساتھ ہی قرآن پاک کی ایک صورت پڑھی (جیسا کہ نماز میں دستور ہے) آپ نے پوری نماز بلند آواز سے پڑھائی یہاں تک کہ ہم ان کی قرأت بخوبی سنتے تھے۔ جب وہ نماز پڑھا چکے تو میں نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور مزید تسلی چاہی' آپ نے جواب دیا۔ میں نے جس طرح نماز جنازہ پڑھائی ہے رسول اللہ ﷺ اسی طرح جنازہ پڑھاتے تھے اور یہی حق امر ہے۔

ا؂ بخاری شریف

حضرت حسن بصریؒ

حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں بخاری شریف میں تعلیقاً وارد ہوا ہے :

قَالَ اَلْحَسَنُ يَقْرَأُ عَلَى الطِّفْلِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (بخاری شریف باب قرأۃ الکتب علی الجنازۃ)

کہ حضرت حسن بصریؒ نے ایک بچے کا جنازہ پڑھایا آپ نے جنازہ کی دُعا سے قبل (پہلی تکبیر کے بعد) سورہ فاتحہ پڑھی۔

سورۂ فاتحہ منہ میں ہی پڑھ لیجئے

ہم اپنے حنفی بھائیوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ محض اہلحدیث کی ضد میں اپنا اور اپنی میت کا نقصان نہ کریں۔

آپ مرنے والے کے حق میں سفارش کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ سورہ فاتحہ کو اپنی نماز میں داخل کر کے اپنی سفارش کو زیادہ موثر بنا لیجئے اہلحدیث جنازہ میں بآواز بلند قرأت کرتے ہیں۔ آپ اگر اس سنت پر اہلحدیث کا معمول بہا ہونے کی وجہ سے عمل نہیں کر سکتے تو ہم آپ کی خدمت میں ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس میں اخفا کا ذکر ہوا ہے آپ اُسی کو اپنا لیں تاکہ آپ کی سفارش لنگڑی نہ رہ جائے۔ اس طرح سورہ فاتحہ بھی پڑھ لی جائے گی اور اہلحدیث سے مشابہت بھی نہیں ہوگی۔

حضرت ابی امامہؓ فرماتے ہیں :

اَلسُّنَّةُ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ اَنْ يُقْرَأَ فِي التَّكْبِيرَةِ الْاُوْلٰى بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ مُخَافَةً [1]

کہ جنازہ (اس طرح) پڑھنا (بھی) سنت ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد

---

[1] نسائی جلد اول صفحہ ۲۸۱

سورہ فاتحہ آہستہ سے پڑھ لی جائے۔

لیجئے صاحب! سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی بچ گئی' آپ کی انا بھی قائم رہی اور سورہ فاتحہ کی قرأت بھی ہو گئی' اب کیا عذر رہ گیا ہے آپ کا! ویسے حنفی بزرگ مولانا عبدالحئی لکھنوی نے حضرت ابن عباسؓ کے نماز جنازہ میں فاتحہ بآواز بلند پڑھنے کے معمول کو صحیح جان کر اپنے ہاں قبول کیا ہے۔[1]

مانعین فاتحہ کی دلیل

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ سے نپٹنے کے لئے حنفی بھائیوں نے موطا امام مالکؒ سے ایک مجہول المعنیٰ روایت سے کام نکالا ہے' روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لاَ يَقْرَأُ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ۔ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نماز جنازہ میں نہیں پڑھتے تھے۔ (موطا امام مالک مترجم جلد ا صفحہ ۲۶۴)

بس یہی ایک روایت احناف کا ہتھیار ہے جس کی امداد سے وہ سورہ فاتحہ کی راہ روکتے ہیں۔ مگر کیا ہمارے بھائی یہ بتا سکتے ہیں کہ اس روایت میں سورہ فاتحہ کا کہاں ذکر ہوا ہے۔

روایت کہتی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ جنازہ میں نہیں پڑھتے تھے۔ مگر وہ کیا نہیں پڑھتے تھے روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اگر کسی کو اصرار ہو کہ وہ سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے تو یہ اس کا اپنا قیاس ہے روایت کے الفاظ یہ نہیں ہیں۔

اور اگر قیاس ہی کرنا ہے تو روایت کے الفاظ سے یہ بھی قیاس ہو سکتا ہے کہ

---

[1] امام الکلام صفحہ ٣١٤

عبداللہ بن عمرؓ جنازہ میں سرے سے کچھ پڑھتے ہی نہیں تھے۔

احناف نے یہ فرض کر لیا ہے کہ نہیں پڑھتے تھے سے مراد یہ ہے کہ سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے' یہ محض مفروضہ ہے حقیقت نہیں ہے۔

تاہم اس باب میں ہمیں کسی بحث کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ کیونکہ یہ روایت ہی موقوف ہے اور لائق حجت ہی نہیں ہے۔

نافعؒ جو ایک تابعی ہیں عبداللہ بن عمرؓ صحابی تک بات پہنچا کر آگے نہیں چلاتے یعنی یہ روایت رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچتی بلکہ عبداللہ بن عمرؓ تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے' ایسی روایت سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔

ایک ایمان افروز واقعہ

چند برس کی بات ہے ہمارے ہاں بریلوی حضرات کی ایک مسجد میں مولوی فضل الٰہی نام کے ایک بزرگ خطابت کے فریضہ پر مامور تھے' ضلع گجرات کے رہنے والے تھے' اب فوت ہو چکے ہیں' اللہ ان کی خطائیں معاف کرے' اور نیکیاں قبول فرمائے۔ مسائل کے بیان میں وہ کبھی تشدد روا نہیں رکھتے تھے ایک دفعہ انہیں کسی وجہ سے میری اقتداء میں نماز جنازہ ادا کرنے کا اتفاق ہو گیا۔ میں نے سنت کے مطابق نماز کے اندر سورہ فاتحہ کی قرأت کی' انہیں شاید یہ صورت حال پہلی بار ہی پیش ائی تھی۔ اگلے ہی روز تشریف لائے اور کہنے لگے آپ نے کل جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھی تھی' کیا اس کا کوئی ثبوت موجود ہے؟ میں نے خود کوئی بات چلانے کے بجائے بخاری شریف ہی ان کو پیش کر دی۔ اُنھوں نے جب آنکھوں سے حدیث کو پڑھا تو فرطِ حیرت سے دم بخود رہ گئے کہنے لگے حدیث نے تو بڑی صراحت سے مسئلہ کی وضاحت کر رکھی ہے پھر ہمارے بزرگ جو اس حدیث پر عمل نہیں کرتے' کیا انھوں نے یہ حدیث نہیں پڑھ رکھی؟

میں نے عرض کیا حدیث تو انہوں نے بھی پڑھ رکھی ہے مگر تقلید کی بندھن انہیں حدیث پاک پر عمل کرنے سے مانع ہے وہ کہتے ہیں حدیث تو صحیح ہے مگر ہمارے امام صاحب سے ایسا وارد نہیں ہوا چونکہ وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔اس لئے ہم ایسا نہیں کرتے۔

بڑی ہی سادگی سے کہنے لگے یہ تو بڑا ظلم ہے۔کیا امام صاحب کا درجہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ ہے۔امام صاحب کو اگر کسی وجہ سے اس حدیث پاک کا علم نہیں ہو سکا تھا تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو امام صاحب کی بے خبری پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔

انہوں نے وعدہ کیا کہ آج کے بعد وہ اس سنت کو کبھی نظر انداز نہیں ہونے دیں گے اور وہ اس کو ہمیشہ اپنا معمول بنائے رکھیں گے۔پھر انہوں نے یہ وعدہ پورا بھی کیا' چند ماہ بعد ملاقات ہوئی تو کہنے لگے کہ اُس روز کے بعد سے میں نے متعدد جنازے پڑھائے ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ میں نے اس عرصہ میں اس سنت پر برابر عمل کیا ہے پھر وہ اپنی پوری زندگی اس پر کاربند رہے۔غفرہ اللہ

جنازہ میں جہری قرأۃ

جنازہ میں باآواز بلند قرأۃ کا اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے لفظاً حکم تو نہیں دیا مگر یہ آپ کی فعلی سنت ہے اور آپ کا یہی معمول بھی تھا۔اور ظاہر ہے کہ سنت خواہ قولی ہو یا فعلی یا تقریری ہو۔بہر حال سنت ہے اور لائق اتباع ہے۔

اہلحدیث کے ہاں جنازہ کی نماز جہری قرأۃ سے ہی ادا کی جاتی ہے۔جبکہ احناف اس باب میں بھی بلا وجہ اختلاف کی راہ پر رواں ہیں۔حالانکہ یہ فعل رسول اللہ ﷺ کی فعلی سنت ہونے کے علاوہ ہر اعتبار سے زیادہ مناسب اور مفید بھی ہے۔

جنازہ کی جہری قرأۃ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح ہر شخص یہ بات جان سکتا ہے کہ نماز جنازہ میں کیا کچھ پڑھا جاتا ہے اور کہاں کہاں پڑھا جاتا ہے اس طرح یہ جہری

قرأۃ ایک طرح تعلیم و تعلم کا کام بھی دیتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب جنازہ کی دعاؤں کو حضورؐ کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھتے ہوئے یاد کر لیا کرتے تھے۔ آپ اپنے گلی محلہ' اپنے علاقہ' اپنی بستی اور اپنے شہر میں چل پھر کر دیکھئے' آپ کو دو فیصد مسلمان بھی ایسے نہیں ملیں گے جو جنازہ کی دعاؤں سے واقف ہوں۔ اس حال میں نماز جنازہ کی جہری قرأۃ ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ احناف بھائیوں کو کوئی اچھا اور نیک مشورہ محض اس لئے مسترد نہیں کر دینا چاہیے کہ یہ مشورہ اہلحدیث کی طرف سے دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا معمول

صحیح مسلم میں حضرت عوفؓ بن مالک سے روایت ہے :

يَقُوْلُ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى جَنَازَةٍ فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَآئِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ۔ (مسلم مع شرح نووی مترجم جلد۲ صفحہ ۳۵۲)

یعنی عوفؓ بن مالک کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کی نماز جنازہ ادا کی اور میں نے حضورؐ کو دعا پڑھتے سن کر (وہیں بحالتِ نماز ہی) یہ دعا یاد کر لی آپ فرما رہے تھے۔

الٰہی! اس میت کے گناہ معاف کر دے اس پر رحم فرما! اس کو عافیت عطا فرما اور اس

کی تقصیریں معاف کر دے' الٰہی! اسکو جنت میں بہترین مہمانی مہیا فرما اور اس کی قبر کو فراخ کر دے' اس کے گناہوں سے تخلیق پانے والی آگ کو اپنی رحمت کے ٹھنڈے پانی سے دھو کر اس کے نامہ اعمال کو یوں پاک صاف کر دے جیسے گندہ کپڑا میل کچیل سے صاف اور پاک کیا جاتا ہے' اس کے اس دنیاوی گھر کو جنت کے بہترین گھر کے ساتھ بدل دے' اس کو اس دنیا کے اہل کے مقابلہ میں اُس دنیا کے بہترین اہل مہیا فرما' اس کو جنت کے اندر بہترین شریک زندگی عطا فرما' اس کو جنت میں داخل کر دے' اس کو قبر کے عذاب اور آگ کے عذاب سے بچا لے۔

اس روایت کے راوی حضرت عوف کہتے ہیں کہ میں نے جب حضورؐ کے منہ مبارک سے اپنے ایک صحابی کے لئے اس درجہ رقت بھری اور جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والی محبت میں ڈوبی دُعا سنی تو میں رقت قلب اور سوز دروں سے مغلوب ہو گیا' یہاں تک کہ میں تمنا کرنے لگا اَنْ اَكُوْنَ اَنَا ذَالِكَ الْمَيِّتَ کہ الٰہی کاش یہ میت میری ہوتی اور یہ دعا میرے حق میں کی گئی ہوتی۔ ایسے ہی نبی ﷺ سے اور بہت سی دعائیں حدیث میں وارد ہوئی ہیں جن کو آپ کے اصحابؓ آپ کی زبان سے سن کر یاد کر لیتے تھے۔ اور جب آپ کے اصحاب بحالت نماز ہی آپ سے وارد ہونے والی دعائیں یاد کر لیتے تھے تو ظاہر ہے کہ آپ یہ دعائیں با آواز بلند ہی پڑھتے تھے۔ پھر آپ کے بعد آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول رہا ہے۔ بنا بریں نماز جنازہ کو اخفا کے مقابلہ میں جہر کے ساتھ ادا کرنا حضورؐ کی بہترین سنت بھی ہے اور زیادہ مفید مطلب بھی ہے۔

نماز جنازہ مسجد میں

ابو داؤد میں ایک روایت وارد ہوئی ہے جس میں مذکور ہے کہ "جس نے مسجد میں جنازہ پڑھا اس نے کچھ حاصل نہ کیا"

اس روایت کو بہانہ بنا کر حنفی حضرات مسجد میں جنازہ پڑھنے سے انکار کرتے ہیں جبکہ یہ روایت اصلاً اور نقلاً دونوں اعتبار سے ہی ناقابلِ حجت ہے اور لائق استرداد ہے۔

اس کا راوی صالح مولی توءمہ سخت ضعیف بھی ہے اور وہ اس کا راوی بھی اکیلا ہی ہے۔ حضرت امام نوویؒ شارح صحیح مسلم نے اس کی تضعیف کی ہے، امام احمدؒ نے بھی اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔[1]

اب ایک طرف یہ نالائق اور کمزور روایت ہے جس کے پاؤں تلے زمین موجود نہیں اور دوسری طرف بخاری شریف اور مسلم شریف کی صحیح اور قوی روایات ہیں جن کے بموجب نبی ﷺ نے خود بھی مسجد میں جنازے پڑھائے ہیں اور آپ کے بعد آپ کے اصحابؓ بھی اس پر عمل کرتے رہے ہیں۔ بروایت مسلم شریف ابی مسلمہ بن عبد الرحمٰنؒ بیان کرتے ہیں:

اَنَّ عَائِشَةَ لَمَّا تُوُفِّيَ سَعْدُ ابْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَتْ اُدْخُلُوْا بِهِ الْمَسْجِدَ حَتّٰى اُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَاُنْكِرَ ذَالِكَ عَلَيْهَا فَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَقَدْ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ابْنَيْ بَيْضَآءَ فِي الْمَسْجِدِ سُهَيْلٍ وَاَخِيْهِ[2]

کہ جب حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی وفات ہوئی تو ام المومنین عائشہؓ نے اصحاب رسولؐ سے کہلا بھیجا کہ ان کا جنازہ مسجد میں بھیج دیں تاکہ میں اُن پر نماز جنازہ ادا کر سکوں۔ اس پر کچھ لوگوں نے (اس کو ایک نئی بات سمجھ کر) بُرا منایا۔ جب اصحابؓ کے اس رویہ کی خبر حضرت عائشہؓ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا (ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ اتنی

---

[1] مسلم مع شرح نووی مترجم جلد۲ صفحہ ۴۵۸ [2] مسلم مع شرح نووی مترجم جلد۲ صفحہ ۴۵۹۔ مؤطا امام مالک مترجم جلد۱ صفحہ ۲۶۵

جلدی فراموش کر گئے) اللہ کی قسم نبی ﷺ نے حضرت بیضاء کی دو بیٹوں سہیل اور اس کے بھائی کا جنازہ مسجد میں ہی پڑھایا تھا۔

صدیقہ طاہرہؓ کے اس ارشاد پر اصحاب رسول رضی اللہ عنہ کو بھی یہ واقعہ یاد آگیا اور سب کے سب حضرت اُمّ المومنین سے ہموار ہو گئے اور میت مسجد میں داخل کر دی جہاں اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ اور دوسری امہات المومنینؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی نماز جنازہ ادا کی۔

تعجب ہے کہ اُمّ المومنینؓ کے یاد دلانے پر اصحاب رسولؐ کی تو تسلی ہو گئی اور انہوں نے پھر بات نہ چلائی' مگر ہمارے حنفی بھائیوں کی تسلی نہیں ہو سکی' یہ بدستور ہی ایک غلط' غیر صحیح' ضعیف اور بے اصل روایت کو بنیاد بنا کر میت کو مسجد میں داخل کرنے پر معترض ہیں۔ پھر بات صرف یہی نہیں بلکہ بعد ازاں اصحاب رسولؐ کے ہاں بھی مسجد میں جنازے پڑھے جاتے رہے۔ چنانچہ موطا امام مالک میں ہے کہ فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطابؓ کی نماز جنازہ مسجد میں ہی ادا کی گئی تھی اور سب کے سب اصحاب رسول رضی اللہ عنہم جو اس وقت موجود تھے اس جنازہ میں حاضر تھے مگر کسی کو بھی اعتراض پیدا نہیں ہوا تھا۔

قبر پر جنازہ کی ادائیگی

رسول اللہ ﷺ اگر کبھی سفر کی وجہ سے یا مدینہ منورہ میں موجودگی کے باوجود کسی وجہ سے اپنے کسی صحابی یا صحابیہ کی نماز جنازہ ادا نہ کر سکے ہوتے تو معلوم ہونے پر اس کی قبر پر تشریف لے جا کر اس کی نماز جنازہ ادا فرمایا کرتے تھے اور اس موقع پر آپؐ کے اصحابؓ بھی دوبارہ آپ کے ساتھ صفیں باندھ کر جنازہ پڑھتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ ایک روز آپ قبرستان میں تشریف لے گئے تو ایک تازہ قبر دیکھ کر دریافت کیا یہ کس کی قبر ہے اور اس کو کب دفن کیا گیا؟ آپ کے اصحاب

نے جواب دیا کہ اس کو آج رات ہی دفن کیا گیا ہے- آپ نے فرمایا تم نے مجھے کیوں نہ خبر دی ؟ اصحابؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! دَفَنَّاهُ فِيْ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ فَكَرِهْنَا اَنْ نُّوْقِظَكَ کہ ہم نے اس کو رات کی تاریکی میں دفن کیا تھا اور ہم نے اس وقت آپ کو بے آرام کرنا پسند نہ کیا-

راوی کہتا ہے فَقَامَ فَصَفَفْنَا خَلْفَهٗ فَصَلّٰى ١ - کہ پھر آپ کھڑے ہوئے اور ہم نے آپؐ کے پیچھے صف باندھ لی اور مرنے والے کی نماز جنازہ ادا کی-

ایسے ہی حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مسجد کی ایک خادمہ یا کسی خادم کی وفات ہوئی اور اُسے بھی حضور ﷺ کی بے خبری میں دفن کر دیا گیا- آپ کو علم ہوا تو آپؐ نے اس کی قبر پر جا کر اس کی نماز جنازہ ادا کی- ٢-

احناف کی نزدیک قبر پر نماز جنازہ صرف اس کی ادا کی جائے گی جس کی نماز جنازہ پہلے نہ پڑھی گئی ہو- اگر اس کی نماز ہو چکی ہے تو پھر دوبارہ اس کی نماز نہیں پڑھی جائے گی- جبکہ یہ بات بخاری اور مسلم کی روایات کی روشنی میں بالکل باطل ہے کیونکہ ان روایات میں یہ صراحت موجود ہے کہ دفن ہونے والے کی نماز جنازہ اصحاب رسولؐ ادا کر چکے ہوتے تھے- پھر جب رسول اللہ ﷺ خبر پا کر اس کی قبر پر جاتے اور نماز ادا کرتے تو وہی اصحابؓ جو پہلے اس کی نماز ادا کر چکے ہوتے وہ دوبارہ آپؐ کے پیچھے صف باندھ کر نماز ادا کرتے تھے- ایسے میں احناف کی بات بالکل بے وزن اور بے بنیاد ہے-

نماز جنازہ غائبانہ

جب کسی ایسے شخص کی نماز جنازہ ادا کی جائے جس کی میت سامنے موجود نہ ہو تو اس نماز کو نماز جنازہ غائبانہ کہتے ہیں-

---

١- بخاری و مسلم ٢- بخاری و مسلم

نماز جنازہ غائبانہ صحیح اور صریح احادیث سے ثابت ہے- مگر افسوس ہے کہ ہمارے حنفی بھائی اس نماز کے ثواب سے بھی محروم رہنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور وہ محض خود پیدا کردہ احتمالات اور مفروضوں کا سہارا لے کر اس نماز کو ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں' بڑی واضح حدیث ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں :

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَی النَّجَاشِیَّ فِیْ یَوْمِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْہِ وَ خَرَجَ بِھِمْ اِلَی الْمُصَلّٰی فَصَفَّ بِھِمْ وَکَبَّرَ عَلَیْہِ اَرْبَعاً ۱؎

کہ (حبشہ کے بادشاہ) نجاشی نے جس روز انتقال کیا رسول اللہ ﷺ نے اسی روز ہمیں اس کے مرنے کی خبر دی اور اپنے اصحاب کے ساتھ عیدگاہ کی طرف نکلے' پھر آپ نے صحابہؓ کی صفیں درست کیں' اور چار تکبیروں کے ساتھ اس کی نماز جنازہ ادا کی-

دوسری روایت میں مزید تفصیل ذکر ہوئی ہے کہ : نَعٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلنَّجَاشِیَّ صَاحِبَ الْحَبْشَۃِ یَوْمَ الَّذِیْ مَاتَ فِیْہِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِاَخِیْہِ-

کہ حضور علیہ السلام نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی موت کی خبر ہمیں ٹھیک اسی روز دی جس روز اس نے وفات پائی تھی- آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ چلو اپنے بھائی کے لئے بخشش کی دعا مانگو-

اس کے بعد راوی نے اگلی تفصیل بیان کی ہے کہ پھر سب لوگ عیدگاہ میں پہنچے' صفیں بنائیں اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ ادا کی-

یادداشت : واضح رہے کہ حبشہ کا یہ بادشاہ جس کا لقب نجاشی اور نام اصحمہ تھا' عیسائی بادشاہ تھا- پہلی ہجرت کے دنوں حضرت جعفرؓ طیار کے ذریعہ حضورؐ کے بارے میں تحقیق کر کے

۱؎ بخاری و مسلم

مسلمان ہو گیا تھا-ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کا نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس کے ذریعہ ہوا اور اسی نے آپ کا مہر چار سو دینار حضورؐ کی طرف سے ام المومنینؓ کو ادا کیا تھا-اس کی وفات کی خبر سے حضورؐ نے بہت صدمہ محسوس کیا اور اس کی نماز جنازہ کا خصوصی اہتمام فرمایا-

بات بڑی واضح ہے 'اصحاب رسولؐ نے اس سنت پر ہمیشہ عمل کیا امام شافعیؒ 'امام احمدؒ اور جمہور سلف سب کے سب نماز جنازہ غائبانہ کے قائل ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتے رہے ہیں- حضرت ابن حزم کا ارشاد ہے کہ نماز جنازہ غائبانہ کے سلسلہ میں کسی ایک صحابی سے بھی انکار نقل نہیں ہوا ہے ۱- مگر احناف نے انکار کیا ہے کہ ولا تصح علی الغائب کہ جنازہ غائبانہ کی ادائیگی صحیح نہیں ہے ۲- اور حضرت ابو حنیفہؒ کے نام سے نقل کیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے حضورؐ کی نگاہ سے مسافت کے پردے اٹھا کر میت حضورؐ کے سامنے کر دی گئی ہو-

اور "اس ہو سکتا ہے" کو احتمال کا نام دیا ہے حالانکہ یہ احتمال نہیں سراسر اختراع ہے جو حق سے فرار کی ایک ناروا کوشش کے سوا کچھ نہیں ہے-

اتفاق سے احناف کو روایات کے ذخیرہ سے ایک ذرا سا سہارا بھی مل گیا ہے- اگرچہ یہ سہارا بھی ڈوبتے کو تنکے کے سہارے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا- یہ روایت کسی واحدی کے نام سے زرقانی شرح موطا امام مالکؒ میں درج ہوئی ہے جس میں مذکور ہے کہ :

"ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس جنازے کے لئے نبی ﷺ کے لئے نجاشی کے سر سے پردہ اٹھا دیا گیا تھا- ۳"

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ واحدی کوئی محدث نہیں ہے اور یہ روایت بھی بلا سند نقل

۱- قسطلانی شرح صحیح بخاری ۲- دُر مختار جلد اول باب صلوٰۃ الجنائز ۳-۱ مجمع البحار از ابن طاہر حنفی ص ۵۰۹ شرح سفر السعادت از شیخ عبدالحق ۵۱۶ فوائد المجموعہ امام شوکانی صفحہ ۱۶۸

ہوئی ہے اور کچھ نہیں بتایا گیا کہ ابن عباسؓ کو یہ بات کس نے بتائی اور پھر ابن عباسؓ سے جناب واحدی تک کس ذریعہ سے پہنچی۔ یعنی یہ ایک ہوائی گپ ہے جسے کسی واحدی نے تخلیق بخشی اور زرقانی نے اپنے ہاں نقل کر لی گویا۔

خواب تھا' جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

یہ ایک لطیفہ ہی ہے

نماز جنازہ غائبانہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور امت کے اندر گذشتہ تقریباً ڈیڑھ ہزار برس سے نبی ﷺ کے اپنے حکم اور اپنے فعل کی روشنی میں اور آپؐ کے اصحاب اور بعد کے مسلمانوں کے تعامل سے جاری چلی آ رہی ہے مگر اس کے باوجود بھی ہمارے حنفی بھائی اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو سکے۔

اگرچہ اس دوڑ میں حنفیہ کے ساتھ مالکیہ بھی شریک ہیں مگر وہ لوگ یہاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ویسے بھی مالکیہ کے لئے تو اس سنت سے انحراف کی یہی سزا کافی ہے کہ وہ جب نماز کے لئے قیام کرتے ہیں تو لوگ انہیں شیعہ سمجھتے ہیں کیونکہ یہ لوگ بھی شیعہ کی طرح ہاتھ چھوڑ کر ہی نماز ادا کرتے ہیں۔

تاہم شیعہ کی اس حرکت کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے کہ وہ خیر و خوبی سے ہاتھ جھاڑ کر یوں کھڑے ہوتے ہیں مگر مالکیہ کے اس شوق کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔

ہمیں مالکیہ سے یہاں معاملہ نہیں پڑتا اس لئے ہم یہاں احناف کی ہی بات کریں گے۔

احناف کا لطیفہ یہ ہے کہ یہ لوگ نبی ﷺ کے ارشاد اور آپ کے عمل پر تو ڈیڑھ ہزار برس کے عرصہ میں بھی ایمان لانے پر آمادہ نہ ہو سکے مگر جب خدا کو منظور ہوا تو اس نے اُنہیں اس کی سیاسی ضرورتوں کے حوالہ سے گردن سے پکڑ کر نماز جنازہ غائبانہ کی صفوں

میں لا کھڑا کیا۔

اب حال یہ ہے کہ ملک کے اندر جب بھی اور جہاں بھی کسی بڑے آدمی یا کسی حادثہ کے شکار لوگوں کی نماز جنازہ غائبانہ ادا ہو رہی ہوتی ہے تو آپ کو اگلی صف سے لے کر پچھلی صف تک ایسے سینکڑوں اور ہزاروں آدمی کھڑے نظر آئیں گے جن کے ہاتھ ناف سے بھی چار انچ نیچے لٹکا کر بندھے ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانوں سے

اپنی سیاسی ضرورت سے اب نہ انہیں کوئی مسئلہ یاد آتا ہے نہ امام اور امام کا مسلک، بس ایک سیاست سامنے ہے اور وہ سیاست کئے ہی جا رہے ہیں۔

کاش وہ اپنی ضرورت کو سنت کے تابع کر سکتے اور یہ جنازہ تو انہیں پڑھنا ہی ہوتا ہے اسے سنت سمجھ کر پڑھتے تو ثواب بھی پاتے۔

جنازہ کی دُعا

ہمارے ہاں حنفی بزرگوں کا دستور یہ ہے کہ جنازہ کی نماز میں وہ کوئی ایسی دعا نہیں پڑھتے جس کا میت سے بلاواسطہ تعلق ہو اور اس میت کے لئے بخشش چاہی گئی ہو جس پر نماز پڑھنے کے لئے وہ جمع ہوئے ہیں۔ احناف کا معمول وہ مشہور دعا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَ شَاهِدِنَا وَغَآئِبِنَا وَصَغِيْرِ نَا وَكَبِيْرِ نَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا (الی آخرہ)

یہ دعا مسلم شریف سے منقول ہے اور بلا شبہ حضور ﷺ سے ہی وارد ہوئی ہے ہم بھی اس دعا کو ہر جنازہ میں پڑھتے ہیں مگر یہ ان دعاؤں میں سے نہیں ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے مرنے والوں سے خاص کیا ہے، حاضر میت پر پڑھی جانے والی دعاؤں میں سے ایک نہایت مشہور اور موثر دعا ہم گذشتہ صفحات میں درج کر آئے ہیں۔ حنفی حضرات نے جس دعا

کو کافی سمجھ رکھا ہے وہ خود جنازہ پڑھنے والوں کے لئے تو کفایت کرتی ہے' مرنے والوں کے لئے اس میں بلاواسطہ کچھ نہیں ہے۔

اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ الٰہی! ہمارے زندوں کو بخش دے' ہمارے مُردوں کو بخش دے ہم جو یہاں موجود ہیں ہم کو بخش دے اور جو یہاں موجود نہیں (یعنی اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے یا اپنے کام کاج میں لگے ہیں ان کو بخش دے' ہمارے چھوٹوں کو بخش دے' ہمارے بڑوں کو بخش دے' ہمارے مردوں کو بخش دے' ہماری عورتوں کو بخش دے (آخر تک)

کوئی بتائے کہ اس دعا میں حاضر میت کے لئے کیا ہے۔ ابتداء میں ایک کلمہ آیا ہے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَ مَيِّتِنَا کہ الٰہی! ہمارے زندوں اور مُردوں کو بخش دے۔ بس یہی ایک کلمہ میتنا کا ہے جس میں سارے جہاں کے مسلمان مُردوں کے ساتھ یہ حاضر میت بھی شامل ہے' ورنہ آپ مندرجہ صدر دُعا کو از اوّل تا آخر پھر پڑھئے اور غور کیجئے' تو آپ یقیناً باسانی اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ جنازہ پڑھنے والے مولوی صاحب اور ان کے مقتدیوں نے حاضر میت کے بجائے اپنا جنازہ پڑھا ہے' اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کا پڑھا ہے' اپنے گھر والوں کا پڑھا ہے' اپنے بیوی بچوں کا پڑھا ہے' اپنے سے تعلق رکھنے والے سب مردوں اور عورتوں کا پڑھا ہے' دوست احباب کا پڑھا ہے' حاضر میت کے پلے میں کچھ نہیں ڈالا' یعنی یہ سب لوگ صرف اپنا ہی جنازہ پڑھ کر میت کو قبر میں ڈال آئے ہیں اور سمجھتے یہی ہیں کہ انہوں نے مرنے والے کی قبر تک اس کی رفاقت کا حق ادا کر دیا ہے۔ ہائے ہائے ۔

کیئے اس پیار میں بھی آپ نے لاکھوں ستم ہم پر
خدا نا خواستہ گر خشگیں ہوتے تو کیا کرتے

مزید ستم یہ ہے کہ جنازہ کے اندر تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا کرنے کا وقت تھا' اس وقت تو ان بزرگوں نے مرنے والے کے حق میں کوئی دعا نہیں کی بلکہ میت کو

سو کھے ہی ٹرخا دیا اور جب جنازہ سے سلام پھیر لیا تو ہاتھ اٹھا کر لمبی لمبی دعائیں کرنے لگتے ہیں- یعنی جہاں دعا کرنا سنت تھا وہاں سے بچ کر نکل گئے اور جہاں ہاتھ اٹھانا صریحاً بدعت ہے وہاں ہاتھ اٹھا لیے- نماز جنازہ سے سلام پھیرنے کے بعد کی دُعا جو نہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھی، نہ اصحاب رسول رضی اللہ عنھم نے پڑھی، نہ آئمہ دین نے یہ کام کیا اُسے اس سختی سے پکڑتے ہیں کہ چھوڑنے میں نہیں آتے اور جو کام انہوں نے کیا اس کے قریب نہیں پھٹکتے- سبحان اللہ کتنے جری ہیں یہ لوگ ۔

پھرے زمانہ پھرے آسماں ہوا پھر جائے
بتوں سے ہم نہ پھریں ہم سے گو خدا پھر جائے

دُعا بعد سلام

نماز جنازہ سے سلام پھیر کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا بدعت بھی ہے اور غیر منطقی امر بھی ہے کیونکہ نماز جنازہ تو خود ہی ایک دُعا ہے نماز نہیں ہے- نماز اس کو محض اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں بھی نماز جیسا ہی اہتمام کیا جاتا ہے- وضو ہے' نیت ہے' قیام ہے' امام کی اتباع ہے' کعبہ کی جانب منہ کیا جاتا ہے' تکبیریں کہی جاتی ہیں اور سلام پھیرا جاتا ہے- جبکہ نماز میں اس سب کچھ کے ساتھ رکوع ہے' قومہ ہے' سجدہ ہے' تشہد ہے جو جنازہ میں موجود نہیں ہیں- یہ دراصل تو دعائے جنازہ ہی ہے- مگر اس کے کچھ حصلہ کو نماز کا ہم شکل ہونے کی وجہ سے اس کو نماز ہی کہہ دیا گیا ہے-

اور پھر جب نماز جنازہ بجائے خود بھی ایک دعا ہی ہے تو دعا کے بعد ایک اور بے محل کی دُعا میں کیا تک ہے- مزید یہ کہ اس دعا کا حضور ﷺ سے چل کر تینوں بہترین زمانوں (اصحابؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ) میں کہیں وجود نہیں پایا جاتا' یہ اہل بدعت کی اختراع ہے- اور انہی کو اس پر اصرار بھی ہے-

اس دعا کو صرف اہل حدیث ہی بدعت نہیں کہتے خود احناف کے بڑے بھی اس کو سنت نہیں سمجھتے اور اپنے متبعین کو اس سے منع کرتے ہیں مگر اس کا کیا کیا جائے کہ احناف کا وہ غیر علمی گروہ جس کا کام صرف اہلحدیث کے خلاف لڑائی جاری رکھنا ہی ہے وہ اہلحدیث کی ضد میں اپنے بڑوں کی بات بھی ماننے کو تیار نہیں ہے۔ ہم اپنے بھائیوں سے عرض کریں گے کہ وہ اس باب میں اپنے بزرگوں سے دریافت کریں۔ آپ حیران ہوں گے کہ اس دعا کو بدعت قرار دینے میں آپ کے بڑے بھی اہلحدیث کے ساتھ ہیں۔

بحر الرائق حنفی فقہ کی ایک مشہور اور مستند کتاب ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ الْجَنَازَۃَ لَیْسَت بِصَلٰوۃ حَقِیْقَۃَ بَلْ ھُوَ دُعَآء کہ نماز جنازہ ہرگز حقیقی نماز نہیں ہے بلکہ یہ ایک دُعا ہے۔

مزید ارشاد ہے: لَا یَدْعُوْا بَعْدَ التَّسْلِیْمِ [۱] کہ نماز جنازہ سے سلام پھیر کر ہرگز دعا نہ کی جائے (کہ یہ بات صحیح نہیں ہے)

مرقاۃ کے حضرت ملا علی قاری مشہور حنفی بزرگ ہیں۔ وہ تحریر کرتے ہیں:
لَا یَدْعُوْا لِلْمَیِّتِ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ لِاَنَّہٗ یَشبَہُ الزِّیَادَۃَ فِی الصَّلٰوۃِ الْجَنَازَۃَ [۲] کہ نماز جنازہ سے سلام پھیر کر میت کے لئے مزید دُعا نہ کی جائے کیونکہ اس سے رسول اللہ ﷺ کی ادا کردہ نماز جنازہ میں اضافہ کرنے کا شبہ دخل پاتا ہے۔

۱۔ بحر الرائق ج۲ صفحہ ۱۸۲ مرقاۃ صفحہ ۲۱۱ ج ۲

ایک مجلس کی
تین طلاق

ایک مجلس کی تین طلاق

دوسرے بہت سے مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی اختلاف احناف بزرگوں نے ہی کیا ہے' ورنہ اس میں اختلاف والی کوئی بات نہیں تھی۔ حدیثِ رسول ﷺ کے بموجب مسئلہ بالکل واضح اور صاف ہے مگر نہ جانے احناف بزرگ کیوں ہمیشہ حقائق سے رو گردانی ہی پسند کرتے ہیں اور سیدھی بات کو بھی بے جواز ہی ٹیڑھا بنا ڈالتے ہیں کہ بار بار یہی کہنا پڑے ۔

رہا ٹیڑھا مثال نیش کژدم
کبھی کج فہم کو سیدھا نہ پایا

مسئلہ کی صورت

بات یوں ہے کہ احناف بزرگوں کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں ایک ہی بار میں ایک ہی موقع پر یوں طلاق دے کہ میری طرف سے تمہیں تین طلاق ہیں یا اس طرح کہہ دے کہ میری طرف سے تجھے طلاق طلاق طلاق تو اس طرح طلاق واقع ہو کر اس کی بیوی اُس پر حرام ہو جاتی ہے۔ اور تین یا تین طلاق کے الفاظ کہہ دینے کے بعد اُسے رجوع کا حق نہیں رہتا' اور اس کی بیوی اب حلالہ کے بغیر اس کی طرف واپس نہیں لوٹ سکتی۔

جبکہ اہلحدیث کا مسلک یہ ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دیتے وقت ایک ہی مجلس میں خواہ کوئی شخص ایک بار کہہ دے کہ میری طرف سے تجھے طلاق ہے یا تین بار کہے یا جتنی بار بھی کہتا جائے یہ ایک ہی رجعی طلاق ہو گی۔ اور اگر اس کا خاوند اسے دوبارہ واپس لینا چاہے تو عدت کے اندر اُسے جب چاہے پہلے نکاح پر ہی واپس لے سکتا ہے' اور واپس لینے میں اس کی بیوی کو کسی جدید نکاح یا حلالہ وغیرہ کے کسی مرحلہ سے نہیں گذرنا پڑے گا۔

یہ حلالہ کیا ہے؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حلالہ کیا ہے؟ جس کو اختیار کئے بغیر حنفی شخص کی بیوی تو اس کی طرف واپس نہیں لوٹ سکتی۔ مگر یہ حلالہ کسی اہلحدیث مرد کی بیوی کی راہ میں نہیں پڑتا' اور وہ اس کو اختیار کئے بغیر ہی اپنے خاوند کی طرف لوٹ سکتی ہے۔

تو واضح رہے کہ حلالہ اس طریقے کا نام ہے جس کے ذریعہ حرام ہو چکنے والی عورت کو اس کے خاوند کے لئے دوبارہ حلال بنایا جاتا ہے۔اس کی صورت یہ اختیار کی گئی ہے کہ وہ شخص جس نے اپنی بیوی کو بیک بار تین طلاق دے کر اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔اب وہ کسی ایسے مرد کو تلاش کرے جو اس شرط پر اس کی بیوی سے نکاح کرے کہ وہ ایک دو رات (یا طے شدہ مدت) تک اس سے صحبت کرے گا اور پھر اس کو طلاق دے دے گا۔ جبکہ اہلحدیث کے نزدیک یہ فعل حلالہ نہیں بلکہ صریحاً حرامکاری اور خالص زنا ہے اور جو لوگ اس شنیع فعل میں شریک ہیں وہ زنا کی سزا میں سنگسار کئے جانے کے لائق ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور عدت بھی گذر گئی یعنی اب مصالحت کا مرحلہ بھی نہ رہ سکا تھا کہ اس کے بھائی نے اپنے بھائی کو پوچھے بغیر اس کی مطلقہ عورت سے نکاح کر لیا تاکہ وہ اس عورت کو دوبارہ اپنے بھائی کے لئے حلال بنا سکے۔کیا یہ نکاح صحیح ہے؟

حضرت ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ یہ صورت اختیار کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے اور ہم اس طرح کے نکاح کو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی زنا ہی شمار کرتے تھے۔[1]

اسی طرح حضرت عمر بن الخطاب خلیفہ دوم سے نقل ہوا ہے کہ اگر یہ حلالہ کرنے والے میرے سامنے لائے جائیں تو میں ان کو زنا کی سزا میں سنگسار کر دوں گا۔

اس حلالہ کے ناپاک کاروبار میں ملوث شخص سے رسول اللہ ﷺ اس درجہ نفور

۱۔ مستدرک حاکم

تھے کہ ایک روز اصحابؓ سے فرمانے لگے کیا میں تمہیں اُدھار لئے گئے سانڈ کا پتہ نہ دوں؟ اصحابؓ نے عرض کیا ضرور پتہ دیجئے۔ آپ نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جو حلالہ کرتا ہے اور کسی کی مطلقہ عورت سے اس لئے نکاح کرتا ہے کہ صحبت کے ساتھ اُسے اس کے اصل خاوند کے لئے دوبارہ حلال بنادے۔[1]

اس شخص کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی نفرت کا اندازہ کرنے کے لئے آپؐ کا وہ ارشاد بہت معاون ہے جو آپ سے یوں وارد ہوا ہے:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ[2]

کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے (یعنی زانی) پر اور اس شخص پر جس کے لئے اس عورت کو زنا کے ذریعہ حلال بنایا جارہا ہوتا ہے 'لعنت فرمائی ہے۔

ایک دریافت طلب بات

آپ پوچھ سکتے ہیں کہ اس حلالہ کو آخر حرام قرار دینے کی کیا وجہ ہے جبکہ اس کی بنیاد باقاعدہ نکاح پر رکھی گئی ہے۔

حرام تو اس صورت میں ہوتا کہ عورت کو بغیر نکاح کے کسی دوسرے مرد کے سپرد کر دیا جاتا۔ مگر جب اسے نکاح کے ساتھ دوسرے مرد کی زوجیت میں دیا گیا ہے تو یہ حرام کیونکر ہوا۔ آخر حرام کو حلال بنانے کا ذریعہ نکاح ہی تو ہے۔ اس سوال کا تفصیلی جواب تو آپ کو آگے چل کر مل سکے گا' جہاں خاص مسئلہ کے اسی پہلو سے بحث درج ہے۔ یہاں مختصراً عرض ہے کہ قرآن کریم کے ارشاد اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ کے بموجب کہ طلاق دوبار ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی روشنی میں ایک وقت میں خواہ کوئی اپنی بیوی کو تین بار طلاق کہہ دے یا تین سو بار وہ ایک ہی رجعی طلاق پڑتی ہے یعنی وہ طلاق جس کے بعد اگر خاوند چاہے تو

1۔ ابن ماجہ 2۔ نسائی۔ احمدؒ۔ ترمذی

اسی پہلے نکاح پر رجوع کر سکتا ہے- بات بڑی واضح ہے کہ خواہ طلاق کہہ دی گئی مگر نکاح موجود ہی رہتا ہے اور وہ طلاق کی عدت گذر چکنے کے بعد ہی ختم ہوتا ہے-

اور اب جب حلالہ کی غرض سے نکاح کیا گیا ہے تو یہ نکاح پر نکاح ہے جو حرام بھی ہے اور ایسا نکاح وجود بھی نہیں پاتا- پھر جب نکاح ہوا ہی نہیں تو عورت بے نکاح ہی دوسرے مرد کے سپرد ہوئی- اس لئے یہ زوجیت والی کوئی بات نہیں بلکہ بالکل زنا ہی ہے-

تدبیر کن بندہ تقدیر کند خندہ

چند برس پہلے کی بات ہے کہ کراچی کا ایک عبرت بھرا واقعہ اخبارات کے ذریعے ہفتوں تک پورے ملک کی دلچسپی کا سامان بنا رہا-

ایک شخص نے جو ایک بڑا آدمی بھی تھا اور حکومت کے کسی محکمہ میں اعلیٰ افسر کے بطور متعین تھا- اپنی بیوی کو تین طلاق کہہ دیں اور اس طرح اس نے آنکھ جھپکنے میں ہی اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لیا- اب پشیمانی ہوئی مولوی صاحب سے مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے حلالہ کا راستہ بتایا-

عورت نے بات سنی تو کانپ گئی' وہ غیرت مند بھی تھی اور معاشرہ میں بھی اونچے مقام پر فائز تھی' بات سن کر دم بخود رہ گئی کہ کیا اب اُسے چند گھنٹوں کے لئے اپنے آپ کو کسی دوسرے مرد کی خلوت کے سپرد کرنے کی مجبوری قبول کرنا ہوگی- اس کے ماں باپ اور بہن بھائی بھی یہی کہتے تھے کہ مسئلہ کی بات ہے اب یہ تلخ گھونٹ پینے کے سوا چارہ نہیں- ناچار اس نے بھی مسئلہ کے سامنے سر جھکا دیا تاہم وہ اپنے دل کو اس صورت حال سے ہموار نہ کر سکی-

صلاح یہ ٹھہری کہ اس کا نکاح اپنے کسی گھریلو ملازم سے کر دیا جائے جس سے اگلی صبح ہی طلاق حاصل کر کے اسے اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال بنا لیا جائے- پھر اس قرارداد

کے مطابق عمل ہو گیا' خادم خاوند بن گیا اور مالکہ نے بیوی بننا قبول کر لیا۔

عورت پیش آنے والے لمحات کے تصور سے بے حال بھی تھی' غم سے نڈھال بھی تھی اور غصہ سے دہکتے اضطراب بھی تھی۔ پھر اچانک ہی کسی غیر شعوری رہنمائی سے اس نے ایک فیصلہ کر لیا اور آنے والی وحشت اثر ساعت کے لئے تیار ہو بیٹھی۔

رات ہوئی تو اس نے اپنے ہونے والے شوہر کو اپنی خلوت میں طلب کیا۔ وہ حکم سُن کر اندر تو آ گیا مگر اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی مالکہ آج اس کی بیوی ہے اور وہ اس کا شوہر ہے۔ وہ ڈرا ڈرا' سہا سہا' سمٹا سمٹا اور گھبرایا گھبرایا سا تھا۔ آگے بڑھنے کی ہمت نہیں تھی مگر حکم کی تعمیل کی۔ عورت نے جب اس کی حالت دیکھی تو آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور بڑے پیار سے کہنے لگی گھبراؤ نہیں' پریشانی والی کوئی بات نہیں تم سچ مچ ہی آج سے میرے شوہر ہو اور میں تمہاری بیوی ہوں' اور سنو! مجھے اگرچہ ایک بے غیرت شخص نے چند گھنٹوں کے لئے تمہارے سپرد کیا ہے مگر میں نے اب تمہیں مستقل طور پر ہی قبول کر لیا ہے۔ اب وہ بے غیرت اس گھر میں کبھی قدم نہیں رکھ سکے گا' آج سے اس کوٹھی کے مالک تم ہو۔

ایک بات اور سنو! وہ صبح کو تمہارے پاس لکھا لکھایا طلاق نامہ لے کر آئے گا تاکہ اس پر تم سے دستخط لے' مگر تم اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دینا اور کہنا کہ مجھے اپنی بیوی سے کوئی شکایت نہیں ہے اس لئے میں اُسے ہرگز طلاق نہیں دوں گا باقی معاملہ میں سنبھال لوں گی۔

بات یہ تھی کہ یہ کوٹھی اُس صاحب بہادر کو اُن کے سسرال سے ملی تھی مگر وہ اس کی عورت کے نام پر ہی تھی اور یہ صاحب صرف اس عورت کا شوہر ہونے کے رشتہ سے ہی اس کی کوٹھی کے مالک تھے۔ کوٹھی کی حقیقی مالکہ اس کی بیوی ہی تھی۔

پھر ایسا ہی ہوا صبح ہی صبح وہ صاحب ایک کاغذ لے آئے اور اُسے اپنے اُسی افسرانہ لہجے میں مخاطب کیا اور کہا اوئے! اس کاغذ پر دستخط کر دو۔ مگر اب وہ اوئے کی بجائے جناب بن

چکا تھا' کہنے لگا-

یہ کاغذ کیسا ہے مسٹر! اور تم مجھ سے کس بات پر دستخط لینا چاہتے ہو- اپنے گھریلو ملازم کے انداز گفتگو میں یہ تبدیلی پا کر صاحب بہادر آگ بگولہ ہو گئے اور دانت پیس کر کہنے لگے-

مسٹر کے بچے! اس کاغذ پر دستخط کرو' یہ طلاق نامہ ہے اور تمہارے دستخطوں کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی رات والی بیوی کو طلاق دے رہے ہو-

نئے خاوند کا لہجہ مزید پُر اعتماد ہو گیا اور اُس نے کہا مجھے اپنی بیوی سے کوئی شکایت نہیں ہے- میں اس کو ہرگز طلاق نہیں دوں گا-

اس جواب پر صاحب بہادر غصہ سے مغلوب ہو کر اٹھے اور دو چار گالیاں سُنا کر بولے فوراً دستخط کرو ورنہ............

اور وہ اس ورنہ کے آگے ابھی کچھ کہہ نہ پائے تھے کہ پردہ کے پیچھے سے ایک غضب ناک نسوانی آواز گونجی-

بے غیرت' کمینے اور ذلیل انسان فوراً میرے گھر سے نکل جاؤ ورنہ ملازموں سے کہہ کر تمہاری تواضع کرا دوں گی-

کمینے آدمی! تم نے اپنی مرضی سے مجھے جس شخص کے سپرد کر دیا تھا میں نے اُسے دل و جان سے قبول کر لیا ہے- اب وہی میرا شوہر ہے- تم سے میرا تعلق بالکل ٹوٹ چکا ہے' میری کوٹھی سے فوراً نکل جاؤ-

انہوں نے جواب دیا لیکن وہ تو مسئلہ کی بات تھی- عورت بولی تمہارے اس مسئلہ کو چولھے میں ڈالتی ہوں جو تم جیسے ذلیل شخص کے لئے میری عزت اور میری آبرو کی حرمت کو پامال کرنے لگے-

یہاں سے فوراً نکل جاؤ- اب اس کوٹھی کا مالک بدل چکا ہے- اور پھر صاحب بہادر

منہ لٹکائے باہر نکل گئے یعنی۔

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

اب یہ تو معلوم نہیں کہ اس باغیرت خاتون نے طلاق کی عدت گذر چکنے کے بعد اپنے اس غلط نکاح کی تجدید کر کے اپنے معاملے کو سیدھا کر لیا تھا یا نہیں مگر اُس نے ایک دلچسپ عبرتناکی ضرور تاریخ کے حوالے کر دی۔

اور حلالہ ٹل گیا

کم و بیش تین برس کی بات ہے کہ ہمارے ہاں کے ایک بریلوی المسلک حنفی شخص کی بیٹی کو اس کے خاوند نے ذرا سے گھریلو جھگڑے پر تڑاق سے کہہ دیا تجھے میری طرف سے تین طلاق' ہیں۔

اور پھر گھر میں قیامت کا سماں تھا' کوئی اُس دیوار کے ساتھ لگ کر رو رہا تھا کوئی دوسری دیوار سے بچشم غم چمٹا کھڑا تھا۔ لڑکی الگ بین کر رہی تھی' لڑکی کا باپ اپنی جگہ تصویر غم بنا بیٹھا تھا۔

سب کہتے تھے ہائے اب کیا ہو گا' تین طلاق تو تین طلاق ہی ہوتی ہیں گھر والوں کا کھانا پینا چھوٹ گیا اور مولوی صاحبان کے پیچھے بھاگنے دوڑنے لگے کہ کوئی صورت نجات پیدا ہو' مگر وہ اپنے جس مولوی کے پاس بھی جاتے وہ حلالہ کا راستہ ہی بتاتا۔

انہوں نے ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ حلالہ کیا ہوتا ہے؟ اور جب مولوی صاحب نے حلالہ کی تفصیل بتائی تو لڑکی کے باپ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کہ یہ کیونکر ممکن ہے۔ میں اپنی لڑکی چند گھنٹوں کے لئے کس دوسرے مرد کے سپرد کر دوں' لاحول ولاقوۃ۔

پھر وہ مایوس ہو کر گھر واپس لوٹا اور غم کی شدت سے بے سکت ہو کر گر گیا۔ کسی

نے اسے مشورہ دیا کہ رونے کے بجائے کسی اہلحدیث سے رابطہ پیدا کرو' امید ہے کہ تمہارے درد کا درماں تمہیں وہاں سے ضرور مل جائے گا۔

وہ بڑا متعصب شخص تھا' مگر مرتا کیا نہ کرتا دو اور آدمی ساتھ لے کر میرے پاس آیا اور بچشم نم اپنی داستانِ دردو غم سنائی۔

میں نے کہا آپ حنفی المسلک ہیں اور حنفی فقہ نے اس مسئلہ کا بڑا صاف اور آسان حل بتا رکھا ہے اس کو کیوں اختیار نہیں کرتے!

کہنے لگا کیا حل ہے؟ میں نے کہا حلالہ! اس کی آنکھیں جھک گئیں اور کہنے لگا کہ یہ تو بڑی ہی بے غیرتی کی بات ہے! عرض کیا بے غیرتی ہے یا بے حیائی' آپ کے بزرگ اس صورتِ حال کا یہی علاج بتاتے ہیں۔

بڑے غمناک انداز میں بے حال سا ہو کر کہنے لگا اللہ کی قسم یہ کام تو ہم سے نہیں ہو گا' خدا کے لئے ہماری آبرو بچانے کی آپ کوئی سبیل نکالیں۔

میں نے کہا سبیل تو موجود ہے لیکن ہمارے مسلک کے تجویز کردہ حل پر عمل کر کے آپ حنفی نہیں رہ سکیں گے۔ کہنے لگا مگر عزت تو رہ جائے گی! عرض کیا پھر آپ جسے حقہ پانی بند کرنا کہتے ہیں خیال ہے کہ آپ کی حنفی برادری آپ کا حقہ پانی بند کر دے گی۔

کہنے لگا ہم اپنی برادری کو جانتے ہیں آپ میری بچی کی آبرو کو رسوا ہونے سے بچانے کی راہ نکالیں' یہ برادری ہم سے حقہ پانی پیتی پلاتی ہی رہے گی۔ میں نے کہا پھر سوچ لو!

کہنے لگا بس سب کچھ سوچ لیا ہے!

اب میں نے پوچھا کہ تین طلاق کو کتنا عرصہ گزرا ہے؟ کہنے لگا کہ پورے آٹھ روز کی بات ہے!

عرض کیا تو کوئی بات نہیں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے بموجب یہ ایک ہی رجعی طلاق ہے۔ عدت کے اندر اگر فریقین آپس میں صلح کر لیں تو کسی حلالہ وغیرہ کی

ضرورت نہیں پڑتی' گھر جا کر ان کی صلح کرا دو- پھر آپ لوگ حنفی رہتے ہیں یا نہیں یہ آپ جانیں اور آپ کی فقہ' مگر وہ دونوں ضرور راضی خوشی زندگی بسر کر سکیں گے- تاہم انہیں یہ سختی سے نصیحت کرو کہ معمولی معمولی باتوں پر طلاق پر اتر آنا نامناسب ہے- نبی ﷺ نے بغیر کسی ناگزیر صورت کے طلاق کو پسند نہیں کیا' بچی کو کہو کہ وہ اپنی زبان کی حفاظت کرے اور اس کے خاوند کو تاکید کر دو کہ وہ بھی اپنے مزاج پر قابو رکھے-

پھر ان دونوں کی صلح کرا دی گئی اور ان کی برادری فی الواقع ہی اُن کے خیال کے مطابق ان کی برادری ہی بنی رہی-

حنفی حلالہ کا تصور بھی سخت کربناک ہے

فلمی سٹوڈیوز اور ٹیلی ویژن اسٹیجوں پر اداکاری سے وابستہ خواتین بھی جن کو مخلوط مجالس میں غیر نسوانی آداب حیات کے ساتھ فن کے نام پر غیر مردوں سے آزادانہ خلاملا پر کبھی اعتراض نہیں ہوا- اگر انھیں بھی زندگی کے کسی موڑ پر کبھی حلالہ کا حادثہ درپیش ہو تو اس ظالم کے خونیں پنجہ میں جکڑے جانے کے خوف سے ان کا بھی رنگ رُخ اڑ گیا اور وہ آنے والی اذیت ناک اور شرمناک ساعتوں کے تصور سے ہی چیخ اُٹھیں-

ایک ٹیلیویژن اداکارہ کا المیہ

پچھلے دنوں ٹیلیویژن اسٹیج کی ایک اداکارہ روبینہ کو جو اپنے مداحوں اور فلمی زبان میں اپنے پرستاروں میں "بندیا" کے نام سے شہرت رکھتی ہیں حلالہ کا مرحلہ آ پڑا' اور وہ تو اُن کی شاید کوئی نیکی کام آ گئی کہ بروقت امداد پہنچ جانے سے وہ اپنی عصمت کو بچا لینے میں کامیاب ہو گئیں مگر حلالہ کا سُن کر اُن کی جو حالت ہوئی وہ اُنہی کی زبان سے سننے کے لائق ہے- وہ اپنے ایک اخباری بیان میں کہتی ہیں:

"جب میں حلالہ کا سوچتی تو میری جان ہی نکل جاتی کہ گیارہ برس تک

اپنے شوہر کے انتظار میں بیٹھے رہنے کے بعد بھی کیا اب مجھے اس کی طرف واپس لوٹنے کے لئے اپنے آپ کو کسی دوسرے مرد کے سپرد کرنا ہوگا؟"

(روزنامہ پاکستان لاہور ۱۵ فروری ۱۹۹۱ء)

بندیا کی یہ وحشت اور کربناکی بالکل طبعی بات تھی' مگر اس کربناکی کا دوسرا رخ ان کے لئے مزید بھی سخت کربناکی کا موجب بنا کہ جونہی کرایہ کے سانڈھوں کو پتہ چلا کہ بندیا کو حلالہ کے لئے کسی موزوں مرد کی تلاش ہے تو خود بندیا کے مطابق ہی:

"رات دن انہیں ہزاروں ٹیلی فون کالز اور خط موصول ہونے لگے۔"

ان ٹیلی فونی کالوں اور خطوط کی ذریعہ لوگ بندیا سے جو کچھ کہہ رہے تھے' یہ کہانی بھی بندیا کی زبان سے ہی سن لیجئے' وہ بیان کرتی ہیں:

☆ ایک صاحب نے لکھا:

شکر ہے آپ نے حلالہ کا فیصلہ کر لیا ہے اور میں آپ سے اپنی رغبت کی وجہ سے بجا طور پر سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر آپ مجھے فراموش نہیں کریں گی۔

☆ ایک شخص کا کہنا ہے کہ:

میں برسوں سے آپ کا مداح ہوں اور اب حلالہ کے موقع پر میں آپ سے اس حلالہ کا زیادہ حقدار ہوں۔

☆ ایک صاحب کی پیشکش ہے کہ:

اگر آپ مجھے اپنے ساتھ حلالہ کا شرف عطا فرما دیں تو میں آپ کے فلمی کاروبار میں روپیہ لگانے پر آمادہ ہوں۔

☆ ایک صاحب نے مجھے نکاح حلالہ کے بعد چاند میں جا کر ہنی مون منانے کی پیش کش کی ہے۔

☆ وہ بتاتی ہیں کہ میرے لئے بے چین دل رکھنے والے ایک شخص نے مجھے تسلی دیتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ :

یہ مولوی لوگ اس حلالہ میں رکاوٹ ڈالنے کی بہت کوشش کریں گے لیکن آپ فکر نہ کریں ہم کوئی نہ کوئی صورت ضرور نکال لیں گے ! آہ ۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی

یہاں یہ امر بھی بالکل واضح ہے کہ بندیا کے یہ سارے شائقین یہ بھی جانتے ہیں کہ بندیا سے ان کا یہ جنسی تعلق ایک آدھ یا چند ملاقاتوں سے آگے نہیں بڑھے گا کیونکہ یہ حنفی حلالہ ہمیشہ مشروط ہوتا ہے مگر یہ امر موجبِ عبرت ہے کہ اس کے باوجود انہیں ان کی جنسی آوارگی نے نفس کے ہاتھوں کس درجہ بے قابو بنا رکھا ہے ۔۔

حیف گر در پسِ امروز بود فردائے

ایک حلالہ جس نے حرام کو دوام بخشا

جناب عثمان پیر زادہ اور ان کی بیگم ثمینہ پیر زادہ دونوں ہی اداکار ہیں خبر کے مطابق کچھ عرصہ پہلے ٹیلیویژن اسٹیج پر یہ دونوں میاں بیوی "دریا" نام کے ایک ڈرامہ میں اکٹھے ہی اپنے کمالِ فن کا مظاہرہ کر رہے تھے اور اتفاق سے ان کو ڈرامہ میں بھی میاں بیوی کا کردار ہی سپرد ہوا تھا۔ ڈرامہ کی کہانی کے مطابق ایک مرحلہ پر شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ ڈرامہ بہت کامیاب تھا اور بہت پسند کیا گیا اور پھر بات آئی گئی ہو گئی۔

اب یہ دونوں میاں بیوی تو اپنی فن کا معاوضہ وصول کر کے اپنے گھر جا بیٹھے، مگر اگلے ہی روز بعض حنفی مفتی صاحبان لنگر لنگوٹا کس کر میدان میں اتر آئے کہ پیر زادہ نے جس عورت کو ڈرامہ میں طلاق دی ہے چونکہ وہ اس کی حقیقی بیوی بھی تھی اس لئے یہ طلاق اُن دونوں کے نکاح کو بھی موثر ہوئی ہے اور اس کے بعد وہ میاں بیوی کے رشتہ سے منسلک

نہیں رہ سکے۔ مفتی حضرات نے اپنے فتویٰ میں اگلا راستہ بھی متعین کر دیا کہ اب اگر پیرزادہ شمینہ سے ازدواجی رشتہ قائم رکھنا چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ شمینہ کسی دوسرے مرد سے حلالہ کرائے۔ پھر اس نئے خاوند سے طلاق مل چکنے کے بعد حسب قاعدہ پیرزادہ اس سے دوبارہ نکاح کریں تب وہ اس سے ازدواجی تعلق کا حق حاصل کر سکیں گے۔ ان کا پہلا رشتہ ٹوٹ چکا ہے اب حلالہ کے بغیر ان کا آپس میں ملنا حرام ہے۔

حنفی مفتی کا یہ فتویٰ اداکار جوڑے پر بجلی بن کر گرا اور وہ دونوں ہی ازدیاد وحشت سے بے دم ہو کر رہ گئے۔ تاہم انہوں نے اس فتویٰ کو اس عذر سے مسترد کر دیا کہ وہ تو ایک کھیل تھا اور کھیل کے ایک کردار نے جسے خاوند فرض کر لیا گیا تھا' کھیل کے ایک کردار کو جسے اس کی بیوی فرض کیا گیا تھا طلاق دے دی' اس طلاق کا ہمارے نکاح پر کیا اثر پڑ سکتا ہے اور ایسی صورت میں حلالے کا کیا سوال ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اداکار جوڑے نے اپنی ازدواجی زندگی کو بدستور ہی صحیح قرار دیا اور وہ بدستور ہی میاں بیوی بنے رہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگرچہ میاں نے کھیل میں اپنی بیوی کو طلاق دی تھی مگر چونکہ وہ اصلاً بھی میاں بیوی ہی تھے اس لئے یہ کھیل کی طلاق بھی ان کے نکاح کو موثر تھی اور ان کا نکاح باقی نہیں رہ گیا تھا' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق نکاح' طلاق اور رجعت تین امور ایسے ہیں کہ ان کے احکام کھیل تماشا اور ہنسی مذاق میں بھی موثر ہو جاتے ہیں۔

ویسے بھی یہ بات ناقابل فہم نہیں ہے کیونکہ اگر غصے کے عالم میں دی گئی طلاق موثر ہو جاتی ہے اور یہ سوال نہیں اٹھتا کہ وہ تو غصے کی بات تھی ٹھیک ایسے ہی ہنسی مذاق کی طلاق بھی طلاق کی حیثیت ہی رکھتی ہے۔

لیکن فتویٰ میں خرابی یہ تھی کہ مفتی صاحب نے جو چھوٹتے ہی پیرزادہ کی بیوی

کئے لئے دوسرے مرد کی خلوت کو آباد کرنے کا حکم صادر کر دیا تھا تو یہ بالکل غلط تھا۔ اس طلاق میں حنفی حلالہ والی کوئی بات نہیں تھی۔ اداکارہ عورت نے یہ تو اچھا کیا کہ مفتی صاحب کے کہے جھٹ سے اپنے آپ کو کسی دوسرے مرد کی خلوت کی رونق نہیں بنایا مگر حلالہ کے لعنت ناک تصور سے انہوں نے ازدواجی تعلقات کو سیدھا رکھنے کی کوئی جائز صورت بھی اختیار نہیں کی۔

حنفی مفتی کا یہ حکم بلا شبہ غلط تھا کہ ثمینہ اب حلالہ کرائے اس کے بغیر وہ پیرزادہ کی بیوی کے بطور نہیں رہ سکتی۔ مگر یہ بات ضرور صحیح تھی کہ ثمینہ کو رجعی طلاق ہو چکی ہے۔ پس اداکار جوڑے کو خود مفتی نہیں بننا چاہئے تھا اور اس طلاق کو جو بہر حال موثر ہو چکی تھی اپنی صوابدید سے غیر موثر قرار دے کر گناہ کی زندگی بسر کرنے پر اصرار مناسب نہیں تھا۔

قصوروار کون ہے؟

بلا شبہ پیرزادہ اور ان کی بیگم کی گنہگار زندگی کا محرک حنفی مفتی صاحبان کا بے محل حلالہ کا فتویٰ ہی ہے۔ مگر اس سے دونوں بیوی خاوند کے گناہ کا بوجھ کم نہیں ہو جاتا۔

اگر کوئی شخص قتل کا ارتکاب کرے تو وہ اس عذر پر قتل کی سزا سے نہیں بچ جائیگا کہ اس کو قتل کی ترغیب کسی دوسرے نے دی تھی یا اُسے آلہ قتل کسی دوسرے شخص نے مہیا کیا تھا۔ وہ دوسرا شخص بھی یقیناً قتل میں شریک ہے مگر قاتل کو قتل کی سزا ضرور ملے گی۔ اس لئے اس اداکار جوڑے کی بھلائی اسی میں تھی کہ وہ اپنی باگ تھام لیتے اور اپنے سفر حیات کو صحیح سمت جاری رکھنے کا اہتمام کرتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر حنفی مفتی پیرزادہ اور ان کی بیگم کو حلالہ کا مشورہ دینے کے بجائے حدیث پاک کے بموجب حسب موقع رجوع یا تجدید نکاح کا مشورہ دیتے تو شائد اداکار جوڑے کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ مگر حلالہ کے خوف سے وہ اپنا عائلی مستقبل بھی تاریک کر بیٹھے۔

مقامِ عبرت

ہمیں بعض حنفی مفتی حضرات کے اس شوق کی وجہ سمجھ میں نہیں آسکی جو وہ گذشتہ کچھ عرصہ سے فلمی سٹوڈیوز اور ٹیلی ویژن اسٹیجوں کے اداکاروں اور اداکاراؤں' رقاصوں' رقاصاؤں' مغنیوں اور مغنیات کے پھڈے میں بیٹھے بٹھائے کیوں ٹانگ اڑانے لگ گئے ہیں۔ کچھ عرصہ سے ان بزرگوں کا یہ معمول بن گیا ہے کہ جونہی کسی اداکار بالخصوص اداکارہ کی کوئی حرکت اسلام کی خلاف دیکھتے ہیں تو فتاویٰ کے گزوں سے اُن کے ایمان کی پیائش کرنے لگتے ہیں۔ جب کچھ پیش نہیں چلتی تو بات کو انجام تک پہنچانے اور معاملہ کو شرعی عدالتوں میں لے جانے کے بجائے بے بسی سے منہ لٹکائے بیٹھ جاتے ہیں اس طرح وہ آئے دن اپنی ذلت اور اسلام کی بے وقری کا موجب بنتے ہیں۔

ہم پوچھتے ہیں ہیں کہ جن مغنیات یا اداکارہ خواتین کو وہ ان کے کسی ناروا فعل پر ایمان کے حوالے سے للکارنے لگ جاتے ہیں ان کا تو پورا سراپا ہی اسلام کے خلاف ہے' پھر وہ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ کی راہ کیوں اختیار فرما رہے ہیں۔

کیا ان اداکارہ خواتین اور مغنیات کا غیر مردوں کی محفل میں ناچنا گانا' غیر محرموں سے آزادانہ میل ملاپ اور کیا ان کی تھرکتی' اُچھلتی' پھلانگتی اور جسم کے متنوع زاویے بناتی اور کھلے عام اپنے جسم اور حُسن کی نمائش کرتی زندگی اسلام کے مطابق ہے؟ جب اُنہوں نے اُن کے ان لیل و نہار کا کبھی نوٹس نہیں لیا تو پھر اگر ان سے کوئی مزید گناہ بھی شہرت پا جاتا ہے تو وہ ان کی زندگی کو اسلام کی ترازو میں اتارنے کے لئے کیوں بے چین ہو جاتے ہیں۔

جب ان لوگوں نے اپنی زندگی کے پورے سراپا پر اسلام کے دروازے بند کر رکھے ہیں تو وہ ان کو خدا کے حوالے کیوں نہیں کر دیتے' وہ اُن کی بے باک زندگیوں پر اسلام کا دباؤ ڈال کر اُنہیں مزید بے باک بناتے ہیں اور اسلام کی بے آبروئی کا موجب بنتے ہیں۔

جب ان لوگوں کو قرآنِ پاک نے چھٹی دے رکھی ہے کہ جو چاہو کرو ہم ایک مقررہ دن ہی تمہارا محاسبہ کریں گے۔ تو وہ بھی صبر سے کام لیں یا پھر ملک کے اندر ایسی حکومت قائم کریں' جو ایسے لوگوں کے محاسبہ کی مکلف بھی ہو اور اس پر آمادہ بھی ہو۔

کچھ عرصہ گذرا ملکہ ترنم نور جہاں کے بعض اقوال کو بحث کا مضمون بنایا گیا اور ان پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور اُن سے مطالبہ کیا کہ توبہ کرو اور معافی مانگو۔ انہوں نے بڑے اعتماد سے کہا معافی نہیں مانگوں گی۔ اور اُن کا یہ بیان ہمارے اسلامی پریس نے ان کی تصویر کے ساتھ پہلے صفحات پر شائع کیا۔ اور پھر اگر مفتی حضرات کے نزدیک نور جہاں اسلام کی توہین کی گنہگار تھیں تو وہ اُن کے معاملہ کو آگے لے جاتے' شرعی عدالت میں استغاثہ کرتے مگر یہ حضرات اپنے ایک فتویٰ کو ہی اسلام کی خدمت قرار دے کر چپ ہو گئے۔

ایک بار پھر

انہی ملکہ ترنم نے اپنے شوہر سید شوکت حسین سے طلاق حاصل کی۔ اور عدت گزارے بغیر جناب اعجاز سے نکاح کر لیا۔ اس مرحلہ پر پھر ہمارے یہ مفتی حرام حرام پکارتے سڑکوں پر نکل آئے۔ مگر ملکہ ترنم نے ان کے فتویٰ پر نفرت بھری نگاہ ڈالی اور اپنے نئے شوہر کو ہمراہ لئے ہنی مون منانے ملک سے باہر چلی گئیں۔ ظاہر ہے کہ یہ حدود کا کیس ہی تھا۔ مگر مفتی صاحبان بس اسلام کو رُسوا کر کے ہی چپکے ہو رہے' اور دوبارہ بات تک نہ اٹھائی۔

اگر مآل کار یہی ہے تو آپ نے اتنی ڈھونگی ہی کیوں لی تھی۔ شرعی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتے اور بات کسی ٹھکانے تک پہنچاتے' مگر نہیں انہوں نے اسلام کو بے آبرو کرنا تھا کر دیا' مفتی صاحبان کو بس اتنا ہی فائدہ ملا کہ ان کا اسم گرامی کچھ روز اخبارات کو سرخیاں مہیا کرتا رہا۔ باقی رہا اسلام' تو یہ ایک ثانوی امر تھا۔

یہ حلالہ اہلحدیث کا دردِ سر نہیں ہے

حلالہ کا یہ شرمناک مرحلہ صرف حنفی گھرانوں کا ہی روگ ہے۔ اہلحدیث گھرانوں کی خواتین طلاق پانے کے باجود' اس گندگی سے ہمیشہ محفوظ رہتی ہیں۔ یہ کارنامہ صرف حنفی بزرگوں کا ہی شرف ہے کہ وہ چھوٹتے ہی اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ کے ساتھ اپنے لئے حرام بنا لیتے ہیں اور غیر مسنون طریقے سے طلاق دینے کی وجہ سے انہیں پہلے قدم پر ہی حلالہ کی شرمناکی کو اختیار کرنے کی مجبوری پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر اگر وہ اپنی اس طلاق کو بھی اپنے بے قابو غصے کے عذر کے ساتھ حدیث پاک کے تابع بنا کر اس تین طلاق کو ایک رجعی طلاق سمجھ لیتے تو بھی خیر تھی مگر وہ تو اکڑ ہی گئے کہ نہیں صاحب یہ تین طلاق ٹھیک تین طلاق ہی ہیں' اور محض اپنی حماقت اور ضد سے ہی اپنی بیویوں کو حلالہ کے نام پر کسی سودے بازی سے اجنبی غیر محرم مردوں یا اپنے قابل اعتماد عزیزوں اور دوستوں کے سپرد کر دیتے ہیں کیونکہ ایسی طلاق کی صورت میں حلالہ کے سوا چارہ ہی نہیں رہتا اور اب بیوی اپنے خاوند کی طرف لوٹ کر آ ہی نہیں سکتی۔ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ جب تک وہ کسی دوسرے مرد کا منہ نہ دیکھ لے۔

جبکہ اہلحدیث خاتون کو ملنے والی طلاق ٹھیک سنت کے مطابق اپنی منزل کی طرف بڑھتی ہے۔ اور شوہر اگر طلاق کے بعد اپنی بیوی کو واپس لینا چاہے تو عدت کے اندر وہ جب بھی چاہے اسی پہلے نکاح پر ہی اُسے واپس لے سکتا ہے کیونکہ عدت کے عرصہ میں نکاح بدستور ہی قائم رہتا ہے۔

لیکن اگر عدت کے اندر فریقین باہمی صلح نہ کر سکے ہوں اور عدت گذر جائے تو اب وہ اس پہلے نکاح پر ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے کیونکہ عدت کے گزرنے کے ساتھ ہی پہلا نکاح ختم ہو چکا ہے۔ اب انہیں دوبارہ باہمی ازدواجی تعلقات کو بحال کرنے کے لئے

از سر نو نکاح کرنا ہو گا جو پہلے کی طرح ہی گواہوں کی موجودگی میں ہو گا۔ یہ طلاق چونکہ بائنہ ہے اس لئے اس واپسی میں بیوی کو کسی حلالہ کی درد ناکی کے سپرد نہیں ہونا پڑے گا۱۔ کیونکہ طلاق بائن میں حلالے کی ضرورت نہیں پڑتی صرف جدید نکاح کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔۲۔ بخاری شریف کی روایت کے بموجب معقل بن یسار کہتے ہیں کہ۔

میں نے اپنی بہن کا نکاح ایک شخص سے کیا پھر اس نے اسے طلاق دے دی۔ طلاق کی عدت گزر چکی تھی کہ اس نے پھر میری بہن سے نکاح کی درخواست کی۔ میں نے جواب دیا کہ میں نے اپنی بہن کو تمہارے نکاح میں دے کر تمہاری تکریم اور تعظیم کی تھی مگر تو نے اسے طلاق دے دی خدا کی قسم اب وہ دوبارہ تجھے نہیں مل سکتی۔ تاہم وہ ایک نیک شخص تھا اور اس کی نیکی کی وجہ سے میری بہن بھی اس سے رجوع پر راضی تھی (یہ معاملہ نبی ﷺ تک پہنچا تو) اس بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ۳۔

کہ اگر عورتیں اپنے (پہلے) شوہروں سے رجوع پر راضی ہوں تو تم ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بنو۔

میں نے جب آیتِ کریمہ سنی تو میں نے کہا اَلْاٰنَ اَفْعَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ فَزَوِّجْهَا اِيَّاهُ۔ یا رسول اللہ! اب میں اس شخص کے ساتھ اپنی بہن کا نکاح ضرور کروں گا۔ آپ نے فرمایا ہاں ضرور کر دو۴۔

۱۔ فتاویٰ ثنائیہ (مولانا ثناء اللہ امرتسری) جلد۲ ص ۲۳۹-۲۴۱-۲۴۳-۲۴۹-۲۵۹

۲۔ فتاویٰ نذیریہ (مولانا سید نذیر حسین دہلوی) جلد ۲ صفحہ ۱۸۳

۳۔ پ۲ رکوع ۱۴

۴۔ بخاری کتاب النکاح

قرآنی حلالہ

قرآن پاک نے جس حلالہ کا ذکر کیا ہے وہ ایک بالکل الگ امر ہے اور وہ کسی خاص مرد کے لئے کسی خاص عورت کو حلال بنانے کا حیلہ نہیں ہے جیسے حنفی بھائیوں کے ہاں حلالہ کے ذریعہ مطلقہ عورت کو پھر اس کے خاوند کے لئے حلال بناتے ہیں- بلکہ اس قرآنی حلالہ کی صورت یہ ہے کہ اگر عورت کو طلاق ہو چکے اور وہ دوسرا گھر بسائے تو وہ اپنے نئے شوہر کی مستقل بیوی بن کر ہی رہے' اس کا شوہر بھی اس سے نکاح کسی دوسرے کے لئے نہ کرے بلکہ اس کو اپنی مستقل بیوی بنا کر رکھے' وہ خواہ عمر بھر بیوی خاوند بنے رہیں' اولاد پیدا کریں' بسیں رسیں لیکن اگر بدقسمتی سے کسی مرحلہ پر ان میں نزاع چل جائے اور بالآخر نوبت طلاق تک ہی پہنچے تو اب اگر یہ عورت چاہے تو اپنے پرانے خاوند سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ محض جواز کی ہی ایک صورت ہے کوئی حکم نہیں ہے اگر وہ عورت ایسا نہ چاہے تو اُسے کوئی مجبوری نہیں ہے-

ایک وقت میں تین طلاق خلافِ سنت بھی ہیں اور یہ نافذ بھی نہیں ہوتیں

حدیث رسولِ پاکؐ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کا اپنی بیوی کو ایک ہی وقت میں اور بیک بار یہ کہنا کہ تجھے تین طلاق ہیں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہے اور اس طرح کہنے سے تین طلاق موثر بھی نہیں ہوتیں' بلکہ وہ خواہ اسے تین چھوڑ' تین ہزار بار بھی طلاق طلاق کہتا رہے وہ ایک ہی رجعی طلاق شمار ہو گی- رسول اللہ ﷺ نے یوں تین طلاق دینے کو نہ صرف ناپسند کیا ہے بلکہ اس کے خلاف اظہار رنج و غضب بھی فرمایا ہے-

حدیث میں ہے کہ آپ کو کسی شخص کے بارے میں یہ اطلاع پہنچی کہ اُس نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دے دی ہیں- آپ کو یہ خبر پا کر اتنا شدید دکھ ہوا کہ بقول راوی فَقَامَ غَضْبَانًا ثُمَّ قَالَ اَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاَنَا اَظْهُرِ كُمْ[1] کہ آپ فورِ رنج و غضب سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا اب اللہ کے دین کا یوں مذاق اڑایا جائے گا- جبکہ میں ابھی تمہارے اندر موجود ہوں! (اور میں نے تمہیں ایسی حرکتوں سے منع بھی کر رکھا ہے) آپ نے اس مرحلہ پر اتنا زیادہ صدمہ اور رنج محسوس کیا کہ آپ کی حالت کو دیکھ کر آپ کی پوری مجلس رنج و غم میں ڈوب گئی' یہاں تک کہ مجلس میں سے ایک صحابی نے اُٹھ کر کہا یا رسول اللہ! اَلَا اَقْتُلُهٗ ؟ کیا میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں (جس نے آپ کو اتنا عظیم دُکھ پہنچایا ہے)

ایک مجلس کی تین طلاق

دراصل ایک ہی رجعی طلاق ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ایک ہی مجلس میں کسی اک اپنی بیوی کو یہ کہہ دینا کہ میں نے تجھے تین طلاق دیں یا کہے تجھے طلاق طلاق طلاق' تو یہ تین بار منہ سے کہہ دینے کے باوجود ایک ہی رجعی طلاق واقع ہوئی ہے یعنی اس تین طلاق کے باوجود اس کے بعد رجوع کیا جا سکتا ہے' جیسا کہ حدیث ذیل سے واضح ہوتا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَلَّقَ رُكَانَةُ بْنُ عَبْدِيَزِيْدَ اَخُوْ بَنِيْ الْمُطَّلِبِ امْرَأَتَهٗ ثَلَاثًا فِيْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ فَحَزَنَ عَلَيْهَا حُزْنًا شَدِيْدًا فَسَأَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ طَلَّقْتَهَا؟ فَقَالَ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا قَالَ

---

[1] نسائی شریف مع حاشیہ سندھی جلد ۲ صفحہ ۹۹

فِیْ مَجْلِسٍ وَاحِدٍ؟ قَالَ نَعَمْ ! قَالَ فَاِنَّمَا تِلْکَ وَاحِدَۃٌ فَارْجِعْهَا اِنْ شِئْتَ قَالَ فَرَجَعَتْهَا [1]

ابن عباس کہتے ہیں کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیں اور پھر وہ (اپنی اس حرکت پر سخت پشیمان ہوا اور) غم کی شدت سے بے حال ہو گیا (بات نبی ﷺ تک پہنچی تو)

رسول اللہ ﷺ نے اُسے پوچھا کہ تم نے کیونکر طلاق دی تھی' کہنے لگا میں نے اسے تین طلاق کہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کیا ایک ہی مجلس میں؟ کہنے لگا جی ہاں! آپؐ نے فرمایا پھر یہ تین نہیں ایک ہی (رجعی) طلاق ہے۔ اگر تو چاہے تو اپنی بیوی کو واپس لوٹا لے۔ راوی کا کہنا ہے کہ پھر اس نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا۔

خرابی کا علاج

بشری کمزوری ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں سب لوگ حوصلہ مند ہی نہیں ہوتے کہ پیش آمدہ حالات میں از اول تا آخر بردباری سے کام لے سکیں بلکہ وہ اکثر ہی غصہ کے وقت جوش غضب سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ پھر بہت سی ناکرونی کرتے ہیں اور ناگفتنی کہتے ہیں۔ بشریت کے اس کمزور پہلو کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ رضی اللہ عنہ کو بھی ہدایت کی کہ اگر تم چاہو تو اپنی بیوی کو واپس لوٹا لو کیونکہ یہ دراصل ایک ہی طلاق ہے۔ ایک وقت میں تین بار طلاق طلاق دہرانے سے وہ تین نہیں بن جاتیں۔ چونکہ یہ واقع ایک ہی مجلس کا ایک ہی وقت کا ایک ہی بار کا اور ایک ہی عورت سے تعلق رکھتا ہے اس لئے طلاق بھی ایک ہی ٹھہرے گی۔ مگر انسانی فطرت کے یہ غیر مستحسن

---

[1] ۔ مسند احمد

مظاہر بعد میں بھی وقفہ وقفہ سے ہمیشہ ہی سر اٹھاتے رہے۔ پھر جب یہ بے احتیاطیاں اور بے اعتدالیاں سر حد بغاوت کو چھونے لگیں تو فاروق اعظم خلیفہ دوم حضرت عمرؓ بن الخطاب نے اپنی صوابدید کے رہنمائی میں سرکشی کے اس سیلاب کے آگے بطور تادیب و تعزیر ایک بند تعمیر کر دیا۔ یہ پوری کہانی مسلم شریف میں اس طرح درج ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ جن کی زبان سے پچھلے عنوان کے تحت وہ حدیث رسولؐ پاک نقل ہو چکی ہے جس میں حضور علیہ السلام نے تین طلاق کو ایک ہی رجعی طلاق قرار دیا ہے' اس روایت کے راوی بھی وہی ہیں' فرماتے ہیں :

كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) اِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا فِيْ اَمْرٍ كَانَتْ لَهُمْ فِيْهِ اَنَاةٌ فَلَوْ مَضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَاَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ ؎١

کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ اول کے پورے ادوار حکومت اور حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفہ دوم کے دورِ خلافت کے ابتدائی دو برسوں تک تین طلاق دینے سے ایک ہی رجعی طلاق شمار ہوتی تھی (مگر لوگ جب تین طلاق تین طلاق کی گردان کرنے سے رُکنے نہ پائے اور یہ فتنہ زیادہ ہی ترقی کر جانے لگا تو) حضرت عمرؓ نے فرمایا لوگ طلاق کے بارے میں بہت جلدی کرنے لگے ہیں اور وہ معاملہ جس میں انہیں (غور و فکر کے لئے) مہلت دی گئی تھی (انہوں نے اس کی مصلحت سمجھے بغیر تین طلاق دینے کی عادت نہیں بدلی تو کیوں نہ ہم (بطور تعزیر و تادیب) یہ طلاق نافذ ہی کر دیں۔ پھر آپ نے اُسے نافذ کر دیا۔

١۔ مسلم شریف مع شرح نووی جلد چہارم صفحہ ١٢٥

اب ظاہر ہے کہ یہ کوئی شرعی حکم نہیں تھا بلکہ ایک بڑی خرابی کی اصلاح کے لئے معاشرے کی پچولیں ذرا کس دی گئیں تھیں اور خلیفہ کو معاشرہ کی مفاسد پر قابو پانے کے لئے مناسب حال اصلاحی تعزیری' سیاسی' تادیبی' انتظامی احکام جاری کرنے کا ہر وقت اختیار ہے تاہم یہ صوابدیدی احکام وقتی مصلحت سے کسی خرابی کی اصلاح کے لئے ہی ہوتے ہیں مستقل حیثیت نہیں رکھتے- حضرت عمرؓ کا یہ حکم بھی دائمی نہیں تھا- انہوں نے اپنی صوابدید سے اس طریق کار کو اصلاح احوال کے لئے مناسب سمجھا اور ایک حکم جاری کر دیا- یہی وجہ ہے کہ ایک مرحلہ پر جب حضرت عمرؓ نے خود بھی محسوس کیا کہ ان کی یہ صوابدید مناسب حال نہیں تھی تو آپ نے پوری جرأت سے اظہار ندامت کے ساتھ اس حکم کو واپس بھی لے لیا تھا- حضرت ابن قیمؒ لکھتے ہیں- عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جن احکام کے اجراء پر سخت ندامت ہوئی ان میں سے ایک یہ ہے اَنْ لَّا اَكُوْنَ حَرَّمْتُ الطَّلَاقَ [1] کہ جو میں نے تین طلاق کو نافذ کر دینے کا حکم جاری کر دیا تھا-

اور یہ تعجب کی بات ہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تو اپنی صوابدید کو غلط سمجھ کر اسے واپس لے لیا- مگر یہ ہمارے حنفی بزرگ اسے چھوڑنے کا نام نہیں لیتے- احناف کے پاس بڑی سے بڑی بوجھل دلیل یہی تھی کہ یہ حضرت عمرؓ کا حکم ہے اور جب یہ ظاہر ہو چکا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اس حکم کو واپس لے لیا تھا تو حنفی حضرات کے پاس اس باب میں کونسی دلیل باقی رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ سنت رسولؐ کو ترک کئے رکھنے پر بضد ہیں! مگر امر واقعہ یہی ہے کہ وہ اب ڈٹ ہی گئے ہیں کہ ؎

نے پیروی قیس نے فرہاد کریں گے
ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

---

[1] اغاثۃ اللھفان جلد اول صفحہ ۲۵۱

یہ عقلاً بھی غلط ہے

ایک ہی وقت میں دی گئی تین طلاق کو تین قرار دے لینا نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں ہی غلط اور منشائے رب اللعالمین کے خلاف ہے بلکہ اس منقولی رُخ سے ہٹ کر مسئلہ کا یہ رُخ معقولی اعتبار سے بھی غلط اور نامعقول ہے- ہم اپنے اس موقف کی وضاحت کے لئے ایک مثال اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں-

فرض کیجئے ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو قتل کر دیا مگر قتل کی وجہ اس درجہ اشتعال انگیز تھی کہ وہ مقتول کو صرف قتل کر کے پھینک دینے پر ہی مطمئن نہ ہو سکا' وہ غصہ سے مغلوب ہو گیا تھا- ازدیاد وحشت سے اس پر جنون کی کیفیت طاری تھی اس کی درندگی بے قابو ہو گئی تھی' اُس نے ٹوکہ پکڑا اور اپنے مقتول کے پچیس تیس ٹکڑے کر دیئے- قاتل گرفتار ہوا اور اس پر زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیراتِ پاکستان قتل عمد کا مقدمہ قائم ہوا-

اب ہم اپنے حنفی بھائیوں اور حنفی قانون پیشہ لوگوں سے ہی پوچھتے ہیں کہ اس قاتل پر زیر دفعہ ۳۰۲ صرف ایک ہی مقدمہ قتل قائم ہو گا یا اس نے جو لاش کے پچیس تیس ٹکڑے کر دیئے تھے ان ٹکڑوں کی گنتی کے اعتبار سے مقدمات بھی پچیس تیس ہی قائم ہوں گے' اور اگر وہ اس کے ہزار ٹکڑے کر دیتا تو کیا مقدمات بھی ہزار ہی قائم کئے جاتے؟

ظاہر بات ہے کہ قاتل نے اپنے مقتول کے خواہ ہزار ٹکڑے بھی کر دیئے مگر اُس نے قتل ایک ہی شخص کو کیا ہے- پس یہ قتل بھی ایک ہی شمار ہو گا اور اس پر مقدمہ قتل بھی ایک ہی قائم ہو گا-

ٹھیک ایسے ہی اگر کوئی شوہر بھی ازدیاد رنج سے اپنی بیوی کو صرف ایک بار طلاق کہنے پر قناعت نہیں کر سکا اور وہ غصہ سے مغلوب ہو کر طلاق طلاق کہتا ہی چلا گیا ہے تو آپ کس منطق کی رُو سے اس کی طلاق طلاق کی گردان کو اتنی ہی طلاقیں شمار کر لیں گے جتنی بار

اس نے یہ الفاظ دہرائے اور وہ غصہ کی بہتات سے بے قابو رہا۔

جبکہ اصلیت یہی ہے کہ وہ لفظ طلاق کی تکرار غصہ سے مغلوب ہونے کی وجہ سے کر رہا ہے۔ ایسے میں وہ تین چھوڑ تین سو بار یا تین ہزار بار طلاق طلاق کہتا چلا جائے' طلاق ایک ہی واقع ہو گی کیونکہ وہ ایک ہی بار میں 'ایک ہی موقع پر اور ایک ہی مجلس میں لفظ طلاق کی تکرار کر رہا ہے۔ وہ اپنے غصہ کی سطح کے اعتبار سے جتنی بار بھی طلاق طلاق کہے گا عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ طلاق ایک ہی سمجھی جائے گی۔

یہ بڑی معمولی سی بات ہے بڑی آسان بھی ہے مگر حیرت ہے کہ اتنی عام اتنی معمولی اور اتنی آسان بات ہمارے حنفی بھائیوں کی سمجھ میں نہیں آ رہی۔

تین ہلاکتیں

ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ہی طلاق قرار دینے کا خلاف منشائے ربانی اور خلاف سنت فعل اپنے نتیجہ کے اعتبار سے تین قسم کی خطرناک ہلاکتوں پر منتج ہوتا ہے اور افسوس ہے کہ ہمارے اہل تقلید محض اپنے گروہی تعصب کی وجہ سے ہی اس باب کی اذیتوں کو سہنے اور ہلاکتوں کو قبول کر لینے پر بضد ہیں۔

وہ ازدیاد کرب اور ناقابل برداشت اذیت کی وجہ سے منہ سے چیخ نکل جانے کے خوف سے زبان کو دانتوں تلے تو دباتے ہیں مگر سیدھی راہ اختیار کر کے اذیتوں اور ہلاکتوں سے خود کو بچا لینے پر تیار نہیں ہیں۔

پہلی ہلاکت

ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ہی قرار دے لینے کے نتیجہ میں جو پہلی ہلاکت درپیش ہے وہ یہ ہے کہ طلاق کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کی منشاء اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے

صریحاً خلاف ہے۔

طلاق خود بھی تو ایک المناکی ہی ہے' ایک حادثہ ہی ہے جو عائلی زندگی میں پیش آکر انسانی زندگی کی تسکینت اور اطمینان خاطر کی چولیں ہلا کر رکھ دیتا ہے اور ایک مسرور اور بستا رہتا خاندان بہت سی دردناکیوں میں گھر جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ابغض الحلال الی اللّٰہ الطلاق[1] کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال باتوں میں نہایت درجہ قابلِ نفرت بات طلاق ہے۔

یعنی طلاق بعض اوقات ناگزیر ہو جانے کی وجہ سے جائز تو رکھی گئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتے۔

مگر چونکہ انسانی حیات کے نشیب و فراز کبھی اس دردناکی پر منتج ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کے اس کمزور پہلو کو نظر انداز نہیں کیا' اور جب دوسرا کوئی چارہ نہ رہے' بستے رہنے کی کوئی صورت نہ بن سکے' دو دل کسی وجہ سے اکٹھے رہنے پر آمادہ نہ ہو سکیں تو زندگی کو مستقل اور دائمی دردناکیوں سے نکالنے کے لئے بالآخر اللہ تعالیٰ نے اس ناگواری کو قبول کر لینے کی گنجائش موجود رکھی ہے ورنہ طلاق زندگی کا کوئی خوشگوار رُخ نہیں ہے۔

ذرا عائلی زندگی کے اس خطرناک موڑ مڑنے تک پہنچئے' ان مراتب و مراحل اور مزاحمتوں کو دیکھیے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے ایک خاندان کو اجڑنے سے بچانے کے لئے تجویز کر رکھی ہیں۔

☆ عورت اگر بالفرض بدتمیزی پر اُتر آئی ہے تو اس کا شوہر مشتعل ہو کر فوراً ہی توڑ پھوڑ نہ کرنے لگ جائے بلکہ صبر کرے کچھ عرصہ تک وعظ و نصیحت سے کام لے' اُسے سمجھائے بجھائے' عائلی زندگی کے مصالح تلقین کرے۔

---

[1] بلوغ الحرام باب الطلاق بحوالہ ابوداؤد – ابن ماجہ

☆ اگر اس طرح بات نہ بنے تو بطور مزید دباؤ اس سے بے تعلقی کا راستہ اختیار کرے اور بغیر کسی ایلا یا طلاق کے اس سے تخلیہ ترک کر دے' ناراض ناراض رہنے لگے' بول چال میں کمی کر دے۔ عورت اگر عقل و خرد سے تھوڑا بھی بہرہ رکھتی ہو گی تو معاملہ کی نزاکت کو بھانپ کر اپنے اندر تبدیلی پیدا کر لے گی اور بات بنی رہے گی۔

☆ اور اگر وہ کچھ زیادہ ہی اکھڑ واقع ہوئی ہے تو ایک قدم اور آگے بڑھ کر اس کے ساتھ ذرا نرم گرم برتاؤ کر دیکھو بعض طبائع نرمی کو کمزوری قرار دے کر سمجھنے پر آمادہ نہیں ہوتیں اور سختی سے سنبھل جاتی ہیں۔ اگر وہ تیسرے درجہ کا ہی مزاج رکھتی ہو گی تو یہ تدبیر ٹھیک رہے گی۔

☆ اگر بات نہیں بنتی تو کوئی بات نہیں' مایوسی کی کوئی وجہ نہیں' زوجین کے عزیز آگے بڑھیں' دونوں کی باہمی کشیدگی کا سبب دریافت کریں ایک نیک دل آدمی عورت کے گھر والوں سے اور ایک مرد کے گھر والوں سے بیٹھ کر سوچیں اور معاملہ پر قابو حاصل کرنے کی سعی کریں۔ اگر وہ پورے اخلاص سے جانبین کی صلح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو ضرور بار آور بنائیں گے اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے ساتھ توافق اور رغبت کے جذبات پیدا کر دیں گے۔ (پ ۵ ع ۳)

☆ اگر کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکی اور طلاق کے ساتھ ایک دوسرے سے الگ ہو جانے کے بغیر چارہ نہیں رہا تو چلو طلاق دے دو۔ مگر یاد رکھو یہ طلاق پاک دنوں میں دو حیض کے دنوں کی طلاق صحیح نہیں ہے کیونکہ حیض کے دنوں میں تو طبعاً ہی بیوی خاوند ایک دوسرے کے قریب نہیں ہوتے اور رغبت کا ذریعہ موجود نہیں ہوتا اس لئے طلاق کے بغیر اگر چارہ نہیں تو مزید انتظار کرو' وہ پاک ہو چکے' تو پھر طلاق دو' اس سے جانبین کی باہمی ناراضگی کی سطح کا بھی اندازہ ہو سکے گا اور حقیقی یا غیر حقیقی ناراضگی کا پتہ بھی چل جائے گا۔

☆ اگر طلاق کے بغیر چارہ نہیں رہ گیا اور جانبین باہم گر قریب رہ کر بھی اپنی ناراضگی کو ترک

نہیں کر سکے تو چلئے طلاق دید یجئے' مگر ٹھہریئے ابھی باہمی جڑے رہنے کے مواقع ختم نہیں ہو گئے' ابھی بستے رہنے کی صورتیں باقی ہیں' اب بھی اُجڑنے سے بچ جایئے اور طلاق کے باوجود بھلے دنوں کی تلاش ترک نہ کیجئے۔

یاد رکھئے یہ طلاق کہہ دینے سے طلاق مکمل نہیں ہو جاتی بلکہ اس طلاق کی عدت تین حیض کے پاک ہونے تک ہے۔ یہ تین ماہ کا عرصہ ابھی آپ کے لئے سوچنے کی بڑی معقول مدت ہے۔ سوچئے اور بار بار سوچئے' اگر طلاق دے کر پشیمانی محسوس ہو تو ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ آپ بیوی کو اُسی پہلے نکاح پر ہی واپس لوٹا سکتے ہیں کیونکہ دونوں کا نکاح عدت کے ختم ہونے تک قائم ہے اور ایک چھوڑ دو بار طلاق دینے سے بھی وہ ختم نہیں ہوتا اور دیکھئے طلاق کے باوجود بھی تمہاری بیوی تمہارے ہی گھر میں رہے۔ میکے نہ چلی جائے' بہت ممکن ہے کہ اس طرح اکٹھے رہنے سے رفتہ رفتہ ناراضگی از خود ہی ختم ہو جائے اور قطع تعلق تک نوبت نہ پہنچے۔ (پ ۲۸۔ سورہ طلاق)

قرآن پاک نے فرمایا ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ کہ طلاق ماہ بماہ دو بار دی جائے گی پھر تین حیض گزرنے تک بھی اگر مصالحت کی صورت نہ بنے تو یقین کرنا چاہئے کہ اب مل بیٹھنے کی صورت موجود نہیں رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ قرآن پاک نے دو طلاق ہی ذکر فرمائی ہیں' تیسری طلاق کیونکر ہے فرمایا تسریح باحسان کے الفاظ تیسری طلاق کی ہی خبر دیتے ہیں یعنی پھر اچھے طریقے سے رخصت کر دینا ہی تیسری طلاق ہے۔

تیسری طلاق ہو چکنے پر عورت کو طلاق بائنہ ہو چکی' اب نکاح ختم ہو چکا' اب تک وہ دونوں پہلے ہی نکاح پر ایک دوسرے کی طرف لوٹ سکتے تھے] اب بغیر جدید نکاح کے آپس میں نہیں مل سکتے۔ یہ طلاق کا مسنون طریقہ ہے اور دیکھ لیجئے کہ اس طلق اور مکرر ملاپ میں حنفی بزرگوں کے بنائے ہوئے حلالہ کا کوئی مرحلہ نہیں آتا بلکہ صرف جدید نکاح ہی کی

ضرورت ہوتی ہے اور بس- حنفی بھائیو! دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک ناپسندیدہ چیز یعنی طلاق کو کس مجبوری سے گوارا کیا ہے اور کتنی مدت تک اور کتنے مرحلوں اور کتنے مراتب کا سفر طے کر چکنے کے بعد زوجین کو ایک دوسرے سے الگ ہو چکنے کی اجازت دی ہے-

مگر آپ نے جن تین طلاق کو ایک منٹ کے اندر اندر تین طلاق قرار دے کر عورت کو مرد پر حرام کر دیا ہے- فرمایئے یہ کہاں تک اللہ اور اس کے رسولﷺ کی مرضی کے مطابق ہے؟ آپ نے وہ سارے مصالح ایک منٹ میں طے کر کے رکھ دیئے اور جس ہلاکت سے بچنے کو خدا تعالیٰ نے بہت سے مراحل اور مراتب تجویز کیے تھے آپ نے سب کی صف ایک منٹ میں لپیٹ کر رکھ دی اور خدا تعالیٰ کی مرضی پر اپنی مرضی غالب کی' رسول علیہ السلام کی سنت پر اپنی سوچ کو ترجیح دی- اس پر ظلم یہ کہ جب آپ نے ایک بیوی اپنے شوہر پر یکایک حرام کر دی تو رسول اللہ ﷺ تڑپ گئے- بے چین ہو کر آگے بڑھے اور فرمایا نہیں نہیں' یہ عورت ابھی مرد پر حرام نہیں ہوئی ہے ابھی اس کا نکاح باقی ہے- مرد نے غصہ سے ہی عورت کو تین طلاق کہہ دی تھیں' اصل میں یہ ایک ہی رجعی طلاق ہے یعنی عورت کو ابھی پہلے ہی نکاح پر واپس لے لینے کی گنجائش قائم ہے مگر حنفی مفتی صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی مداخلت کو سختی سے مسترد کر دیا اور بضد ہوئے کہ نہیں صاحب ہم تو اب حلالہ ہی کریں گے- فرمایئے یہ ہلاکت نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ تو وہی بات ہوئی کہ

مجھے روکے گا تو اے ناخدا کیا غرق ہونے سے
کہ جن کو ڈوبنا ہو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

دوسری ہلاکت

دوسری ہلاکت جس کے تصور سے ہی جسم و جان پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے- وہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی ہدایت کے مطابق مطلقہ عورت کو طلاق کے بعد تین حیض سے پاک

ہونے تک نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے' جیسا کہ فرمایا وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ۔ (پ ۲ع ۱۲)

کہ طلاق پانے والی عورتیں (عدت کے بطور) تین بار حیض کے پاک ہونے تک انتظار کریں (کیونکہ عدت کے پورے عرصہ میں ان کا نکاح ابھی بدستور ہی قائم ہوتا ہے۔ نکاح محض طلاق ہونے ہی سے ختم نہیں ہو جاتا بلکہ وہ عدت کے ختم ہونے پر ہی ختم ہوتا ہے۔ پس ایسی حالت میں نکاح کرنا نکاح پر نکاح ہے اور یہ حرام ہے۔

لیکن جب بیک وقت کی تین طلاق کو طلاق مغلظہ قرار دے کر حلالہ کی غرض سے کسی مرد کی تلاش جاری کر دی گئی۔ پھر جب کوئی مل گیا تو اس عورت مطلقہ کا نکاح کر دیا تو ظاہر ہے کہ یہ نکاح پر نکاح ہے کیونکہ اس طلاق کو صرف حنفی مفتی حضرات ہی طلاق مغلظہ کہتے ہیں' رسول اللہ ﷺ اس طلاق کو رجعی طلاق ہی قرار دیتے ہیں۔ جس میں اسی پہلے نکاح پر رجوع درست ہے اور یہ رجوع اسی لئے درست ہے کہ نکاح ابھی قائم تھا' اگر نکاح ختم ہو چکا تو رسول اللہ ﷺ حضرت رکانہؓ کو رجوع کا حکم کیوں دیتے! پھر جب اس حالت میں نکاح کیا تو وہ اس حکم کے خلاف ہے جہاں ارشاد ہوا کہ :

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (پ ۵ آیت اول)

کہ جو عورتیں ابھی دوسروں کے نکاح میں ہوں اُن سے نکاح حرام ہے اور ایسا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ جب نکاح ہوا ہی نہیں تو اُس مطلقہ عورت سے صحبت بغیر نکاح کے عمل میں آئی جو صریحاً زنا اور ایک بے بس عورت کی جبری آبروریزی کے ہی حکم میں ہے۔

تیسری ہلاکت

اس گمراہی کو قبول کرنے سے تیسری ہلاکت جو درپیش ہے وہ قرآن کریم کا

استخفاف اور اس کی توہین کا مجرمانہ فعل ہے کیونکہ حنفی فقہ نے اس غیر مسنون طریق طلاق کو اختیار کر کے قرآن پاک میں ذکر کردہ حلالہ کا مذاق اُڑایا ہے جبکہ حلالہ کی وہی صورت صحیح اور پاکیزہ ہے جو قرآن پاک نے بیان کی ہے۔

فقہ حنفی کے حلالہ کے بموجب شوہر کے منہ سے طلاق طلاق طلاق کے اچھلتے ہی حلالہ کرنے والا وحشی درندہ ایک بے قصور، مجبور و مقہور اور مظلوم عفیفہ کو اچانک و بوچ لیتا ہے کہ ادھر آؤ میں تجھے تمہارے شوہر کے لئے پھر حلال بنادوں۔

پھر رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں اُدھار پر لیا ہوا ایک سانڈھ اُسے محض اس جرم بے گناہی میں حلال بنانے لگ جاتا ہے کہ اُس کے شوہر نے اس عفیفہ کو تین بار طلاق کا کلمہ کہہ دیا تھا۔ لا حول ولا قوۃ

اس زانی مرد اور زنا کروانے والے بے غیرت شوہر کے بارے میں ہی اللہ کا رسول کا ارشاد وارد ہوا تھا کہ :

لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ [1] کہ حلالہ کرنے والے (زانی) اور جس (بے غیرت شوہر) کے لئے حلالہ کیا گیا دونوں پر رسول علیہ السلام نے لعنت فرمائی ہے۔

جبکہ قرآنی حلالہ جس کا ذکر ہو چکا ایک محفوظ عمل ہے اور کبھی شاذ ہی وقوع پاتا ہوگا۔ اس میں نہ عورت کو حلالہ کے لئے مجبور کیا گیا ہے نہ خاوند کو ہی حلالہ کروانے کا حکم ہے۔ عورت چاہے تو ساری زندگی اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ گزارے اور قرآنی حلالہ کسی شرط سے مشروط نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ غیر مشروط نکاح ہے، عورت کے لئے کوئی ضروری نہیں کہ وہ دوبارہ اپنے پہلے شوہر کی طرف واپس لوٹے۔ قرآن پاک کے بیان کردہ حلالہ کے نام پر اس ناپاک اور پلید فعل کا نام حلالہ رکھنا ہی قرآن پاک کی توہین ہے۔ اعاذنا اللہ منہا

---

[1] نسائی، ترمذی، احمد

جب دیارِ بُتوں نے تو خدا یاد آیا

اللہ تعالیٰ سب کی سنتا ہے اور بالآخر ایک مرحلہ آہی گیا کہ خدا تعالیٰ نے حلالہ کی درندگی سے زخم خوردہ آبروؤں کی چیخوں اور عصمت کے معصوم شکستہ آبگینوں کی فریاد سُن لی اور کچھ اچھے لوگ یہ سوچنے لگ گئے کہ ایک مجلس کی تین طلاق کے سلسلہ میں صحیح بات وہی ہے جسے حدیث پاک کے حوالے سے اہلحدیث نے بیان کیا ہے۔ جبکہ اُن سے اختلاف کرنے والے لوگ ضدی بھی ہیں اور کوتاہ اندیش بھی۔ اس سلسلہ میں پیش رفت کا شرف اہل مصر کو حاصل ہوا ہے۔

ادارہ دارالدعوۃ السلفیہ لاہور نے کچھ عرصہ قبل "مجموعہ مقالات علمیہ" کے نام سے ایک بے حد اہم دستاویزی کتاب شائع کی ہے جو بلاشبہ ایک عظیم اور اہم دستاویز ہی ہے۔ جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیک وقت کی تین طلاق کے زیرِ عنوان پوری دنیا کی تقلیدی سوچ تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے اور اس بارے میں اسلامی دنیا کے اندر اتنی زیادہ پیش رفت ہو چکی ہے کہ اب کسی بھی منصف مزاج غیر متعصب اور نیک دل مسلمان کو اپنے جامد اور بے جان تقلیدی ذہن کو حدیث رسول پاکؐ کے مطابق تبدیل کرنے میں کوئی مشکل باقی نہیں رہی۔

مصری حکومت نے پہل کی

اس دستاویز کے بموجب سب سے پہلے ۱۹۲۹ء میں حکومتِ مصر نے جامعہ ازہر کے علماء کے فتویٰ کی روشنی میں بیک وقت دی گئی تین طلاق کو ایک باقاعدہ قانون کے ذریعہ ایک رجعی طلاق قرار دے دیا اور پوری جرأت سے جامد سوچ کی ہولناک ظلمتوں میں ایک ایسا مینار نور تعمیر کر دیا جسے بجا طور پر حکومت مصر کا شرف ہی کہا جائے گا۔

دوسرے اسلامی ممالک

اسی دستاویز کے بموجب مصر کے بعد ۱۹۳۵ء میں حکومت سوڈان نے بھی ایک قانون کے ذریعہ مصری حکومت کی تائید کردی۔

۱۹۵۱ء میں حکومت اردن نے اپنے ہاں یہ قانون رائج کردیا۔

۱۹۵۲ء میں حکومت شام نے' ۱۹۵۸ میں مراکش نے' ۱۹۵۹ء میں عراق نے اور ۱۹۶۱ء میں حکومتِ پاکستان نے بھی اپنے اپنے ہاں یہ قانون نافذ کردیا۔ا۔

مولانا پیر کرم شاہ

مولانا موصوف پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت کے جج ہیں۔ بریلوی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک ماہنامہ "ضیائے حرم" کے ایڈیٹر بھی ہیں۔اس علمی دستاویز میں ان کا ایک فتویٰ بھی شامل ہوا ہے۔فرماتے ہیں :

بعض علماء (مثلاً اہلحدیث ناقل) کی رائے یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق سے بھی ایک ہی رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات میں علمائے ازہر نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔(صفحہ ۲۴۴)

پیر صاحب نے اس باب میں اپنا خیال ظاہر کرنے سے قبل مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر دلچسپ علمی بحث کی ہے۔ بالآخر اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر فرمائی ہے :

ناچیز کی ناقص رائے میں بھی بحالاتِ موجودہ علمائے مصر اور علمائے جامعہ ازہر کے فتویٰ کے مطابق ہی عمل کرنا بہتر ہے۔۲۔

۱۔ مجموعہ مقالات علمیہ صفحہ ۷۱

۲۔۱۔ مجموعہ مقالات علمیہ صفحہ ۲۷۱۔ ایضاً صفحہ ۲۴۷

ضرورت کی مجبوری

۱۹۲۹ء میں جب حکومت مصر نے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک رجعی طلاق قرار دے کر اپنی تقلیدی سوچ کو اجتہاد کے تابع کر دیا تو حکومت مصر کے اس اقدام سے جیسے پوری اسلامی دنیا میں بھونچال کی سی صورت پیدا ہو گئی اور بڑے بڑے جامد تقلیدی ذہن بھی اپنے مقام سے ہل گئے۔

مولانا مفتی کفایت اللہؒ مرحوم

مولانا موصوف دیوبند کے مفتی' احناف کے مشہور عالم اور بلند پایہ صاحبِ علم و خبر بزرگ تھے۔ان سے کسی نے اس بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہوئے ایک کہانی نما سوال کیا' سائل نے لکھا:

> ہمارے ہاں ایک حنفی نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاق دیں' پھر اس نے کسی اہلحدیث عالم سے مسئلہ دریافت کر کے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک رجعی طلاق قرار دے کر رجوع کر لیا اور وہ بیوی خاوند اسی پہلے نکاح پر حلالہ کئے بغیر بسنے لگے۔اس پر گاؤں والوں نے اسے اپنے سے الگ کر دیا اور اس کا بائیکاٹ کیا اور اسے کافر قرار دیا۔

اس سوال کے جواب میں مفتی صاحب فرماتے ہیں:

> ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تینوں کے واقع ہو جانے کا مذہب جمہور علماء کا ہے اور آئمہ اربعہ اس پر متفق ہیں۔آئمہ اربعہ کے علاوہ بعض دوسرے علماء اس بات کے بھی ضرور قائل ہیں کہ اس طرح

صرف ایک ہی رجعی طلاق ہوتی ہے' اہلحدیث کا بھی یہی مذہب ہے۔
حضرت ابن عباسؓ' حضرت طاؤسؒ اور حضرت عکرمہؒ اور حضرت ابن اسحٰقؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔
پس کسی اہلحدیث کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں اور نہ قابل مقاطعہ اور مستحق اخراج از مسجد ہے۔ ۱ ؎

مولانا عبدالحیؒ لکھنوی حنفی

مولانا مرحوم ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:
ایک مجلس کی تین طلاق حنفیہ کے نزدیک تین طلاق ہی ہوں گی اور بغیر حلالہ کے نکاح درست نہ ہوگا۔ مگر بوقتِ ضرورت اگر اس عورت کا اپنے اُسی خاوند سے جدا ہو سکنا دشوار ہو' اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو تو کسی دوسرے امام کی تقلید کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ۲ ؎

حنفی بھائیو! دیکھ لیجئے کہ ایک غلط اور غیر منطقی راہ اور ایک غلط رائے کو اختیار کر لینے کا نتیجہ کتنا افسوسناک ہے کہ بالآخر آپ کی بزرگوں کو بھی بعد از خرابی بسیار اہلحدیث کے مسلک کے مطابق ہی اپنی راہ کو تبدیل کر لینا پڑا کیونکہ فقہ حنفیہ کا اختیار کردہ عقیدہ نہ قرآن پاک سے ہموار تھا نہ سنتِ رسول علیہ السلام کے ہی مطابق تھا غیر منطقی بھی تھا غیر عقلی بھی تھا اور زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دے سکنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ حنفی اہل علم بزرگ صرف ایک غلط عقیدہ کو ترک کرنے پر ہی قناعت کر کے رہ گئے حالانکہ انہیں ایک غلط عقیدہ کو فقہ حنفیہ سے ہی خارج کر دینا چاہیے تھا۔ اسے ترک کرنا مگر پھر اسے چھپا لپیٹ کر رکھ لینا کوئی خوبی نہیں ہے۔

---

۱ ؎ اخبار "الجمعیۃ" دہلی ٦ شعبان ١٣٥٠ھ' ١٦ دسمبر ١٩٣١ء محمد کفایت اللہ کان اللہ مدرسہ امینیہ دہلی ۲ ؎ مجموعہ فتاویٰ عبدالحیؒ صفحہ ٢٤٧

مفقودُ الخبر

کی

بیوی کا مسئلہ

مفقود الخبر کی بیوی کا مسئلہ

جس عورت کا خاوند گم ہو جائے اور پھر اس کے بعد اس کا کوئی سہارا بھی موجود نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا مسئلہ ایک انسانی مسئلہ ہونے کے ساتھ لاتعداد دردناکیوں کا حامل بھی ہے۔ اور اگر اس کا کوئی سہارا موجود بھی ہو تب بھی اس کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے۔ اس خاتون کو کچھ علم نہیں کہ اس کا شوہر کسی دشمن کے ہتھے چڑھ گیا ہے جس نے اسے قتل کر کے اس کی لاش گم کر دی ہے اُسے کسی نے اغوا کر لیا ہے' یا وہ کسی دماغی خرابی یا عائلی ذمہ داریوں سے فرار اختیار کر کے خود گم ہو گیا ہے۔ نتیجہ سب صورتوں میں ایک ہی ہے کہ اس کی بیوی ایک تاریک مستقبل کے سپرد ہو گئی ہے اور زندگی کی متنوع دردناکیوں میں گھر گئی ہے۔ اور اگر اس خاتون کے بچے بھی ہوں اور سہارا بھی کوئی نہ ہو تو دردناکیوں کی مقدار مزید بڑھ جاتی ہے۔

یقیناً اس خاتون کا مسئلہ نہایت توجہ طلب ہے' جلد حل طلب ہے' کیونکہ جوں جوں اس کے شوہر کی گمشدگی کو دیر ہوتی جائے گی معاملہ زیادہ پیچیدہ بھی اور نازک بھی ہوتا جائے گا۔ اب وہ اپنی اس دردناک زندگی سے نجات حاصل کرنے کے لئے شرع شریف سے رہنمائی چاہے گی کہ اسے بتایا جائے کہ ایسی صورت میں جب اسے اپنے شوہر کے بارے میں یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے' نہ شوہر نے خود کبھی رابطہ پیدا کیا ہے۔ نہ خط نہ خبر نہ خرچ' کچھ بھی نہیں' اور کسی دوسرے ذریعہ سے بھی وہ اسے دریافت نہیں کر سکی تو اس حال میں شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ اسے اپنے گمشدہ شوہر کا انتظار کب تک واجب ہے؟ اور اس کی زندگی کی راہ کیونکر سیدھی ہو سکتی ہے؟ اور وہ اپنی زندگی کے راستہ کو کیونکر سیدھا کر سکتی ہے؟

اہلحدیث کا مسلک

اہلحدیث کا مسلک اس باب میں بڑا واضح ہے۔اس مسلک کے بموجب گمشدہ شوہر والی عورت چار برس تک اپنے گمشدہ شوہر کے انتظار کی مکلف ہے۔اس پورے عرصہ میں اگر اسے اپنے شوہر کے بارہ میں کچھ معلوم نہ ہوسکے نہ وہ خود ہی بالواسطہ یا بلاواسطہ رابطہ پیدا کرے تو قرار دیا جائے گا کہ وہ فوت ہوچکا ہے۔پس وہ عورت اپنے خاوند کی گمشدگی کی تاریخ سے چار برس تک انتظار کرے اور بیوگی کی عدت چار ماہ دس دن پورے کرکے جدید نکاح کے ساتھ اپنی زندگی کی راہ سیدھی کرسکتی ہے۔

اہلحدیث کی دلیل حضرت عمر بن الخطابؓ کا وہ ارشاد ہے جو حضرت سعید بن مسیبؓ کی روایت سے موطا امام مالک میں نقل ہوا ہے۔سعیدؓ کہتے ہیں :

أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ قَالَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ فَقَدَتْ زَوْجَهَا فَلَمْ تَدْرِ أَيْنَ هُوَ فَإِنَّهَا تَنْتَظِرُ أَرْبَعَ سِنِيْنَ ثُمَّ تَعْتَدُّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ثُمَّ تَحِلُّ۔ [1]

کہ جس عورت کا شوہر گم ہوجائے اور اسے کوئی پتہ معلوم نہ ہوسکے کہ وہ کہاں ہے تو وہ (اس کی گمشدگی کی تاریخ سے) چار برس تک اس کی واپسی کا انتظار کرے (پھر اُسے فوت شدہ قرار دے کر بیوگی کی عدت) چار ماہ دس دن گزارے اور (حسبِ پسند) نکاح کرلے۔

حضرت امام مالکؒ کا فتویٰ بھی اسی پر ہے اور حضرت امام شافعیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔اور ظاہر ہے کہ یہ ایک نہایت مختصر اور قابل عمل راستہ ہے اور آسان تر صورتِ فیصلہ ہے۔

---

[1] موطا امام مالکؒ جلد ۲ صفحہ ۷۰ مطبوعہ کارخانہ نور محمد کراچی

حنفی مسلک

اس باب میں ہمارے حنفی بھائیوں کا فتویٰ بڑا ہی عجیب' بڑا ہی پیچیدہ بڑا ہی بے درد اور نہایت درجہ نا قابل عمل ہے۔ ہدایہ شریف میں ہے:

فَاِذَا تم لَهٗ مِأَةٌ وَعِشْرُوْنَ سنة مِن يَوْم وَلَد حكمنا بمَوْتِهٖ قال وهذه رواية الحسن عن ابوحنيفه وظاهر المذهب يقدر بموت الاقران وفي المروى عن ابى يوسف بمأة سنة و قدره بعضهم بتِسْعِيْن [1]

حسن کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا جب گمشدہ شخص ایک سو بیس برس کی عمر کو پہنچ چکے تو ہم قرار دیں گے کہ وہ مر چکا ہے (اور بقول مصنف ہدایہ) یہ حکم دراصل گمشدہ شخص کے ہم عمروں کی موت کے اندازہ کے بموجب ہے (تاہم حضرت ابو حنیفہؒ کے شاگرد) قاضی ابو یوسفؒ کی روایت کے مطابق انتظار کی مدت (ایک سو بیس برس نہیں بلکہ) ایک سو برس تک ہے اور بعد (فقہا) نے انتظار کی مدت نوے برس بتائی ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

رعایت پر رعایت

ہدایہ کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ:

۱۔ گمشدہ شخص کی بیوی کے لئے حکم تو یہی ہے کہ وہ اپنے گمشدہ شوہر کا ایک سو بیس برس تک انتظار کرے۔ مگر ابو یوسف کی روایت کے بموجب اس مدت میں سے بیس برس نکال کر انتظار کے لئے ایک سو برس کی مدت طے ہوئی ہے۔

۱۔ عین الهدایه جلد ۲ باب المفقود صفحه ٦٢١ مطبوعه قانونی کتب خانه لاهور

۲- پھر کچھ اہل درد بزرگوں نے سو برس کے انتظار کو بھی بوجھ سمجھ کر یہ قرار دیا کہ گمشدہ شخص کی بیوی اپنے خاوند کے ہم عمر لوگوں پر نگاہ رکھے- جب وہ مر جائیں تو اسے بھی بیوہ قرار دے کر بیوگی کی عدت گزار کر جدید نکاح کی اجازت دے دی جائے گی-

۳- پھر یہ مشکل در پیش آئی کہ ایک عورت اپنے خاوند کے ہم عمر لوگوں کو کہاں کہاں تلاش کرتی پھرے گی اور ان کے کفن دفن کا کیونکر حساب رکھے گی- اسے آخری رعایت یہ دی جاتی ہے کہ وہ لوگوں کی قبروں کا شمار کرنے کی بجائے چپکی رہ کر اپنے گھر بیٹھی رہے اور مطمئن رہے کہ نوے برس گذر چکنے کے بعد اُسے بیاہ رچانے کی اجازت مل جائے گی اب وہ عفیفہ یہ فیصلہ سُن کر سوائے اس کے کیا کہے گی کہ آہ-

کئے اس پیار میں بھی آپ نے لاکھوں ستم ہم پر
خدا ناخواستہ گر خشمگیں ہوتے تو کیا کرتے

یہ دردناکی ہے یا لطیفہ؟

اب کوئی اس صورت حال کو دردناکی کہے یا لطیفہ' یہ کوئی المیہ ہے یا طربیہ کہ اٹھارہ برس کی عمر میں ایک خاتون کا شوہر گم ہو جاتا ہے- شوہر کی عمر اس گمشدگی کے وقت بیس برس تھی- اب یہ خاتون اپنے گمشدہ شوہر کو ایک سو بیس کی عمر تک پہنچانے کے لئے پورے ایک سو برس تک اس کا انتظار کرے گی اور اس عرصہ میں اس کی اپنی عمر ایک سو اٹھارہ برس تک پہنچ جائے گی- پھر جب اس کے منہ میں دانت اور پیٹ میں آنت کا جھگڑا ختم ہو چکے گا تو فقہ حنفیہ اسے ازراہ نوازش دُلہن بننے کی اجازت دے دی گی اور حنفی فقہ کے مفتی صاحب اب اُسے ہدایت کریں گے کہ دادی اماں! آپ بارات منگوانے کے لئے آزاد ہیں- لاحول ولا قوۃ الا باللہ-

حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گنہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں

رحم دلی مگر اپنا پرنالہ وہیں کا وہیں

کچھ زمانہ یونہی گذر چکنے پر کچھ درد مند حنفی فقہا کو اس مظلومہ کی بے بسی پر رحم آیا تو انہوں نے اُسے نوے برس تک ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجانے کے عذاب سے نجات دلانے کے لئے یہ راستہ اختیار کیا کہ اس مسئلہ میں حنفی فقہ کے فتوئی کو ترک کر کے امام مالکؒ کے مذہب پر عمل کیا جائے اور گم کردہ شوہر حنفی خواتین کو بھی اجازت دے دی جائے کہ اپنے گمشدہ شوہر کا چار برس تک انتظار کریں۔ اگر وہ اس عرصہ میں نہ لوٹے اور نہ اس کی کوئی خبر ملے تو وہ بیوگی کی عدت چار ماہ دس دن گذار کر نکاح کر سکتی ہیں۔[1]

مگر سوال یہ ہے کہ اس صورت میں فقہ حنفیہ کا کیا بنا' اس کا فتوئی کیا ہوا۔ اگر فقہ حنفیہ کا فتوئی صحیح تھا تو اسے ترک کیوں کیا گیا اور اگر غلط تھا تو اسے موخر کیوں کیا گیا' اُسے منسوخ کیوں نہیں کیا گیا؟

اس کے معنی یہ ہوئے کہ حنفی بزرگوں نے محض جگ ہنسائی سے بچنے کے لئے ہی یہ صورت قبول کی ہے ورنہ فقہ حنفیہ کے پرنالے کی سمت درست کرنا اُن کے پیش نظر نہیں ہے' بقول شاعر ؎

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

---

[1] ۔ ردالمختار علامہ شامی عمدۃ الرعایہ مولانا عبدالحئی لکھنوی جامع الرموز اور فتاویٰ رشیدیہ مولانا رشید احمد گنگوہی

تقلید

اور

مُقلّد

تقلید اور مقلّد

نبی ﷺ کے بجائے آپ کے کسی اُمّتی بزرگ کی غیر مشروط اطاعت کے لئے اپنے آپ کو خاص کر لینا اور صرف اُسی ایک کی سننا اور ماننا' نہ اس سے اس کی بات کی دلیل پوچھنا اور نہ اس کی بات پر خود غور کرنا بلکہ آنکھیں بند کر کے قدم بہ قدم اس کی پیروی کرنا تقلید کہلاتا ہے۔

اور جو شخص اس طرح ایک معین شخص کی پیروی کو اپنے لئے واجب کر لے اُس کو مقلّد کہتے ہیں۔

تقلید شخصی

ہم جب تقلید کی بات کرتے ہیں تو ہمارا مقصد اس سے تقلید شخصی پر ہی بحث کرنا ہوتا ہے کیونکہ تقلید دراصل بھی یہی ہے۔اس تقلید کے ساتھ خواہ شخصی کا اضافہ کیا جائے یا نہ کیا جائے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

کچھ اہل علم بزرگوں نے تقلید کی اور بھی کئی صورتیں بیان کی ہیں اور اس باب میں بہت سے بحثیں وارد ہوئی ہیں۔ مگر ہم اُن میں سے کسی کو بھی تقلید نہیں سمجھتے وہ محض علمی بحثیں ہیں جبکہ تقلید نہ کوئی علمی مسئلہ ہی ہے اور نہ اس کا کسی بھی درجہ میں علم سے کوئی تعلق ہی ہے۔ تقلید کو اس کے معنوی پہلو سے دیکھا جائے یا اصولی حیثیت سے ہم سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ کا انسانی برادری کے ساتھ سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔اور اگر ہمارے مقلد بھائیوں نے تقلید کو اپنے لئے واجب قرار نہ دے لیا ہوتا اور وہ خود کو مقلد کہنے اور کہلانے پر فخر نہ کرتے تو اللہ جانتا ہے ہم اس مسئلہ کا اپنی اس پیش نظر پیشکش میں ہرگز ذکر نہ کرتے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ تقلید کو اختیار کرنا انسانی عزتِ نفس کی سخت توہین ہے اور خود کو مقلد کہنا کہلانا تو اپنے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالنے کے مترادف ہے۔ اگر ہمارے مقلد بھائی اپنی رواجی عقیدت سے الگ رہ کر چند لمحوں کے لئے ہی ہماری گذارشات کو غور و فکر کا مرکز بنا سکیں تو ہمارا یقین ہے کہ وہ بھی بہت جلد اس حقیقت کو جان لیں گے کہ تقلید فی الواقع ہی نہ کوئی علمی مسئلہ ہے نہ انسانی مگر مشکل یہ ہے کہ غور و فکر کرنا مقلد کے فرائض کا حصہ ہی نہیں رہنے دیا گیا ہے۔

تین بڑی وجوہ

ہمارے نزدیک تقلید تین بڑی اور اہم بنیادی وجوہ سے نہ صرف قابلِ قبول نہیں بلکہ یکسر مسترد کر دینے کے لائق ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس کو مسترد کر دینا انسانی عزتِ نفس کی حفاظت اور اس کی بقاء کے لئے نہایت ضروری بھی ہے۔

تقلید کو مسترد کر دینے کی پہلی بڑی وجہ

تقلید جہالت محض ہے اور مومن جاہل نہیں ہوتا

علمائے اصول فقہ نے تقلید کی تعریف کرتے ہوئے بتایا ہے کہ:

فَلاخَلافَ بَيْنَ النَّاسِ اَنَّ التَّقْلِيْدَ لَيْسَ بِعِلْمٍ وَاَنَّ الْمُقَلِّدَ لَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ اِسْمُ الْعَالِمِ ؕ[1]

کہ اہل علم کے ہاں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ تقلید علم نہیں ہے اور مقلد کو عالم نہیں کہا جا سکتا۔

1۔ اعلام الموقعین ابن قیمؒ

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

انه ليس من اهل النظرِ ۱؎

کہ مقلد کسی درجہ میں اہل علم میں شمار نہیں ہوتا۔

حضرت امام شوکانیؒ لکھتے ہیں :

نفس المُقَلّد لَيْسَ عَلَى الْبَصِيْرَة وَلَا يَتَّصِفُ مِنَ الْعِلْمِ

یعنی تقلید کو اختیار کرنے کے لئے مقلد کا جاہل، بے عقل، بے شعور اور بے علم ہونا شرط ہے۔

حضرت سعدیؒ نے تو یہ خبر دی تھی کہ۔

اگر ز روئے زمیں عقل منعدم گردد
بخود گماں نبرد ہیچکس کہ نادانم

کہ عقل کا اگر روئے زمین سے تخم بھی مٹ جائے پھر بھی کوئی شخص اپنے آپ کو جاہل اور بے عقل سمجھنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ مگر ہمارے مقلد بھائیوں کا بڑا حوصلہ ہے اور بقول مرزا غالب۔

کیوں نہ ٹھہریں ہدفِ ناوکِ بیدار کہ ہم
آپ اُٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا جاتا ہے

حنفی اصولِ فقہ کی کتابوں میں مسلم الثبوت بڑا اونچا درجہ رکھتی ہے۔ اس کے مصنف نے تقلید کی تعریف میں کہا ہے :

اَلتَّقْلِيْدُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ حُجَّةٍ ۲؎

کہ کسی غیر نبی شخص کی بات کو بے طلب دلیل ماننے کا نام تقلید ہے۔

۱؎ فصل التفرقه بين الاسلام والزندقه ۲؎ مسلم الثبوت ص ۲۸۹

مصنف مزید رقمطراز ہیں :

اَمَّا الْمُقَلِّدُ فَمُسْتَنِدُهٗ قَوْلُ مُجْتَهِدِهٖ لَا ظَنُّهٗ ولا ظن [1]

کہ مقلد کے لئے سند صرف اس کے اپنے مجتہد کی بات ہی ہے وہ نہ اپنے مجتہد یا امام سے اس کی بات کی دلیل ہی طلب کر سکتا ہے اور نہ اس کی بات پر خود ہی غور کر سکتا ہے۔

حنفی بزرگ حضرت ملا علی قاری کا ارشاد ہے :

اَلتَّقْلِيْدُ قُبُوْلُ قَوْلِ الْغَيْرِ بِلَا دَلِيْلٍ [2]

کہ تقلید کسی غیر نبی اُمتی بزرگ کی بات کو بلا طلب دلیل ماننے کا نام ہے۔

ایک حوالہ مزید ملاحظہ ہو :

فَاَمَّا الْمُقَلِّدُ فَالدَّلِيْلُ عِنْدَهٗ قَوْلُ الْمُجْتَهِدِ [3]

کہ مقلد کی دلیل اس کا اپنا علم نہیں بلکہ اس کے مجتہد کی بات ہوتی ہے۔

مزید تسلی فرمالیجئے :

اَخْذُ قَوْلِ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ مَعْرِفَةِ دَلِيْلِهٖ [4]

کہ اپنے غیر نبی مجتہد کی بات کو اس کی بات کی دلیل جانے اور پہچانے بغیر مان لینا تقلید کہلاتا ہے۔

1۔ حوالہ مذکور

2۔ شرح عقیدہ امالی

3۔ توضیح شرح تلویح

4۔ جمع الجوامع جلد 2

علامہ اقبال نے مغربی تہذیب کے تجربوں سے نڈھال عورت کو پوچھ لیا تھا کہ بی بی! بہت تجربے کر چکی ذرا اتنا بتادے کہ ۔

کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادی نسواں کہ زمرد کا گلوبند!

مگر ہم اپنے اس بے زبان مقلد بھائی سے کیا پوچھیں اور کیونکر پوچھیں جس کی زبان پر مہر لگادی گئی ہے، جس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی ہے، جس کے کانوں میں روئی ٹھونس دی گئی ہے، جس کی سوچ پر پہرے بیٹھے ہیں جس پر عقل کے دروازے بند کر دیئے ہیں اور جس سے اس کا علم اور شعور بزور چھین لئے گئے ہیں۔ اور پھر اسے بھی اپنی اس بدحالی پر نہ کوئی افسوس ہے نہ اعتراض، ہم اس سے کیونکر پوچھیں کہ بھائی ۔

کس حال میں ہیں یارانِ وطن!

وہ تو اُن پرندوں کے گروہ میں نجوشی شامل ہے جن کے متعلق علامہ اقبالؒ نے خبر دی تھی کہ ۔

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

اس حالت میں ہم اپنے اس بھائی سے صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ ۔

اپنی خودی پہچان   او غافل افغان!

مقلد بھائیو! آپ جس جگہ کھڑے ہیں یہ کسی مومن کا مقام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کو جاہل بن کر رہنے اور بے عقل بن کر جینے کے لئے پیدا نہیں کیا اُس نے اُسے علم دیا ہے کہ اس سے کام لے، عقل دی ہے کہ اس کو استعمال کرے، شعور دیا ہے کہ بات کی گرہیں کھولے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ نعمتیں اس لئے نہیں دی تھیں، وہ ان کو فروخت کر ڈالے یا کسی کے پاس گروی رکھ دے۔

اللہ تعالیٰ نے مومن کو کنوئیں کا مینڈک نہیں بنایا کہ ہر پھر کے ایک ہی دائرہ میں چکر لگاتا رہے اور پھر وہیں جی بس کر مر جائے بقول ؎

ہر پھر کے دائرہ میں ہی رکھتا ہوں میں قدم
آئی کہاں سے گردش پرکار پاؤں میں

اللہ تعالیٰ نے مومن کو عالمگیر شناوری کی صلاحیتوں سے نوازا ہے اس نے تو محض انسان کو بھی احسن تقویم کے شرف سے نوازر کھا ہے اور مومن کا مقام تو بہت ہی بلند ہے ؎

پرے ہے چرخ نیلی فام کے منزل مسلماں کی

عزیزو! تقلید کی اندھیاری نے آپ کے مقام کو آپ کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا ہے۔ ذرا کروٹ بدلئے' اس ذہنی مرعوبیت کے حصار سے باہر نکلئے' اپنے آپ میں سنبھلئے' اپنے گردوپیش کا جائزہ لیجئے' اپنی قوت کا اندازہ کیجئے اور تقلید کی رسی کو اپنے گلے سے اتار پھینکئے کہ آپ اس لائق نہیں ہیں اس نے آپ کی سوچ کو بہت سکیڑ دیا ہے' آپ کی قوت کو محدود کر دیا' آپ کی صلاحیتوں کو زنگ خوردہ بنا دیا ہے' جبکہ مومن تو ہر اعتبار سے ہی بے حدود ہے۔ مرزا غالب کے یہ اشعار مومن ہی کے تو حسب حال ہیں کہ ؎

اک کھیل ہے اورنگ سلیماں میرے نزدیک
اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے
ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے
گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

اقبال نے اسی مومن کے بارے میں بتلایا تھا کہ ؎

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

بھائیو! آپ نے اپنی ذہنی اور فکری اسیری سے اپنا بڑا نقصان کیا ہے' اپنی شخصیت کی توہین کی ہے' اپنے تشخص کو مجروح کیا ہے' آپ نے تقلید کی دیواروں میں گھرے رقبہ کو

ہی اپنی دنیا سمجھ لیا ہے' جبکہ یہاں آپ کے لئے بڑی وسعتیں مہیا ہیں۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے

تقلید کے محدود کنویں سے نکل کر اُس وسیع سمندر کا جائزہ لیجئے جسے قدرت نے آپ کی شناوری کے لئے وجود بخش رکھا ہے' اپنی صلاحیتوں سے اپنے ماحول کی گھٹن کو عالمگیر اسلامی فکری انقلاب سے آشنا کریں' دوسروں کی فکر کا محتاج بن کر رہ جانے کے بجائے دوسروں کی فکر میں تبدیلی پیدا کیجئے۔

عزیزو! آپ ایک معین مجتہد کے علم کے اسیر بن کر رہ گئے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے پوری کائنات کو معمل کی صورت دے رکھی ہے اس نے آپ کو زمین و آسمان کی وسعتوں کو ناپنے اور اپنی قدرت کی کرشمہ کاریوں کا عرفان حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے' فطرت کے رازہائے مستور کی گرہوں کو کھولنے کے لئے وجود بخشا تھا مگر آپ نے اس آواز پر کان تک نہیں رکھا' آپ کو تو اس کائنات کو اپنے غور فکر کی چھلنی سے گزارنا تھا' مگر آپ خود ایک شخص کی چھلنی بن کر رہ گئے' جس کا کہنا صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی ہو سکتا ہے۔

یہ کتنے دُکھ کی بات ہے کہ آپ جو اس بات پر مامور تھے کہ خدا اور اس کی خدائی کی معرفت حاصل کریں' آپ خود اپنے آپ کو بھی پہچان نہ سکے۔ آپ نے اپنے جیسے ایک شخص کے کہنے پر جاہل بن کر رہنا تو قبول کر لیا اور عقل سے دستبرداری پر راضی ہو گئے۔ علم سے منہ موڑ لیا اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے الگ ہو گئے۔ آپ نے مان لیا کہ آپ کو علم کی ضرورت نہیں۔ ہمارے مجتہد کا علم ہی ہمارے لئے کافی ہے' مگر رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر بالکل کان نہیں رکھا جو آپ] نے فرمایا تھا

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ

کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کا فرض ہے

آہ عزیزو! اگر آپ کبھی دوسروں سے اپنے تقابلی جائزہ کا موقع پائیں تو آپ یہ دیکھکر حیران رہ جائینگے کہ امریکی اور روسی کافروں نے جب ایوان علم و تحقیق کی دیوار پر اپنی جدوجہد کی کمند پھینکی تو انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے فضاؤں کو محکوم اور خلاؤں کو مسخر کر ڈالا' وہ چاند میں اتر گئے اور مریخ کی تسخیر کا سوچ رہے ہیں---- مگر آپ جن کو اللہ تعالیٰ نے قوموں کی امامت سونپی تھی اور جن کو نوع انسانی کے لئے معلم بنا کر مبعوث کیا تھا؛ آپ نے کسی بزرگ کو بہانہ بنا کر خود اپنے آپ سے بھی دستبرداری دے دی' سبحان اللہ ۔

روس والے راکٹوں میں بیٹھ کر　　چاند کی جانب روانہ ہو گئے
داد کے لائق ہیں اپنے نوجواں　　کھا کے راکٹ جو سڑک پر سو گئے

کبھی کان رکھو تو آپ کو قرآن پاک کے صفحوں کے اندر سے یہ آواز سنائی دے گی کہ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کہ تم عقل سے کیوں کام نہیں لیتے اَوَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ تم کیوں سمجھتے سوچتے نہیں- اور خود نبی ﷺ کو بھی تاکید فرمائی کہ اپنے رب سے علم کی دولت مانگتے رہو اور کہا کرو رب زدنی علماً میرے رب! مجھے زیادہ سے زیادہ علم عطا فرما-

اور حد یہ ہے کہ قرآن کریم کافروں پر بھی تعجب کرتا ہے کہ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآن کہ بڑی عجیب بات ہے یہ لوگ قرآن کو اپنے غور و فکر کا محل ہی نہیں بناتے' مگر آپ ہیں کہ مومن ہو کر بھی غور و فکر اور عقل و شعور کی دولت سے دامن بچا کر نکل جانا چاہتے ہیں اور ایک غیر نبی اور اُمتی کے قول پر بھی غور و فکر نہ کرنے پر انگوٹھا لگا رکھا ہے' وہی بات ہوئی کہ ؎

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا
آسماں سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

تقلید کو مسترد کرنے کی دوسری بڑی وجہ

تقلید بدعت ہے

رسول اللہ ﷺ سے بدعت کی تعریف یوں وارد ہوئی ہے:

كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ کہ دین کے اندر داخل ہونے یا داخل کی جانے والی ہر نئی بات بدعت ہے 'بدعت گمراہی ہے اور گمراہی دوزخ کا مال ہے۔

بخاری شریف میں نبی ﷺ سے مزید وارد ہوا ہے۔

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ

کہ جس کسی نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات داخل کر دی جو پہلے سے موجود نہیں تھی تو (وہ بدعت ہے) اور ایک مردود بات ہے۔ بنا بریں بدعت ایک انتہائی خطرناک گمراہی ہے اور اس کے انجام کی ہولناکی میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ:

کسی بُرے سے بُرے گنہگار کی بخشش کی امید تو کی جا سکتی ہے مگر بدعتی کے بخشے جانے کی کوئی امید نہیں ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ گنہگار تو اپنے آپ کو بہر حال گنہگار ہی سمجھتا ہے اور اپنے گناہ کو گناہ ہی کہتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ کسی مرحلہ پر اس کے دل کی دنیا بدل جائے اور وہ اپنے گناہوں سے توبہ کر لے 'اپنے اللہ کی رحمت کا حق دار بن جائے۔

مگر بدعتی چونکہ اپنے فعل کو ثواب جان کر انجام دیتا ہے اس لئے جب وہ اُسے گناہ ہی نہیں سمجھتا تو اس کے تائب ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے اور ظاہر ہے وہ بدعت پر ہی

مر گیا- تو اس کے اُخروی ٹھکانے کی خبر تو رسول اللہ ﷺ پہلے ہی دے چکے ہیں اب اس کی بخشش کا بھی کیا سوال رہ گیا-

بدعتی کے مہلک انجام کے بارے میں ایک اور روایت بھی توجہ طلب اور لائق سماعت ہے جو قوی تر روایات کا توافق حاصل ہو جانے کی وجہ سے عبرت کی امین ہے- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا وَّلَا صَلٰوةً وَّلَا صَدَقَةً وَّلَا حَجًّا وَّلَا عُمْرَةً وَّلَا جِهَادًا وَيَخْرُجُ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِيْنِ [1]

کہ اللہ تعالی بدعتی شخص سے اس کا روزہ' نماز' خیرات' حج' عمرہ اور جہاد کوئی نیک عمل بھی قبول نہیں کرتا' اور وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال-

ایسے ہی اگر کوئی امر فی الواقع بھی بدعت ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی ہلاکت آفرینی کی وجہ سے عبرتناک انجام پر ہی منتج ہو گا' پھر کیا اہل بدعت کی یہ جسارت تعجب انگیز نہیں ہے کہ وہ بدعت کے خطرناک انجام اور خوفناک مہالک سے بھی آگاہ ہوں مگر اسے ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوں-

پس اگر تقلید بدعت ثابت ہوتی ہے تو مقلد حضرات کو اپنے ہلاکت خیز انجام سے بچنے کے لئے ابھی سے فکر مندی اختیار کرنے کی ضرورت ہے-

---

[1] ابن ماجہ

آؤ دریافت حال کریں

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ [1]

کہ سارے ہی زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے (اور میرے اصحابؓ کا) اس کے بعد اگلے لوگوں (یعنی تابعین) کا پھر اُن سے بعد والے لوگوں (تبع تابعین) کا۔

یہ تینوں زمانے پوری امت کے نزدیک انتہائی بابرکت زمانے ہیں اور بڑا درجہ رکھنے والے ہیں۔ کیونکہ یہ زمانے اُن لوگوں پر مشتمل تھے جنھوں نے یا تو بلا واسطہ رسول اللہ ﷺ سے اکتسابِ نور کیا یا پھر وہ لوگ تھے۔ جو ایک واسطہ سے حضور علیہ السلام سے مستفید ہوئے اور پھر زیادہ سے زیادہ قریبی واسطے والے وہ لوگ جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے والوں کے شاگردوں (تابعین) کی معرفت دینِ حق کی نورانیت سے اپنے دل و دماغ کو منور کیا اور ہمارے مقلد بھائی دل کے کانوں سے سُن لیں کہ تینوں ہی بابرکت زمانوں میں تقلید کا وجود کہیں نہیں پایا جاتا۔ ان لوگوں میں نہ کوئی تقلید کروانے والا موجود تھا نہ تقلید کرنے والا' سب لوگ جس سے چاہتے مسئلہ دریافت کر لیتے تھے۔

قدم بہ قدم

دین حق کی اصل نہاد اللہ تعالیٰ کے بعد اس کے رسول علیہ السلام کی ذات گرامی ہے' اور جو بات اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کی زندگی میں اُن کے دین کا حصہ نہیں بن سکتی تھی بلکہ

---

[1] ترمذی شریف

جب دین مکمل ہو چکا تو اس نے بعد ازاں دین میں دخل پایا- تو وہ حدیث پاک کے بموجب قطعی بدعت ہے- لیکن چلئے آپ رسول علیہ السلام کے دور کو حدیث پاک کی ہی روشنی میں خلفاء الراشدینؓ کے دور تک پھیلا لیجئے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ حضرت حسنؓ کی راہ حضرت معاویہؓ کی وفات تک پہنچ کر ۶۰ھ میں اختتام کو پہنچتا ہے- اس سے بھی آگے اس دور کو رسول اللہ ﷺ کے آخری صحابی حضرت ابو طفیل کی زندگی کی آخری سانس تک لے جایئے جنہوں نے باختلاف روایات ۱۱۰ ہجری میں وفات پائی ہے- ہم پورے اعتماد سے عرض کرتے ہیں کہ اس پورے عرصہ میں آپ مسلمانوں کے اندر تقلید کا کوئی پتہ نشان نہیں پائیں گے-

آیئے ایک قدم اور آگے چلتے ہیں

تابعین رحمہم اللہ تعالی کا دور بموجب حدیث پاک نبی ﷺ اور آپؐ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے بعد دوسرا بہترین دور ہے' یہ دور ۱۸۰ھ تک پھیلا ہوا ہے تبع تابعین رحمہم اللہ تاریخ اسلام کا تیسرا بہترین دور ہے' یہ دور ۲۲۰ھ تک چلتا ہے[۱] اور ہم بلا خوف تردید اعلان کرتے ہیں کہ تقلید ان دونوں ادوار میں بھی کہیں موجود نہیں ہے-

آخری قدم

اہلحدیث سے الگ مقلدین کے ہاں چار بزرگ حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ وہ بزرگ ہیں جن کو لوگوں نے اپنی اپنی جگہ بطور اپنے امام تقلید کے اختیار کر رکھا ہے-

احناف حضرت امام ابو حنیفہؒ کی بات سند مانتے ہیں' موالک نے حضرت امام مالکؒ

---

۱ - فتح الباری لابن حجر

کی بات کو اپنے لئے سند ٹھہرا رکھا ہے۔ شوافع کے ہاں حضرت امام شافعیؒ کا قول حجت ہے اور حنابلہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی بات کو سند قرار دیتے ہیں۔

یہی وہ چار بزرگ ہیں جن کی تقلید کا پٹہ ان چاروں مسالک فکر کے لوگوں نے اپنے اپنے گلے میں ڈال رکھا ہے۔ اب اصولی بات یہ تھی کہ اہل تقلید اپنی تقلید کے جواز میں ان بزرگوں کے ارشادات سے دلیل مہیا کرتے اور بتاتے کہ ان چاروں بزرگوں نے اپنی تقلید کا حکم دے رکھا ہے۔ مگر ایسی بھی کوئی بات ثابت نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ بلکہ اس کے خلاف ان بزرگوں سے تقلید کی نفی وارد ہوئی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی نہایت درجہ محققانہ تصنیف عقد الجید میں ان چاروں بزرگوں کے اقوال بڑی تفصیل سے ذکر کئے ہیں، جن کے بموجب ان چار آئمہ نے بھی اپنی تقلید سے لوگوں کو سختی سے منع کیا ہے اور مسائل دین کو قرآن پاک اور حدیث رسول علیہ السلام کی مدد سے سمجھنے کی تاکید کی ہے۔ یہاں ہمارے اپنے ملک میں چونکہ ہمیں حنفی حضرات سے ہی واسطہ پڑتا ہے اس لئے ہم یہاں صرف حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا ہی ایک ارشاد نقل کرتے ہیں۔ تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ احناف کے علاوہ دوسرے تینوں مسالک فکر کے لوگ ہمارے مخاطب نہیں رہے یقیناً وہ بھی بالکل احناف کی طرح ہی ہمارے مخاطب ہیں کیونکہ ان کے آئمہ تقلید سے بھی ایسے ہی اقوال وارد ہوئے ہیں جو ہم حضرت ابو حنیفہ سے نقل کر رہے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں:

سُئِلَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ اِذَا قُلْتَ قَوْلًا وَ کِتَابُ اللّٰہِ یُخَالِفُہٗ قَالَ اُتْرُکُوْا قَوْلِیْ بِکِتَابِ اللّٰہِ قِیْلَ اِذَا کَانَ خَبَرُ الرَّسُوْلِ یُخَالِفُہٗ قَالَ اُتْرُکُوْا قَوْلِیْ بِخَبَرِ الرَّسُوْلِ قِیْلَ اِذَا کَانَ قَوْلُ الصِّحَابَۃِ یُخَالِفُہٗ قَالَ اُتْرُکُوْا قَوْلِیْ بِقَوْلِ الصِّحَابَۃِ اھ[1]

---

[1] عقد الجید شاہ ولی اللہ ص ٦٦

کہ حضرت ابو حنیفہؒ سے پوچھا گیا (ہم آپ سے مسائل دریافت کرتے ہیں) لیکن اگر آپ کی بتائی ہوئی بات قرآن پاک کے خلاف پڑتی ہو تو آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کتاب اللہ کو اختیار کرو اور میری بات کو ترک کردو۔

سائل نے مزید بات چلائی کہ اگر آپ کی بات حدیث رسولؐ کے خلاف ہو تو پھر؟ آپ نے جواب دیا ایسی صورت میں بھی میری بات کو ترک کر دو اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر عمل کرو۔ سائل نے ایک قدم اور بڑھایا اور دریافت کیا اگر آپ کا قول اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کے قول کے خلاف پڑے تو ایسی صورت میں ہم کیا کریں؟ آپ نے جواب دیا اس صورت میں بھی میری بات ترک کر کے اصحاب رسول علیہ السلام کے مطابق عمل کرو۔

اب یہاں یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ ہمارے حنفی بھائی کہتے تو یہ ہیں کہ ہم حضرت ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں' مگر وہ اپنی اس تقلید کے ثبوت میں حضرت امام ابو حنیفہؒ سے کوئی سند پیش نہیں کرتے اور ان کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اُنھیں ایسا کوئی حکم دیا ہو' اُن کے نام کوئی وصیت چھوڑی ہو' یا اپنے کسی شاگرد کو ہی ایسی کوئی ہدایات کی ہو' بخلاف ازیں اُن سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ نہ انہوں نے اپنی تقلید کے لئے کسی کو کہا اور نہ وہ اس کو پسند ہی کرتے تھے۔ اُنہوں نے جو کچھ کہا ہے ہم حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے حوالے سے اوپر نقل کر چکے ہیں۔ ایسے میں ہم اپنے حنفی بھائیوں کے لیے سوائے دُعائے خیر کے اور کیا خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

یہاں ہم جو بات کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ جن آئمہ کی تقلید کی جاتی ہے اُن کی اپنی زندگیوں میں ایسی کوئی سوچ موجود نہیں تھی' اور مسلمانوں نے بھی اُن میں سے کسی کو اپنے لئے خاص نہیں کیا تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ۱۵۰ھ ہجری میں وفات پائی ہے۔ حضرت امام مالکؒ کا انتقال ۱۷۹ھ میں وقوع پایا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کی وفات ۲۰۴ھ کا

واقعہ ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ ۲۴۱ ہجری میں اللہ کو پیارے ہوئے ہیں۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ ان چاروں آئمہ رحمہم اللہ کی زندگی تک تقلید نامی کسی مسئلہ نے کہیں وجود نہیں پایا تھا۔

یعنی خود آئمہ تقلید کے زمانے میں بھی لوگ کسی ایک متعین شخص سے مسئلہ دریافت نہیں کرتے تھے' بلکہ اگر وہ لوگ ابو حنیفہؒ یا ان سے مستفاد کسی عالم کو پاتے تو اُسی سے مسئلہ دریافت کر لیتے تھے۔ امام مالکؒ مل گئے یا اُن کے حلقہ درس کے کسی عالم سے اتفاق ہو گیا تو اُنہی سے مسئلہ دریافت کر لیا۔ امام شافعیؒ مہیا ہو گئے اُن کا کوئی شاگرد میسر آیا تو اُنہی سے پوچھ لیا۔ اگر امام احمد بن حنبلؒ سے موقع مل گیا تو اُن سے پوچھ لیا' لوگ کسی بھی معین شخص سے مسئلہ پوچھنے کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ تحریر کرتے ہیں:

اَلنَّاسُ لَمْ یَزَالُوْا عَلٰی ذَالِکَ یَسْئَلُوْنَ مَنِ اتَّفَقَ مِنَ الْعُلَمَآءِ مِنْ غَیْرِ تَقْلِیْدِ بِمَذْھَبٍ ا؎

کہ لوگ کسی ایک معین شخص کے مذہب پر نہیں تھے بلکہ جس کسی عالمِ دین سے ملنے کا اتفاق ہوتا اُسی سے اپنا مطلب حاصل کر لیتے تھے۔

تقلید کب آئی؟

بات کی صراحت اور حق کی وضاحت کے بعد اب اس بات کا کھوج لگانے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کہ کسی بدعت نے کب وجود پایا۔ جب کوئی شے بدعت ٹھہری تو وہ جب بھی تخلیق پائی بدعت ہے اور اس سے بدعت کا ہی سلوک ہو گا۔ مگر بات کو سیدھا رکھنے کے لئے ہم بات کا رُخ بھی اپنے قارئین کے سامنے پیش کر دینا چاہتے ہیں' حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

ا؎ عقدالجید

فَاِنَّ اَهْلَ الْمِأَةِ الرَّابِعَةِ لَمْ يَكُوْنُوْا مُجْتَمِعِيْنَ عَلَى التَّقْلِيْدِ الْخَالِصِ عَلٰى مَذْهَبٍ وَّاحِدٍ ١؎

کہ چوتھی صدی ہجری کے لوگ بھی کسی ایک معین شخص کے مزہب پر جمع نہیں تھے اور اُن میں کسی خاص شخص کی تقلید کا کوئی خاص عقیدہ موجود نہیں تھا۔

یعنی بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس محترمہ کی ولادت کہیں پانچویں صدی ہجری کا واقعہ ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی مصنف تفسیر مظہری مشہور حنفی بزرگ ہیں وہ بھی اس تحقیق سے متفق ہیں' وہ خود مقلد ہیں مگر اس بات کو نہیں چھپاتے کہ تقلید کا وجود اسلام کے اندر چار صدیوں کے سفر میں موجود نہیں تھا۔ وہ کہتے ہیں :

فَاِنَّ اَهْلَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ قَدِ افْتَرَقَ بَعْدَ الْقُرُوْنِ الثَّلَاثَةِ اَوِالْاَرْبَعَةِ عَلٰى اَرْبَعَةِ مَذَاهِبَ ٢؎

کہ اہل السنۃ والجماعۃ چوتھی یا پانچویں صدی ہجری میں چار مذاہب (حنفی' مالکی' شافعی اور حنبلی) میں متفرق ہوئے ہیں۔

اور پھر جب یہ تقلیدی مذاہب حنفی بزرگوں کے نزدیک بھی چوتھی یا پانچویں صدی کی پیداوار ہیں۔ تو مقلد حضرات ہی بتائیں کہ اس تقلید کا پھر اس دین سے کیا تعلق رہا جس کو محمد ﷺ لائے تھے۔ اور اگر اس کا اس دین سے کوئی رشتہ نہیں مگر اس کے باوجود اس کو اختیار کرنا واجب ہے تو اس کا فیصلہ اب اہل تقلید ہی کریں کہ یہ دین میں نئی بات ہے یا نہیں ؟ اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر بدعت بھی تو اسی کو کہتے ہیں' پس آیئے اس باب میں نبی ﷺ کا ارشاد ایک بار پھر سن لیجئے کہ : كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدعَةٍ ضَلَالَةٌ

١؎ حجته الله البالغه ٢؎ تفسير مظهری

وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔ اور ٹیپ کے بند کے طور حضرت امام شوکانی کا یہ ارشاد بھی ساتھ شامل کر لیجئے کہ رَهُوَ فِيْ نَفْسِهٖ بِدْعَةٌ مُحْدَثَةٌ کی تقلید فنفسہ ایک بدعت ہے اور دینِ حق میں ایک نئی بات داخل کر دی گئی ہے۔ ا؎

تقلید کو مسترد کرنے کی تیسری بڑی وجہ

یہ انسانی برادری کا مسئلہ ہی نہیں ہے

انسان یا مویشی ! تقلید کو مسترد کرنے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کو اختیار کرنے والا انسانی برادری سے نکل کر مویشیوں' ڈھور ڈنگروں اور چارپایوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہ محترمہ اچھے بھلے آدمی کو بیل اور ڈھگا بنا دیتی ہے اور گھوڑوں' خچروں اور گدھوں کے ساتھ ملا دیتی ہے۔ پالتو جانوروں کی طرح آدمی کی گردن میں کسی کی اطاعت کا پٹہ ڈال دیتی ہے' پس تقلید انسانوں کا نہیں بھیڑ بکریوں' ڈھور ڈنگروں گائے بھینسوں' خچروں' گدھوں' گھوڑوں' اونٹوں اور کھونٹے پر باندھے جانے والے مویشیوں' شکاری درندوں اور دوسرے پالتو جانوروں کا مسئلہ ہے' اس کا انسانی برادری سے کوئی دُور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

اس کو اختیار کرنا انسانی عزتِ نفس کی توہین اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالنے کے مترادف ہے۔ ہمارے قارئین کو ہماری اس گفتگو سے تعجب ہو گا اور کچھ احباب شائد ثقالت بھی محسوس کریں گے' اور کچھ بزرگ شائد ناراض بھی ہوں' مگر ہم عرض کریں گے کہ یہ جو کچھ ہم نے عرض کیا ہے حقیقتِ حال یہی ہے اور یہ ساری تفصیل خود لفظ تقلید اور مقلد کے معنوں میں ہی مستور ہے یعنی صورت یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے دوسرے بھائی کو مقلد کہا تو اس نے گویا اُسے چوپایہ کہہ کر مہذب گالی دی۔ اگر کوئی شخص خود کو مقلد کہے گا تو گویا اس نے

ا؎ القول امفید للشوکانی

اپنے آپ کو اپنی زبان سے گھوڑا یا گدھا کہا' اونٹ مان لیا' اس نے خود کو ڈھگا کہا' بیل کہا' بھینسا کہا- تقلید کی اس تیسری وجہ استزار کی بحث درج کرتے خود ہمیں بھی دُکھ ہے لیکن مخلص مقلد بھائیوں کی عزت نفس کی تحریک کی غرض سے ہم یہ بحث درج کر رہے ہیں- پس واضح ہو کہ لفظ تقلید قلادہ سے ہے اور علم لغت کے بموجب قلادہ اُس پٹے کو کہتے ہیں جو جانور کا مالک اپنے جانور کو قابو میں رکھنے کے لئے اُس کی گردن میں باندھتا ہے- اور ظاہر ہے کہ گردن کا یہ پٹہ کوئی شرف نہیں ہے' کوئی عزت کا محل نہیں ہے' جسے آدم کا بیٹا اور اشرف المخلوقات انسان خود ہی اپنے گلے میں ڈلوائے اور اپنی گردن میں بندھوائے' جبکہ تقلید یہ پٹہ اپنی گردن میں ڈلوانے کو ہی کہتے ہیں- اور مقلد وہ ہے جس کے گلے میں کسی نے اپنا پٹہ ڈال رکھا ہو- اب اگر یہ پٹہ آپ گھوڑے یا گدھے کے گلے میں ڈالیں گے تو تقلید کے معنی کی رُو سے اس گھوڑے یا گدھے کو مقلد کہیں گے- یعنی پٹہ جس کے گلے میں بھی ہوگا اُسے بہر حال مقلد ہی کہیں گے خواہ وہ کسی دودھیل بھینس کے گلے میں ہو' کسی بیل یا بھینسے کے گلے میں ہو' یا کسی شکار مارنے والے پالتو جانور کی گردن میں ہو' عربی علمِ لغت کی رُو سے ان کو مقلد ہی کہا جائے گا-

یہ لفظ قلادہ قرآن پاک میں بھی انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے' جب فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ [1]

کہ اے اہل ایمان! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو' نہ حرمت والے مہینے کی حرمت کو ہی پامال کرو' نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ اُس جانور کی بے حرمتی کرو جس کے گلے میں اس کے مالک نے قربانی کی نشانی کے بطور پٹہ باندھ رکھا ہو-

---

۱- سورہ مائدہ

"المنجد" میں ہے 'قلادہ اس زنجیر یا مہار کو کہتے ہیں جو جانور کے گلے میں باندھی جاتی ہے 'اور مقلدوہ ہے جس کے گلے میں یہ زنجیر یا رسی باندھی گئی ہو۔

"منتخب اللغات" میں ہے۔ تقلید۔گردن بند در گردن خود انداختن کہ تقلید اپنی گردن میں پٹہ ڈالوانے یا رسی بندھوانے کو کہتے ہیں۔اور مصنف کتاب قلادہ کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔ چیزے در گردن ستور اور یختن از جہت علامت یعنی قلادہ وہ چیز (پٹہ یا رسی) ہے جسے بطور نشانی مویشی کی گردن میں باندھتے ہیں۔

مقلد کے ضمن میں لکھتے ہیں :

اسپ و شتر کی نشان ہدیٰ و علامت قربانی بر گردن آں بستہ باشند

کہ مقلد اُس گھوڑے یا اُونٹ کو کہتے ہیں جس کے گلے میں بطور نشانی ہدیٰ اور بطور علامت قربانی پٹہ وغیرہ بندھا ہو۔ صاحب "فردوس اللغات" لکھتے ہیں :

قلادہ گردن بند سگ و شتر یعنی سگ اور شتر کی گردن میں باندھے جانے والے پٹے کو قلادہ کہتے ہیں۔

"چراغ ہدایت" میں ہے : تقلید۔ پیروی گردن وگرے بغیر (طلب) دلیل (مقلد) مجازاً نقال یعنی بغیر طلب دلیل دوسرے کی پیروی کرنے کو تقلید کہتے ہیں اور لفظ مقلد مجازاً نقال یعنی دوسرے کی نقل اتارنے والے کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں۔اور ظاہر ہے کہ مقلد اپنے مجتہد کا نقال ہی ہوتا ہے۔

فقیر والی ضلع بہاولنگر میں "امام اعظم اکاڈمی" کے نام سے احناف کا ایک بڑا ادارہ قائم ہے 'جس کے شیخ الادب مولانا بشیر احمد قادری صاحب نے تقلید کی تعریف کرتے ہوئے تحریر کیا ہے : تقلید ایک نکیل اور لگام ہے [1]

اور یہ بات سب لوگ ہی جانتے ہیں کہ نکیل اُس رسی کو کہتے ہیں جو سرکش مویشی

---

[1] رسالہ ترک تقلید ص ۵ سطر اوّل

کی ناک چھید کر اس میں پرو دیتے ہیں تاکہ سرکش حیوان خوب ہی قابو میں رہے اور خر مستی نہ کر سکے۔ اور لگام اُس زنجیر یا رسی کو کہتے ہیں جو اسی مقصد سے گھوڑے وغیرہ کے منہ میں کس دی جاتی ہے۔ لفظ تقلید کی تعریف و توضیح میں اگر کوئی کسر رہ گئی تھی تو وہ حضرت عبداللہ بن المعتز نے یہ فرما کر نکال دی کہ : لافرق بین بھیمۃ تقاد وانسان یقلد۱؎ یعنی بلاشبہ چوپایہ اور مقلد انسان میں کوئی فرق موجود نہیں ہے۔ آہ ؎

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

یہ کوئی شرف نہیں ہے

مقلد کی اس تقلیلی اس واضح اور معنوی تفصیل سے آگاہی کے بعد بھی کہ مقلد کے معنی سوائے ڈھور ڈنگر اور چار پائے دوسرے کوئی موجود ہی نہیں ہیں۔ اگر کچھ بھائی اپنے آپ کو مقلد سمجھنے اور کہلانے پر بضد ہیں تو یہ ان کی حوصلہ مندی ہے۔ ہم ان کی خدمت میں سوائے اس کے کیا عرض کر سکتے ہیں کہ :

عزیزو! اشرف المخلوقات انسان کا اپنے آپ کو چار پایہ کہنا کوئی شرف والی بات نہیں ہے۔ چلئے آپ کسی اور کی نہ مانیے حضرت علامہ اقبالؒ تو ہمارا اور آپ کا مشترکہ علمی سرمایہ ہیں۔ انسان کی فطری حیات اس کے شخصی مراتب اس کی عزت نفس کا بڑا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں تو آپ کو اُن سے محبت بھی ہے، رغبت بھی ہے اور عقیدت بھی۔ آپ اُنہی کی بات مان لیجئے۔ جب اُنہوں نے فرمایا ؎

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی
رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

۱؎ ابن عبدالبر جلد ۲ ص ۱۱۴

اہل حدیث

کا

مسلک

اہلحدیث کا مسلک

آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

عزیز حنفی بھائیوں! ہم نے پیش نگاہ اپنی قلم کاری میں جگہ بہ جگہ اہل حدیث مسلک کی برتری کا ذکر کیا ہے اور جس کے بارے میں ہمارا قطعی یقین ہے کہ وہ اسلام کے ساتھ اپنی وابستگی ظاہر کرنے والے سارے ہی مسالک اور فقہی مذاہب کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی منشاء اور رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی صحیح ترین تعبیر کا حامل ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنی بات ختم کرنے سے پہلے اس مسلک کا مختصر سا تعارف بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔

کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کو اس مسلک کے جان سکنے کا کبھی موقع نہیں مل سکا ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ آپ کی صفوں میں موجود کچھ اہل غرض نے اپنی ضرورت سے اہل حدیث کے بارے میں آپ کو غلط معلومات دے کر اہل حدیث اور اُن کے مسلک سے نفور کر رکھا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس علم اور روشنی کے زمانہ میں یہاں کوئی شخص بھی ایسا گیا گزرا نہیں ہوگا جو اپنے بھلے بُرے یا حق اور ناحق میں تمیز نہ کر سکے۔ کمی صرف یہ ہے کہ اس مسلک کے بارے میں آپ کی معلومات کا ذریعہ صحیح نہیں رہا ہے۔

اپنے مسلک کا تعارف آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ اگر آپ نے اپنے مسلک کے ساتھ مسلک اہل حدیث کے تقابلی جائزہ کی زحمت گوارا کی تو آپ کو صحیح نتیجہ تک پہنچ سکنے میں کوئی بھی مشکل پیش نہیں آسکے گی انشاء اللہ۔

رسول اللہ ﷺ کی وصیت

واضح ہو کہ اہل حدیث کے مسلک کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی ایک نہایت اہم وصیت پر استوار ہوئی ہے جو آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی مجلس میں ارشاد فرمائی' فرمایا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَاتَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ ا؎

(لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ اپنی رب کے حضور میری حاضری کا وقت اب بہت قریب ہے' پس میری بات دل کے کانوں سے سن لو کہ) میں اپنے بعد تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں' تم جب تک ان دونوں چیزوں سے (مضبوطی کے ساتھ) چمٹے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو سکو گے۔ ان دو چیزوں میں سے ایک اللہ پاک کی کتاب (قرآن پاک) ہے اور دوسری چیز میری سنت ہے' میرا طریقہ ہے (جس پر میں نے تمہارے اندر اپنی پوری زندگی گزاری ہے)۔

عزیزان گرامی قدر! اہلحدیث کا مسلک بس یہی کچھ ہے' ان کی مساعی اور ان کی ساری جدوجہد کا محور یہی دو چیزیں ہیں' ان کی زندگی کے لیل و نہار کی ساری گردشیں' ان کی جدوسعی کے سارے پہلو' ان کی سانس کا ہر ہر نفس' ان کی سوچ کا ہر ہر رُخ اور ان کی حیات کی ہر کروٹ انہی دونوں چیزوں کے تابع ہے۔

اہلحدیث کی تعریف یہ ہے کہ وہ قرآن کا علمبردار ہے۔ جس ذات نے قرآن کو نازل کیا وہ اس کا پرستار ہے اور جس ذات گرامی پر قرآن اترا وہ اس کا فرمانبردار اور اطاعت

ا؎ موطا

گزار ہے- پس وہ یہی کچھ ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں، کسی کا نہیں، اور کسی کے لئے نہیں، اس کی زندگی انہی دو کے نفاذ کے لئے وقف ہے، انہی کے لئے اس کا جینا ہے اور انہی کے لئے اس کا مرنا ہے-

اہل حدیث کے اس مسلک کو شاعر نے بڑی خوبی سے صرف دو مصرعوں میں سمیٹ لیا ہے کہ ؎

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفےٰ برجاں مُسلم داشتن

حنفی بھائیو! کیا آپ کو اہل حدیث کے اس نصب العین کی صحت سے انکار ہے؟ کوئی اختلاف ہے؟

اور ارشاد رہو کہ کیا آپ کے اہل غرض نے کبھی آپ کی اطلاع میں یہ بات دی ہے کہ اہلحدیث کیا چاہتے ہیں؟ کبھی آپ کے علم میں آیا ہے کہ اہلحدیث کا نصب العین صرف کتاب و سنت کو غالب کرنا اور اُن کو نافذ کرنا ہی ہے؟

اس بات سے کسی کو بھی انکار نہیں یا کوئی بھی انکار کی جرأت نہیں کر سکتا کہ اسلام انہی دو چیزوں کا نام ہے- ان سے باہر جو کچھ بھی ہے، اچھا بھی ہو سکتا ہے، بہت اچھا بھی ہو سکتا ہے، نہایت اچھا بھی ہو سکتا ہے، مگر اُسے اسلام نہیں کہہ سکتے، اسلام صرف یہی دو چیزیں ہیں اور اہلحدیث کا یہی عقیدہ ہے، یہی نصب العین اور یہی ان کا مسلک ہے ؎

بس تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

اہلحدیث اپنے اس مسلک کی روشنی میں قرآن و سنت کے بعد کسی کی اطاعت کے قائل نہیں ہیں، وہ سب اچھے اور نیک شہرت رکھنے والے بزرگوں کی تکریم روا رکھتے ہیں، ان کا احترام ملحوظ رکھتے ہیں، ان کے نام کو سُن کر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں، مگر وہ ان کی بات وہی

مانتے ہیں جو قرآن وسنت کی ترازو میں پوری اترتی ہو' جو بات قرآن وسنت کی تکڑی میں نہیں تلتی وہ خواہ کسی کی بھی ہو' اہلحدیث اس کو مسترد کردیتے ہیں اہلحدیث کے نزدیک اطاعت صرف خدا اور اس کے رسول کی ہی واجب ہے ان کے علاوہ وہ کسی دوسرے کی اطاعت ہرگز واجب نہیں سمجھتے کہ ۔

بابا کے ہاں سے کون لایا
جس نے پایا یہیں سے پایا

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد

ارشاد باری ہے :

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ [۱]

کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (محمد ﷺ) کو (کتاب) ہدیٰ اور دینِ حق کے ساتھ (اس لئے) مبعوث کیا ہے کہ وہ اس کے ذریعہ اپنے اس دین (اسلام) کو دنیا بھر کے سارے دینوں پر غالب کردے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے دین کا ذکر کرتے ہیں اُسے وہ خواہ ہدیٰ کہیں یا دینِ حق یا کسی اور نام سے پکاریں تو دین سے اللہ تعالیٰ کا مقصود صرف اسلام ہی ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا پسندیدہ دین صرف اسلام کو ہی قرار دیا ہے۔ جیسے فرمایا : اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ کہ اللہ کے ہاں دین سے مقصود صرف اسلام ہی ہے۔

تو آیہ کریمہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کرنے سے اللہ تعالیٰ کا مقصود صرف اپنے دین یعنی اسلام کو ہی غالب اور نافذ کرنا ہے کسی دوسرے بزرگ اور غیر نبی کی

۱۔ پارہ ۱۰ ع ۱۱

جمع کردہ فقہ کو غالب یا نافذ کرنا مقصود نہیں ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کو رسولِ حق کے بھیجنے سے مقصود دینِ حق یعنی اسلام کو ہی غالب اور نافذ کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ اسلام کتاب و سنت کا ہی نام ہے' فقہ کو اسلام نہیں کہتے' خواہ وہ کسی نئے فرقہ کی فقہ ہو یا کسی پرانے کی۔ وہ فقہ خواہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نام سے ذکر کی گئی ہو یا اس کی جمع و ترتیب حضرت امام مالکؒ کے ہاتھوں ہوئی ہو' اسے خواہ حضرت امام شافعیؒ نے جمع کیا ہو یا اس کو حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے مرتب کیا ہو' وہ بہر حال قرآن و سنت سے الگ ہے اور وہ صرف فقہ ہے قرآن و سنت نہیں ہے' جبکہ اسلام صرف قرآن و سنت کا ہی نام ہے اور قرآن و سنت کے سوا کسی دوسری شے کو ماننے اور اس کی پیروی کرنے سے خود اللہ تعالیٰ نے ہی منع فرما رکھا ہے جب فرمایا:

اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ

کہ پیروی صرف اُس کی ہی کرو جو کچھ آسمان سے اُترا ہے' اس کے علاوہ اپنے دوسرے بزرگوں' ولیوں (اور اماموں) کی پیروی ہرگز مت کرو (کیونکہ بشریت کے دخل سے ان سے غلطی ہونے کا امکان اور تمہارے گمراہ ہو جانے کا خطرہ ہے)

اور ظاہر ہے کہ اپنے علم و قیاس سے مرتب کردہ فقہ خواہ وہ کسی بڑے نیک مرد اور بڑے عالم کی ہو' بہر حال انسانی تصنیف اور انسان کی ہی فکری جمع و ترتیب ہے' وہ وحی ربانی نہیں ہے' جبکہ جس شئے کو غالب اور نافذ کرنا اللہ تعالیٰ کو مطلوب و مقصود ہے' وہ وہی کتاب ہے جو قرآن کے نام سے آسمان سے اُتری ہے' اور وہی حدیث یا سنت رسول علیہ السلام ہے جو حکمت کے نام سے رسول اللہ ﷺ کو ودیعت کی گئی ہے۔

اور انہی دو کو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی منشاء کے ماتحت اللہ کی زمین پر غالب اور

نافذ کرنا اہلحدیث کا مسلک ہے اور یہ کوئی ایسی پیچیدہ بات نہیں ہے جو آپ کی سمجھ میں نہ آسکے۔

از بسکہ ہے فقیر کی اتنی ہی کائنات
دو پاؤں چلنے کے لئے کاندھے پہ اک گلیم

فرقہ نہیں
جماعت

فرقہ نہیں جماعت

ہمارے عام حنفی بھائیوں اور سادہ دل بزرگوں کو بعض اہل غرض نے یہ کہہ کر اہل حدیث سے بد ظن کر رکھا ہے کہ یہ لوگ اسلام کے اندر ایک نیا فرقہ ہیں اور اہل سنت میں داخل نہیں ہیں۔

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ اہلحدیث نہ صرف کوئی نیا فرقہ نہیں بلکہ وہ سرے سے فرقہ ہی نہیں ہیں اُن کو فرقہ کہنا یا بے خبری کی وجہ سے ہے یا تعصب کے سبب ہے۔

اہلحدیث کوئی فرقہ ہیں یا نہیں؟ اس کا فیصلہ کرنے کے لئے پہلے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ فرقہ کس کو کہتے ہیں؟

فرقہ کیا ہے؟

لفظ فرقہ فرق سے ہے' اور فرق فاصلے کو کہتے ہیں' اسی سے تفریق ہے' عربی لغات "مفرداتِ راغب" میں ہے: "تفریق شیرازہ کے بکھرنے اور اپنے اتحاد سے الگ ہو جانے کا نام ہے۔"

اسی طرح تفرق' تفرقہ' فرقت' فراق سب کے سب ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں اور سب کے معنی الگ ہونے' الگ رہنے' جدا ہونے اور اپنی اصل سے فاصلہ اختیار کر لینے کے ہیں۔

پھر اس علیحدگی پر قناعت کرنے اور اس فاصلہ کو قبول کر لینے کا نام فرقہ بندی ہے۔ اسلام ایک اجتماعی مزاج کا حامل مذہب ہے' اور جب ہم اسلام کے اندر فرقے کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کا یہ گروہ اسلام کی اصل یعنی کتاب و سنت سے فاصلہ کر گیا ہے اور پیچھے ہٹ گیا۔ پھر جس مقدار سے وہ کتاب و سنت سے فاصلہ کر جاتا

ہے اسی اعتبار سے اس کی رہنمائی کا مرکز بھی تبدیل ہو چکتا ہے' اس کا مرجع پھر کتاب وسنت نہیں رہتے بلکہ وہ اپنے آپ کو کتاب وسنت کے بجائے کسی دوسرے کی رہنمائی کے تابع کر دیتا ہے۔

فرقہ ایک عربی لغت ہے اور فرقے کی یہ تعریف جو ہم نے پیش کی یہ عربی علم لغت کے ہی بموجب ہے۔ فرقے کی اس تعریف کی روشنی میں ہم پوری اسلامی دنیا کے اہل علم کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اہل حدیث کو اس تعریف کے مطابق فرقہ ثابت کر کے دکھائیں اور ہم پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ یہ کام کسی سے نہیں ہو سکے گا اور کوئی نہیں کر سکے گا۔ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا

کتاب وسنت جہاں اسلام کی اصل ہیں وہاں اہلحدیث کی جان بھی ہیں اور یہ ان کو جان سے بڑھ کر عزیز ہیں' وہ اپنے مٹ جانے کی قیمت پر بھی انہی سے چمٹے رہے ہیں اور انہی سے چمٹے رہیں گے انشاء اللہ!

انہوں نے قرآن وسنت کے لئے ہی تو سب کو چھوڑ رکھا ہے' سب سے لڑائی مول لے رکھی ہے اور سب سے برا بنے ہیں' وہ بھلا ان کو کیونکر چھوڑ سکتے ہیں۔

نیا فرقہ ؟

باقی رہ گئی یہ بات کہ اہلحدیث ایک نیا فرقہ ہے' تو اس کا جواب اہلحدیث کے اس نام کے اندر ہی موجود ہے۔

یہ بات تو سب کو ہی معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام خدا تعالیٰ کی حدیث ہے' اور خدا تعالیٰ نے خود بھی اپنے کلام کو اپنی حدیث کہا ہے' جب فرمایا:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ (زمر) کہ خدا تعالیٰ نے (قرآن کو) اپنی بہترین حدیث کے بطور نازل کیا ہے۔

قرآن پاک کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی زبان سے بھی حدیث کے الفاظ وارد ہوئے ہیں- جب فرمایا: خَيْرًا لْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ کہ بہترین حدیث اللہ کی کتاب (قرآن) ہے-

اور رسول اللہ ﷺ کا کلام تو حدیث کے نام سے بہت ہی مشہور ہے- اس طرح اہلحدیث کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ کی کتاب اور رسول پاک کی حدیث کی پیروی کرنے والا شخص یا گروہ-

حدیث پاک میں پیروان کتاب و سنت کے لئے اہل السنۃ کا کلمہ بھی وارد ہوا ہے اس لئے اہل حدیث اہل السنۃ بھی ہیں بلکہ سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے صحیح اہل السنۃ اہلحدیث ہی ہیں- تاہم اہل السنۃ کے مقابلہ میں لفظ اہلحدیث زیادہ وسیع المعنٰی ہے کیونکہ اہل سنت کا معنی صرف سنت کی پیروی کرنے والے کے ہیں' جبکہ اہلحدیث قرآن و حدیث دونوں کی پیروی کرنے والے کو کہتے ہیں اور لفظ اہلحدیث ان دونوں کی پیروی کو محیط ہے- یہی وجہ ہے کہ اہل السنۃ کو اصحابؓ رسولؐ کے زمانہ میں ہی لوگ اہلحدیث کہنے لگے تھے بلکہ ذیل کی روایت سے یہ تاثر ملتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ہی حدیث کے طلاب اور علماء کو اہلحدیث کا لقب دیا تھا-

حضرت خطیب بغدادیؒ اپنی شہرہ آفاق اور عظیم المرتبت تصنیف "شرف اصحاب الحدیث" میں صحابی رسولؐ حضرت ابو سعید خدریؓ سے بواسطہ ابن الفضل نقل کرتے ہیں:

إِذَا رَأَى الشَّبَابَ قَالَ مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُوَسِّعَ لَكُمْ فِي الْمَجْلِسِ وَأَنْ نُفْهِمَكُمُ الْحَدِيْثَ فَإِنَّكُمْ خُلُوْفُنَا وَأَهْلُ الْحَدِيْثِ بَعْدَنَا-

کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت ابو سعید خدریؓ جب حدیث کے نوجوان طلبہ کو دیکھتے تو (خوشی سے اُچھل جاتے اور) اُنھیں مخاطب کر کے کہتے تمہیں رسول اللہ ﷺ کی یہ وصیت مبارک ہو (جو حضور علیہ السلام نے تمہارے حق میں فرمائی) آپ ﷺ نے ہمیں حکم دے رکھا ہے کہ ہم تمہارے لئے اپنی (درس و تدریس کی) مجلسوں میں فراخی پیدا کریں (پاس بٹھائیں' اور تمہیں رسول اللہ ﷺ کی احادیث سمجھائیں کیونکہ ہمارے بعد تم ہمارے جانشین ہو' اور تم ہی اہلحدیث ہو۔

یاد رہے جس طرح قرآن پاک میں آتا ہے کہ سارے اچھے نام اللہ کے لئے زیبا ہیں ٹھیک ایسے ہی اس کے بندوں کو بھی یہ رعایت حاصل ہے کہ انھیں بڑھ بڑھ کر اچھے ناموں سے یاد کیا جائے۔

بنا بریں اہلحدیث کے لئے اہل السنۃ اور اہلحدیث کے علاوہ صلحاء امت نے اور بھی اچھے اچھے نام تجویز کر رکھے ہیں اور ان سب سے مقصود اہلحدیث کا ذکر ہی ہوتا ہے' اہلحدیث کے اُن اچھے ناموں میں ایک نام اصحاب الحدیث بھی ہے اور اہلحدیث کو اہل الاثر کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔[1]

قدامت اہلحدیث

اہلحدیث کی قدامت کے ثبوت میں لفظ اہلحدیث ہی کفایت کرتا ہے یعنی جب یہ بات واضح ہے کہ اہلحدیث اُسے کہتے ہیں جو قرآن اور حدیث کا پیروکار ہو تو ظاہر ہے کہ جب قرآن پاک کی پہلی آیت کریمہ اللہ کی حدیث کے بطور دنیا میں نازل ہوئی تو اس پر عمل کرنے

۱۔ غنیۃ الطالبین' حضرت عبدالقادر جیلانی

والا پہلا شخص اہلحدیث ٹھہرا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن پاک پر سب سے پہلے عمل کرنے والی ذاتِ گرامی خود رسول اللہ ﷺ کی ہے' تو اس لحاظ سے رسول اللہ ﷺ سطح ارض پر پہلے اہلحدیث تھے۔ پھر جب رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے رسول بننے کے بعد لوگوں کو اپنی طرف بلانے کیلئے پہلا کلمہ منہ سے نکالا تو یہ حدیثِ رسولؐ تھی اور جس نے سب سے پہلے حدیثِ رسولؐ کو سر آنکھوں پر لیا اور اس کی تعمیل کی وہ دوسرا اہلحدیث تھا اور سب جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی سب سے پہلے جس شخصیت نے تصدیق کی وہ حضرت ابو بکرؓ صدیق کی ذات گرامی تھی۔ اس طرح رسول اکرمؐ کے بعد دوسرا جو شخص اہلحدیث بنا وہ صدیق اکبرؓ تھے۔ اور پھر جس جس نے آپ کے کلام کو پایا اور اس پر عمل کیا وہ سب اہلحدیث تھے' کیونکہ اہلحدیث اسی کو کہتے ہیں جو قرآن اور حدیث دونوں کی پیروی کرے' اور پھر بعد میں بھی جس نے اور جس زمانہ میں بھی قرآن اور حدیث کی پیروی اختیار کی وہ اہلحدیث ہے۔ گویا جس دن قرآن اور حدیث نے اس دنیا میں وجود پایا اہلحدیث نے بھی ٹھیک اُسی دن وجود پا لیا تھا۔

ایک منقولی بات

اہلحدیث کی قدامت کے باب میں اس داخلی ثبوت کے بعد اگرچہ کسی دوسری دلیل کی حاجت نہیں ہے لیکن معترضین پر اتمامِ حجت کے پیش نظر شائد بات کا یہ پہلو بھی سامنے لانا مناسب ہو کہ اہلحدیث اور ان کے مسلک کا ذکر خود حنفی فقہ کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ تاہم یہاں ہم اس باب میں زیادہ تفصیل میں نہیں جائیں گے۔ یہ بحث ہم کس قدر تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "الجماعۃ" میں پیش کر چکے ہیں' مقصود صرف اتمامِ حجت ہے' بنابریں یہاں ہم صرف دو تین امثلہ پر ہی کفایت کریں گے۔

درخانہ اگر کس ست یک حرف بس ست

☆ مشہور اہلحدیث بزرگ حضرت سفیان بن عیینہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ہم

عصر بھی تھے اور ہم نشیں وہم قریں بھی۔ کسی نے اُن سے دریافت کیا کہ تم اہلحدیث کیونکر بنے؟ فرمانے لگے یہ سب ابو حنیفہؒ کی مجلس کی برکت ہے' مجھے اُنہی کی صحبت نے اہلحدیث بنا دیا۔[1]

☆ فقہ کی مشہور کتاب تلویح شرح توضیح میں علامہ تفتازانی ایک بحث کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ:

وَعَلَيْهِ عَامَّةُ اَهْلِ الْحَدِيْثِ وَالشَّافِعِيَّةُ[2]

کہ اس بارے میں اہلحدیث اور شوافع کا بھی یہی خیال ہے۔

☆ ردالمحتار شرح درِ مختار میں علامہ شامی نے تیسری صدی کے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ جب کسی حنفی نے ایک اہلحدیث شخص کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا تو لڑکی کے باپ نے اس شرط پر رشتہ کی ہاں کی کہ تم اہلحدیث مسلک اختیار کر لو اور نماز میں سینے پر ہاتھ باندھو' فاتحہ خلف الامام اور آمین بالجہر کو اپنا معمول بنالو۔ یہ بات عام ہوئی اور کسی نے بھی بُرا نہ مانا۔ قاضی جوزجانی کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوا اور بقول علامہ شامی یہ شرط پوری کر دی گئی اور نکاح عمل میں آگیا۔

اس کہانی کے ذکر سے مقصود صرف یہ ہے کہ جس اہلحدیث گروہ کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے عہدِ صداقت عہد سے حنفی بزرگوں حنفی صلحاء اور حنفی آئمہ کے ذریعہ پوری دنیا تک پہنچ چکا اُسے نیا فرقہ کہنا کھلی نادانی بھی ہے اور انتہائی بے انصافی بھی۔

اس بات کا دوسرا رُخ بھی ہے

اہلحدیث تو اس لئے اسلام کے اندر فرقہ نہیں ہیں کہ وہ اسلام کی اصل سے چمٹ رہے ہیں اور وہ اصل جس کو دوسرے سارے ہی لوگ بوجوہ چھوڑ گئے ہیں وہ اہلحدیث کے

۱۔ حدائق الحنفیہ مصنفہ مولانا فقیر محمد حنفی صفحہ ۱۲۴ ۲۔ تلویح توضیح جلد ۲

دامان دل کی دولت ہے' لیکن اگر کسی کو اسلام کے اندر فرقوں کی تلاش ہو تو آیئے ہم ان کی نشاندہی کئے دیتے ہیں۔

ہم اپنے حنفی بھائیوں سے ہی پوچھتے ہیں کہ جو شخص کتاب وسنت کے مطابق عمل کرے اور اُنہی کے کہنے پر چلے ظاہر ہے وہ تو اہل سنت ہی ہے اور اہل سنت کہلانے کا حقدار ہے لیکن جو کتاب وسنت کے بجائے حنفی فقہ پر عمل کرے اور ریافت طلب مسئلہ حنفی فقہ سے ہی دریافت کرے' وہ کس رشتہ سے اہل سنت ہے اور اہل سنت کہلانے کا کس طرح حقدار ہے۔ پھر جب وہ قرآن پاک اور حدیث رسول کے بجائے امام ابو حنیفہؒ کے نام پر بنائی گئی فقہ پر عمل کرتا ہے تو کیا وہ اسلام کی اصل سے ہٹ نہیں گیا؟ اسلام کی اصل تو کتاب اور سنت تھیں مگر اُس نے فقہ حنفیہ کو اختیار کر رکھا ہے۔ کیا یہ بات آپ کے لئے نا قابلِ فہم ہے کہ فرقہ وہی ہے جو کتاب وسنت سے ہٹ کر اور الگ رہ کر دوسرے کسی سے رہنمائی حاصل کرے۔ تو فرمایئے اسلام کے اندر فرقہ اہل حدیث ہیں یا خود حنفی لوگ ہی وہ فرقہ ہیں جو اصل اسلام سے فاصلہ کر گئے ہیں۔ اہل حدیث کا مطلب ہے خدا کی حدیث اور رسول علیہ السلام کی حدیث کا پیروکار کیونکہ قرآن خدا کی حدیث ہے اور کلامِ رسولؐ رسول علیہ السلام کی حدیث ہے' اور جو ان کی پیروی کرے گا' وہ ضرور اہلحدیث کہلائے گا اور یہ اس کا قانونی حق ہے۔ اسی طرح اہل سنت وہ ہے جو سنتِ رسول علیہ السلام پر چلتا ہے لیکن جو شخص قرآن اور حدیث کے بجائے فقہ ابو حنیفہؒ پر چلتا ہے وہ حنفی ہوا اہل سنت کیونکر ہوا؟

اگر اہل سنت کہلانے والے لوگ سنت پر عمل نہیں کرتے تو وہ اہل سنت کہلانے کا حق کیونکر حاصل کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے جب وہ حنفی فقہ پر عمل کرتے ہیں تو اُنہیں حنفی کہا جائیگا اُنہیں' اہل سنت کہنا صحیح نہیں ہے۔

محمد ﷺ قرآن لائے تھے' قرآن پر چلتے رہے اور ان کی زندگی کا ہر نقش ان کی سنت کہلایا' اہلحدیث اُسی قرآن کو اور رسول اللہ کی سنت کے پیروکار ہیں' جبکہ حنفی ابو حنیفہؒ کی

رائے کو اسلام سمجھتے ہیں اور اسی کو اسلام قرار دے کر اس کی پیروی کرتے ہیں' یہ کوئی ایسا مشکل مسئلہ نہیں جو حنفی حضرات کی سمجھ میں نہ آسکے' اس کو ایک لطیفہ ہی کہنا چاہیے کہ ہمارے ہاں جو لوگ اہل سنت ہیں ان کو اہل سنت سے خارج سمجھا جاتا ہے اور جو قرآن اور سنت سے الگ کسی دوسرے کی پیروی کرتے ہیں وہ اہل سنت کہلاتے ہیں یعنی۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

حنفی حضرات سے ایک سوال

ہم اپنے حنفی بھائیوں سے ہی پوچھتے ہیں کہ جب حنفی فقہ کا حکم یہ ہے کہ :

فَاَمَّا الْمُقَلِّدُ فَالدَّلِيْلُ عِنْدَهٗ قَوْلُ الْمُجْتَهِدِ فَالْمُقَلِّدُ يَقُوْلُ هٰذَا الْحُكْمُ وَاقِعٌ عِنْدِىْ لِاَنَّهٗ اَدّٰى اِلَيْهِ رَأْىُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَكُلُّ مَا اَدّٰى اِلَيْهِ رَأْيُهٗ فَهُوَ وَاقِعٌ عِنْدِىْ ا؎

کہ مقلد کی دلیل صرف اس کے امام کا قول ہی ہے- مقلد صرف یہی کہے گا کہ صحیح مسئلہ یہی ہے (جس پر میں عمل کر رہا ہوں) کیونکہ ہمارے امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہی ہے اور میرے نزدیک صحیح بات صرف وہی ہو سکتی ہے جو میرے امام ابو حنیفہؒ سے وارد ہوئی ہو (خواہ وہ قرآن اور حدیث کے مطابق نہ بھی ہو- ناقل)

تو اس صورت میں حنفی حضرات ہی بتائیں کہ جب وہ بہر حال بات وہی مانیں گے اور اسی کو صحیح سمجھیں گے جو امام ابو حنیفہؒ سے وارد ہوئی ہو تو اہل سنت کس رشتہ سے بنے ؟

ا؎ تلویح شرح توضیح

سنت اور امام میں اختلاف پیدا ہو تو مقلد سنت کو ترک کر کے امام کو اختیار کرے گا۔اور اگر وہ پھر بھی اپنے آپ کو اہل سنت ہی سمجھتا ہے تو معاف کیجئے گا اس کے دماغی معائنہ کی ضرورت ہے۔اب یہ عجیب ہی بات ہے کہ حنفی بھائی پھر بھی اہلحدیث کو ہی فرقہ کہتے ہیں جبکہ فرقے کی صحیح تعریف پوری طرح خود انہی پر صادق آتی ہے 'پس ؎

نگاہ نکلی نہ دل کی چور زلف عنبریں نکلی

اِدھر لا ہاتھ مٹھی کھول یہ چوری یہیں نکلی

یعنی ؎ میں الزام اُن کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

تصویر کا پچھلا رُخ

بریلوی المسلک حنفی

ہمارے ہاں پاکستان میں حنفی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ دو گروہوں میں پائے جاتے ہیں:

۱۔دیوبندی حنفی

۲۔بریلوی حنفی

ہم نے اب تک اپنی اس کتاب میں جتنی گذارشات بھی پیش کی ہیں ان کا تعلق حنفی مکتب فکر کے ان دونوں ہی گروہوں سے تھا اور دونوں ہی بیک وقت ہمارے مخاطب تھے۔کیونکہ یہ لوگ اگرچہ آپس میں تو قلوبھم شتی کے ضمن میں ہی آتے ہیں۔اور حد یہ ہے کہ بریلوی المسلک حنفی اپنے ہی دوسرے بھائی دیوبندی حنفیوں کو کافر گمراہ اور جہنمی تک کہتے ہیں۔لیکن جب کبھی رفع الیدین یا فاتحہ خلف الامام کی بات چلتی ہے تو یہ دونوں اہلحدیث کے مقابلہ میں بالکل اکٹھے ہوتے ہیں۔مگر ذیل میں ہم جو چند باتیں پیش کر رہے ہیں ان کا تعلق بالخصوص بریلوی المسلک احناف سے ہی ہے۔

دیوبندی گروہ کے لوگ علمی مزاج کے حامل ہیں اگرچہ ان کا علم بھی تقلید کے دروازہ پر پہنچ کر اپنی سانس روک لیتا ہے مگر بریلوی المسلک عموماً ہی غیر علمی معتقدات سے وابستہ ہیں۔اس لئے اہلحدیث کے بارہ میں ان کے اٹھائے ہوئے نکات بھی علمی نہیں ہیں بلکہ بالکل سطحی اور ناواقفیت کی بنیاد پر ہی استوار ہوئے ہیں۔لیکن چونکہ ان لوگوں نے ان کو دھکے سے ہی علمی بنالیا ہے۔اس لئے ہم اس مسلک فکر کے لوگوں کی خدمت میں الگ ہی اپنی گذارشات پیش کر کے ان سے انصاف کے طالب ہیں۔

یہ ایک بہتان ہی ہے

اہلحدیث کے بارے میں یہ بات بڑے زور سے کہی جاتی ہے کہ مسلک اہلحدیث کا بانی کوئی عبدالوہاب نامی شخص ہے جو نجد کا باشندہ تھا اور پھر اس عبدالوہاب کے نام کی نسبت سے ہی اہلحدیث کو وہابی کہا جاتا ہے۔اور ان لوگوں نے اس لفظ وہابی کو اتنا خطرناک بنادیا ہے کہ عوام کالانعام وہابی کے نام سے ہی بدک جاتے ہیں۔اور اگر کسی کو وہابی کہہ دیا جائے تو یہ لوگ اس کی بات تک سننے سے انکار کر دیتے ہیں خواہ وہ قرآن پڑھ کر سنائے یا حدیث پاک کا ذکر کرے۔بس اس کی بات نہ سننے کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ وہ وہابی ہے۔یہ بالکل وہی صورت ہے جو رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں پیش آئی تھی۔قرآن پاک کی روایت کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ اہل مکہ کو قرآن سناتے تو مکہ کے بڑے لوگ اپنے عوام کو قرآن کے پیغام کو ناکام بنانے کے لئے طریقہ بتاتے کہ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ کہ لوگو! اس قرآن کو ہر گز نہ سنو بلکہ (اگر کبھی ایسا اتفاق آہی پڑے تو) سب کے سب شور و غل کرنے لگ جایا کرو (اس طرح محمد کا اثر باطل ہو جائے گا اور) تم غالب رہو گے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی علمی طریقہ نہیں ہے جس پر فخر کیا جاسکے۔جبکہ صورت

حال یہ ہے کہ جن لوگوں نے عبدالواہاب نامی کسی نجدی کو اہلحدیث کے مذہب کا بانی ظاہر کیا ہے' ان کو اس کا صحیح نام تک معلوم نہیں یعنی یہ سب کچھ سنی سنائی باتوں' بے خبری اور جہالت کا ہی کارنامہ ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس شخص کا صحیح نام محمد بن عبدالواہاب تھا' یعنی وہ عبدالوہاب نہیں بلکہ عبدالوہاب کا بیٹا تھا۔ اب اگر کسی نے اس کے نام پر ہی اہلحدیث کا نام رکھنا تھا تو صحیح یہ تھا کہ ان کو محمدی کہا جاتا مگر اس کے لئے بڑی اخلاقی جرأت چاہیے وہ ان لوگوں کو کہاں نصیب۔ لہذا اہلحدیث کے حق میں ایک مبارک کلمہ صادق آجانے کے خوف سے اس کے باپ کا نام استعمال کر لیا۔

یہ عبدالوہاب کون تھا؟

ہمارے قارئین یہ سن کر حیران رہ جائیں گے کہ جس شخص کو اہلحدیث کا پیشوا بتلایا گیا ہے اُسے خود حنفی بزرگ بھی اپنے جیسا مقلد مانتے ہیں جبکہ اہلحدیث کو غیر مقلد کہا گیا ہے' پھر غیر مقلد لوگ کسی مقلد کو اپنا پیشوا کیونکر بنا سکتے تھے۔ حنفی بزرگ علامہ شامیؒ ردالمختار شرح در مختار میں لکھتے ہیں:

كانوا (اى عبدالوهاب واتباعه) ينتحلون مذهب الحنابله اھ

کہ عبدالوہاب نجدی اور اس کے پیروکار حنبلی مذہب کے مقلد تھے۔

اس کو خیانت ہی کہا جائے گا کہ جس شخص کو خود بھی اپنے جیسا مقلد مانتے ہیں یعنی جیسے حنفی حضرات امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں' یہ عبدالوہاب حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مقلد تھا' پھر اُس مقلد کو غیر مقلدوں کا پیشوا بنا کر پیش کر رہے ہیں۔۔

اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

---

۱ ۔ ردا المختار باب البناة

ایک المیہ

یہاں ہم اپنے دیوبندی بھائیوں کی بھی ایک زیادتی کا ذکر بھی کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ دیوبندی قائد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے عبدالوہاب کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں لکھا۔

عبدالوہاب نجدی بڑا خوش اعتقاد تھا اور حنبلی مذہب کا مقلد تھا[1]

مگر یہی فتاوی رشیدیہ جب کچھ برس بعد قرآن محل کراچی سے محمد سعید اینڈ سنز کے زیر اہتمام شائع ہوا تو یہ عبارت اس طرح تبدیل کر دی گئی۔

محمد بن عبدالوہاب کے عقائد کا مفصل حال مجھ کو معلوم نہیں ہے[2]

محمد سعید اینڈ سنز کے شائع کردہ ازالۃ الخفا حضرت شاہ ولی اللہ میں بھی اسی قسم کا تصرف عمل میں آ چکا ہے۔ معلوم نہیں یہ تصرف بھی محمد سعید اینڈ سنز کے معمول کا ہی حصہ ہے یا اس کے بانی اس کتاب کے تازہ مبوب مولانا سجان محمود ہیں اس اشاعت میں عبدالوہاب کے نام کی تصیح تو کر دی گئی اور مراد آبادی اشاعت کے خلاف اسے محمد بن عبدالوہاب ہی لکھا ہے مگر عبارت تبدیل کر دی گئی ہے۔

یہ ظلم ہے یا جہالت؟

ہماری بات اب آخر تک پہنچ گئی ہے اور ہم ذیل میں تصویر کا یہ ایک منطقی رخ پیش کر کے اپنی بات اسی پر ختم کر دیں گے۔

اہل السنۃ کے چاروں مشہور فقہی مذاہب احناف' موالک' شوافع' اور حنابلہ کے پیروکاروں کا یہ دستور عام ہے کہ وہ اپنے قول کو قوی اور مستند بنانے کے لئے اپنے امام یا اپنے

۱۔ فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ مراد آباد صفحہ ۸

۲۔ فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی صفحہ ٤٤

مذہب کے بانی کا قول بطور سند پیش کرتے ہیں۔

احناف علماء و فقہا اپنے مسائل میں بطور سند کہا کرتے ہیں :

هٰذَا قَوْلُ اِمَامُنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ کہ ہمارے امام ابو حنیفہؒ کا یہ ارشاد ہے :

یا یوں کہتے ہیں : قال ابو حنيفه کہ ابو حنیفہؒ یوں فرماتے ہیں۔

موالک اپنے امام کا قول بطور سند پیش کرتے ہیں' شوافع اپنے امام حضرت امام شافعیؒ کو اپنی سند بناتے ہیں۔حنابلہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے قول سے اپنے قول کو قوی کرتے ہیں۔

لیکن کیا کسی نے کبھی کسی اہل حدیث' اہل علم یا مفتی کو بھی محمد بن عبدالوہاب کے کسی قول کو اپنی سند بناتے پایا ہے ؟

اہل حدیث کے مشاہیر علماء سب کے سامنے ہیں اور تقریباً ان میں سے بہت سے علماء کے فتاویٰ ان کے اپنے اپنے نام سے شائع شدہ دستیاب ہیں' ان فتاویٰ کو سامنے رکھ کر کیا کوئی شخص یہ انکشاف کر سکتا ہے کہ فلاں اہل حدیث عالم نے اپنا فتویٰ محمد بن عبدالوہاب کی سند سے قوی بنایا ہے ؟ کسی بڑے عالم تو کیا کسی چھوٹے سے چھوٹے اہل حدیث اہل علم نے بھی کبھی یہ کہا ہو یا لکھا ہو کہ اس باب میں ہمارے شیخ محمد بن عبدالوہاب کا یہ فتویٰ ہے' یا کسی اہلحدیث عالم نے کسی مسئلہ میں اُن سے کبھی رجوع کیا ہو اور انہیں سند سمجھا ہو' اپنے فتاویٰ میں اُن کا کبھی ذکر بھی کیا ہو ؟

ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی بھی غیر اہلحدیث اہل علم مسائل دین میں کسی درجہ تک بھی اہل حدیث کا اُن سے کوئی تعلق ثابت نہیں کر سکتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اہلحدیث ان کے اعمال و کردار کی نیکی کے قائل ہیں' ان کی تحریک کو ایک دینی تحریک سمجھتے ہیں' انہیں ایک انقلابی مصلح قرار دیتے ہیں' مگر وہ اُنہیں کسی درجہ میں بھی اپنا امام قرار نہیں دیتے' اُنہیں اپنے لئے سند نہیں بناتے۔ اگر کوئی شخص اہلحدیث کو محمد بن عبدالوہاب کا

پیروکار یا محمد بن عبدالوہاب کو اہلحدیث کا پیشوا ثابت نہیں کر سکتا تو پھر اہلحدیث کو ان بزرگوار سے منسوب کر کے وہابی کہنے والے لوگ اپنے طور پر ہی سوچ کر بتائیں کہ اہلحدیث پر ان کی یہ تہمت ظلم اور بیانصافی ہے یا جہالت اور بے خبری؟ یعنی وہ ظالم اور بے انصاف کہلانا پسند کرتے ہیں یا جاہل مطلق؟ کہ ؎

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اپنے حُسنِ انجام کے لئے

قارئین کرام! جہاں تک اس کتاب کے موضوع کا تعلق ہے ہم نے اپنی حد تک مسائل کے بیان میں ان تمام آداب کو ملحوظ رکھنے کی پوری سعی کی ہے جو کسی کتاب کی سنجیدگی اور معقولیت کے ضامن بن سکتے ہیں۔

ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ ہمارے حنفی قارئین جن سے ہم دراصل اس کتاب کے ذریعے سے مخاطب ہیں اور جن تک ہم درحقیقت اپنی بات پہنچانا چاہتے ہیں۔ ہماری کسی بات، کسی اندازِ نگارش یا کسی لہجہ تک سے بھی کوئی ثقالت محسوس نہ کر سکیں اور ہماری بات ان کے لئے بارِ خاطر ہونے کے بجائے اُن کے سامنے سوچ کی صحیح راہیں کھول سکے اور وہ حق کو پانے کے لئے اپنے اندر بے چینی محسوس کریں۔

یہ بات خوب ہی یاد رکھنے والی ہے۔ کہ مسلمان کی زندگی کا مقصد اپنے رب کو راضی کرنا اور اپنی اُخروی زندگی کو سنوارنا ہے۔ پھر اگر ہم نے کسی ضد کسی تعصب کسی بھیڑ چال کسی خاندانی یا کسی بھی دوسرے دباؤ سے اپنی عقل کو موخر کر رکھا تو ظاہر ہے کہ اپنے اخروی انجام کے بارے میں کوئی نیک امید نہیں رکھی جا سکتی۔

لیکن اگر ہم نے اپنے آپ کو جنت کا مستحق بنانا ہے تو ہمیں اس راہ کو اختیار کرنا ہو گا۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاکؐ نے ہمارے سامنے کھول رکھی ہے۔ اب جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اپنا فرض انجام دے چکے ہیں۔ اور ہم رحیم و کریم رب سے سے دُعا گو ہیں کہ ہمارے مخاطبین کے لئے بھی اپنی خصوصی رحمت سے ان کے حُسنِ انجام کے لئے ان کی رہنمائی فرمائے۔۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

ہمارے حنفی بزرگ

ایک نیا باب جو چوتھی اشاعت سے
کتاب کا حصہ بنا

فصل اوّل

احادیثِ رسول پاک ؐ میں تحریف و ترمیم کی ہولناک جسارتیں

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

عزیز حنفی بھائیو! آپ اس بات پر ہم سے یقیناً اتفاق کریں گے کہ قرآن پاک کی طرح حدیث رسول پاک بھی امت کے پاس ایک امانت کی حیثیت ہی رکھتی ہے اور جس طرح قرآن پاک میں کسی قسم کی تحریف، ترمیم یا کمی بیشی قابل برداشت نہیں ہے۔ ٹھیک ایسے ہی حدیث پاک میں بھی کسی خیانت کسی تحریف یا کسی کمی بیشی کا ارتکاب ایک سخت درجہ کی مجرمانہ کاروائی ہی ہے۔

ایسی حرکت رسول اللہ ﷺ کو لقمے دینے، ان کو ٹوکنے والی بات ہے اور اُن کے تابع ہو کر رہنے کے بجائے اُنہیں اپنے تابع رکھنے اور اپنی مرضی کے مطابق چلانے کے مترادف ہے۔

یہ حرکت شرمناک ہی نہیں رسول اللہ ﷺ کی توہین اور آپ کا استخفاف بھی ہے۔

عزیزان گرامی! بات کہنے کی نہیں تھی لیکن بامرِ مجبوری یہ کہے بغیر چارہ بھی نہیں ہے کہ آپ کے بزرگوں نے بے جھجک یہ کام کیا ہے اور رسول علیہ السلام کے کلام کو اپنی مرضی، اپنی خواہش اور اپنی ضرورت کے مطابق بدلنے، بگاڑنے میں کسی درجہ بھی خدا کے خوف کو ملحوظ نہیں رکھا۔

پھر ہمیں یہ کہتے بھی دکھ ہے کہ یہ شرمناک حرکتیں کچھ گھٹیا قسم کے عام گمنام حنفی بزرگوں تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ اس حمام میں وہ لوگ بھی بالکل ننگے ہیں جن کی

شخص وجاہت اور جن کی علمی شہرت اس بات کا حق رکھتی ہے کہ ان کا اجلال واکرام ملحوظ رکھا جائے۔اُف ؎

کہا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

عزیزان محترم! ۱۲ مسائل کی تصنیف کے دوران میں بعض ایسے مراحل بھی سامنے آئے ہیں جہاں آپ کے بزرگوں کے کالے کردار کے ذکر کی گنجائش بھی تھی اور ضرورت بھی تھی۔لیکن چونکہ آپ کو بدمزہ کرنا اس فقیر کو پسند نہیں تھا اس لئے انہیں الگ رکھ کر ایک سیدھی بات بالکل سیدھے طریقے سے بلاواسطہ آپ سے عرض کر دی گئی۔

ویسے بھی آپ کے بزرگوں نے جن گھناؤنے طریقوں سے خود کو کتاب وسنت بنا رکھا تھا اس کی عکاسی اس فقیر کے توسنِ قلم کے لئے زنجیر پا تھی کہ بات وہی تھی جو شاعر نے کہہ دی ؎

داورِ حشر! مرا نامہ اعمال نہ دیکھ
اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں

یوم الدین کی کچہری

ہم نے دراصل آپ کے بزرگوں کا مقدمہ یوم الدین کی کچہری کے لئے اٹھا رکھا تھا جہاں خود محمد ﷺ ہی اپنے رب کی عدالت میں آپ کے بزرگوں کے خلاف استغاثہ پیش کرتے اور پھر جو فیصلہ وہاں ہوتا وہی اصل فیصلہ ہوتا اور وہی نافذ ہوتا کیونکہ یوم الدین کی کچہری کے قاضی کی شان یہ ہے ؎

کر دیا فیصلہ تو نے تو اپیلیں بے سود
تیری محفل میں ہیں منطق کی دلیلیں بے سود

خسرو کا کشف

تقریب کی رعایت سے یوم الدین کی کچہری کے بارے میں خسرو کا ایک کشف بھی سنتے چلیے۔

نمی دانم چہ منزل بُود شب جائیکہ من بُودم — بہر سُو رقص بسمل بُود شب جائیکہ من بُودم
پری پیکر نگارے سرو قدّے لالہ رخسارے — سراسر آفتِ دل بُود شب جائیکہ من بُودم
رقیباں گوش بر آواز او در ناز و من ترساں — سخن گفتن چہ مشکل بُود شب جائیکہ من بُودم
خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو — محمد شمع محفل بُود شب جائیکہ من بودم

پھر سمت بدل گئی

معلوم ہوا کہ مالک یوم الدین کی اپنی کچہری تو اپنے وقت پر ہی لگے گی اور بااختیار ہو گی لیکن خود مالکِ یوم الدین کی ہی یہ خواہش ہے کہ اس کچہری سے قبل اہل دنیا یہاں بھی اقرا کتابک کا ایک منظر دیکھ لیں کہ یوم الدین کی کچہری تو وہاں کا مقدر ہے اور یہ کچہری یہاں کا حصہ بنے اور پھر اس مقصد سے آسمان نے ہی یہاں ایک کچہری کے انعقاد کا سامان بھی جمع کر دیا۔

ایک خط پڑھیے

محترم و مکرم جناب مولانا عبدالرحمن خلیق صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

گذارش ہے کہ ہم نے آپ کی تصنیف کردہ کتاب ۱۲ مسائل پانچ منگوائی تھیں جو (اپنے حنفی بھائیوں کو) پڑھنے کے لئے دیں۔ اس میں آپ نے مسئلہ رفع الیدین کی ایک روایت لکھی ہے۔

فَمَا زَالَتْ تِلْكَ صَلٰوتُهٗ حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ (کہ رفع الیدین کا عمل رسول اللہ ﷺ کی وفات تک آپ کی نماز کا حصہ رہا ہے) آپ نے اس روایت کے ثبوت میں بیہقی کا حوالہ دیا ہے۔

کسی (حنفی شخص) نے اس حوالہ کا ثبوت طلب کیا تو ہم نے سولہ سو روپے خرچ کر کے بیہقی خریدی۔ لیکن اس میں (آپ کی پیش کردہ) روایت نہیں ملی ہے۔ البتہ مولانا (محمد) اشرف سندھو کی (تصنیف) نتائج التقلید سے پتہ چلا ہے کہ احناف نے یہ روایت بیہقی سے نکال دی ہے۔

اب آپ سے درخواست ہے کہ کوئی پرانی بیہقی ایسی موجود ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہوں۔ اگر یہ روایت بیہقی میں تھی تو دنیا میں کسی نہ کسی جگہ وہ کتاب موجود ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ آپ نے بھی وہ کتاب دیکھ کر ہی حوالہ لکھا ہو میں آپ سے پُرزور اپیل کرتا ہوں کہ اگر آپ کے پاس وہ کتاب ہے تو اس کا عکس ہمیں بھیج دیں اس کا خرچہ ہم بھیج دیں گے۔

اور اگر آپ کے پاس نہیں ہے تو ہمیں اس کی نشاندہی کر دیں کہ یہ کتاب فلاں جگہ سے مل سکتی ہے ہم وہاں سے منگوالیں گے۔

یہاں ہماری گفتگو چل رہی ہے۔ اگر آپ ہمارے [illegible] کر دیں گے تو یہ انشاء اللہ مسلک کی بہت بڑی خدمت ہو گی۔ جواب جلدی دے کر مشکور فرمادیں' اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

محمد بلال ثاقب مدرسہ جامعہ سلفیہ ڈلن بنگہ۔
تحصیل بورے والہ ضلع وہاڑی

مجبوری کا سفر

۱۲ مسائل کے قارئین اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ہم بحث برائے بحث کو ہرگز پسند نہیں کرتے بلکہ بات کو بات کی حد تک ہی محدود رکھتے ہیں تاکہ فہم مطلب میں آسانی مہیا رہے۔

یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ یہ کتاب اہلحدیث اور احناف کے درمیان سخت اختلافی مسائل پر مسلک اہلحدیث کی ترجمان ہے اور احناف کے مسلک کی تضعیف کرتی ہے۔ لیکن آپ اس کتاب کا ایک بار پھر مطالعہ فرمالیجئے۔ آپ از اوّل تا آخر پوری کتاب میں ہمارے توسن قلم کو کہیں بے لگام نہیں پائیں گے۔ آپ کو ہمارے قلم سے نہ کوئی تعریض ملے گی نہ ہم نے کبھی کسی کی شخصی تنقیص ہی روا رکھی ہے۔ آپ پوری تحریر میں نہ کوئی چیلنج بازی دیکھیں گے نہ ریکارکا جھگڑانہ جنگ نہ پیکار نہ کوئی تجاوزانہ اقدام نہ کوئی چھیڑ چھاڑ اور نہ کوئی جارحیت نہ کوئی کج روی ہی آپ کی فکر کے لئے سدِ راہ ہوگی کہ ایسی باتیں ہمیشہ تصادم کی تمہید بنتی ہیں اور فکر کا رہوار تشدد و تعصب کی راہ اختیار کر لیتا ہے اور بات اپنا وزن کھو دیتی ہے۔ تعصب' بے انصافی اور ضد کی جانب رہنمائی کرتا ہے اور آدمی کی سوچ سلامتی کی راہ سے ہٹ جاتی ہے ہم نے اختلاف باہمی کو اس کی اصل شکل میں اپنے قارئین کے سامنے پیش کر کے پھر پوری سنجیدگی سے بات کی گرہ کشائی کرتے ہوئے حنفی مسلک پر اہلحدیث مسلک کی برتری ثابت کی ہے۔

دعوت کے اس اسلوب کو نہ صرف اہلحدیث حلقوں میں بھی بے حد پسند کیا گیا ہے بلکہ احناف کے ہاں بھی اس کو توقع سے زیادہ پذیرائی ملی ہے اور بے شمار حنفی احباب نے ہمارے ااسلوب دعوت کا خیر مقدم کیا ہے اور اسے خوش آمدید کہا ہے اور پھر بفضل تعالیٰ اس کا ردعمل توقع سے بڑھ کر مثبت سامنے آیا ہے۔

حق کی گواہی

خط کا مضمون آپ مطالعہ فرما چکے اور ہم آپ سے حُسن ظن اور آپ کی انصاف دوستی کے اعتمار پر یہ توقع رکھتے ہیں کہ آپ ہمیں ایک ناکردہ گناہ اور بے قصور شخص کو اس کے مخالفین کے گھیرے سے نکالنے کی اجازت دیں گے۔

مولانا محمد بلال ثاقب کا کوئی قصور نہیں ہے اور انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے لیکن تاریخ کے بعض گھپلوں سے ناواقفی کے سبب اُن کی آبرو کے لئے سخت خطرہ پیدا کر دیا گیا ہے۔ وہ معاشرہ میں ایک مختص مقام کے حامل اور ایک معزز دینی ادارہ سے وابستہ ہیں۔ لیکن جس بے دردی سے ان کی منصبی اور شخصی کردار کشی کی جارہی ہے سخت دردناک امر ہے۔

انہوں نے انتہائی مایوسی میں مدد کے لئے پکارا ہے ان کی مدد کو نہ پہنچنا رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے منافی ہے جو آپ نے فرمایا تھا فَاِذَا دَعُوكَ فَاَجِبْه (مسلم) کہ جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی تمہیں پکارے تو دوسرے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس کی دعوت قبول کرے اور اس آواز پر پہنچے۔

ہم نے اپنے انصاف دوست اور نیک دل حنفی بھائیوں سے اس خط کے جواب کی اجازت اس لئے طلب کی ہے کہ زیر بحث مسئلہ کی گرہ کشائی میں از اول تا آخر اُن کے بزرگوں کے کردار سے ہی بحث ہو گی۔ جس کو سُننے کے لئے بڑی حوصلہ مندی درکار ہے۔ اور ہمارے قارئین جانتے ہیں کہ ہم نے اول روز سے ہی گفتگو کے اس رُخ سے الگ رہنے کی سعی کی ہے کیونکہ جیسا کہ ہم عرض کر چکے

اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں

تاہم اپنے بھائیوں کی انصاف دوستی کے تجربہ پر ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہ حق کی حمایت میں ہم سے پورا پورا تعاون کریں گے اگرچہ حق کا فیصلہ بظاہر ان کی پسند کے بھی

خلاف ہو رب کریم کی بڑی واضح ہدایت ہے کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ (پ ۵ ع ۱۷)

کہ اے اہلِ ایمان! اپنے رب کی راہ میں حق وانصاف کی گواہی کے لئے ہمیشہ آمادہ رہو۔ اگرچہ تمہاری گواہی کی ضرب خود تمہارے اپنے مفاد پر پڑتی ہو یا اس گواہی سے تمہارے ماں باپ اور عزیز و اقربا کے مفاد کو خطرہ درپیش ہو۔

عود الی المقصود

اب ہم یہاں بیہقی شریف کی اُس روایت کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں جو اس بحث کی اصل و نہاد ہے۔ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز میں رفع الیدین سے نہ کسی کو کوئی اختلاف ہے نہ انکار۔ کیونکہ نماز میں آپ کی رفع الیدین کے بارے میں تو بخاری مسلم تک کی صحیح اور مرفوع روایات میں پوری وضاحت سے ذکر آچکا ہے۔

اختلاف اس بات میں ہے کہ اہلحدیث کے نزدیک آپ کے روزِ وصال کی آخری نماز میں بھی رفع الیدین کا عمل جاری تھا اور جب سے آپ نے رفع الیدین کو اختیار کیا وفات کی گھڑی تک اس سے کبھی تعلق نہیں توڑا۔ جبکہ احناف کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز میں رفع الیدین سے انکار نہیں لیکن نماز میں آپ کا یہ عمل اسلام کے ابتدائی زمانہ کا حصہ ہے بعد میں آپ نے اس کو ترک کر دیا تھا۔ بعد ازاں رفع الیدین کے اثبات میں جتنی روایات بھی حدیث کے ذخیرہ میں پائی جاتی ہیں سب منسوخ ہیں۔

رفع الیدین کی منسوخی کے بارے میں تو احناف کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے لیکن ان کے چھوٹے بڑے اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ آپ نے رفع الیدین کے عمل کو ترک کر دیا تھا۔ ہم نے اپنی کتاب میں احناف کے اس عذر کے جواب میں بیہقی شریف کی

درج ذیل روایت سے استدلال کرتے ہوئے اس بات کا ثبوت مہیا کیا تھا کہ رفع الیدین کا عمل آپ کی زندگی کی آخری نماز میں بھی شامل تھا۔

عن عبداللّٰہ بن عمر قال ان رسول اللّٰہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ حزو منکبیہ اذا افتتح الصلوۃ واذاکبر للرکوع واذا رفع راسہ من الرکوع رفعھما کذالک فما زالت تلک صلوٰتہ حتی لقی اللّٰہ (بیہقی)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر راوی ہیں کہ نبی ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر تک بلند کرتے۔ پھر جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے اس وقت بھی اپنے دونوں ہاتھ پہلے کی طرح ہی اپنے کندھوں تک بلند کرتے۔ پھر جب رکوع سے سر اٹھاتے اس وقت بھی پہلے کی طرح ہی رفع الیدین کرتے۔ آپ کی نماز ہمیشہ اسی طرح رہی یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی۔ (۱۲ مسائل صفحہ ۳۶)

یہاں ہم یہ بات بھی عرض کردیں کہ ہم اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ ہم نے بیہقی شریف کے حوالہ سے جو روایت پیش کی ہے وہ بازار میں دستیاب بیہقی کے صفحات میں موجود نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ واردات کسی سازش کا ہی حصہ ہے تاہم اوّل اوّل جب اہل حق نے بیہقی سے اس روایت کو گم پایا تو انہوں نے شاید اس کو سہو کتابت سمجھ کر بات نہ اٹھائی اور سہوِ کتاب سمجھنے کا ایک قرینہ یہ بھی تھا کہ اہلحدیث کی جانب سے جب اس روایت کو بیہقی کے حوالہ سے پیش کیا جاتا رہا تو اہل علم و خبر حنفی بزرگوں نے اس پر کوئی گرفت نہ کی اور ان کی خاموشی اس بات کی دلیل تھی کہ انہیں اس روایت کے بیہقی کی روایت ہونے سے انکار نہیں۔ اگرچہ یہ روایت دستیاب مطبوعہ بیہقی میں موجود نہیں تھی۔

روایت کی اس گم شدگی کو سہوِ کتابت سمجھنے کا ایک بڑا قرینہ یہ تھا کہ خود حنفی اہلِ

علم و خبر بزرگ بھی اس روایت کو قدیم سے ہی اپنے ہاں بیہقی کے حوالے سے نقل کرتے چلے آرہے تھے تاہم ہم نے شرارت کے کسی متوقع خدشہ سے ہی یہ پیش بندی بھی کر دی تھی کہ:

اس روایت کی صحت و اصابت کے بارے میں صرف یہی کہہ دینا کفایت کرتا ہے کہ حضرت امام زیلعیؒ حنفی نے اس حدیث کو اپنی کتاب نصب الرایہ میں بغیر کسی تنقید کے قبول کیا ہے (۱۲ مسائل صفحہ ۳۶ آخری سطور)۔

ان سطور سے ہمارا مقصد یہی تھا کہ اگر کوئی گلیوں' بازاروں کا جاہل' جھگڑالو اور مجمع باز حنفی بیہقی کے صفحات میں اس روایت کا ثبوت طلب کرلے تو اس کے جواب میں کسی پرانی یا نئی بیہقی کی تلاش میں سرگرداں ہونے کی بجائے اُسے خود اُس کے اپنے بزرگوں کی کتابوں کی طرف رہنمائی کر دی جائے جنہوں نے اس روایت کو بیہقی کے حوالہ سے اپنے ہاں نقل کیا ہے۔

راہ کا بھاری پتھر

رسول اللہ ﷺ کی نماز میں آپ کی تاحین حیات رفع الیدین کی موجدگی کے ثبوت میں بیہقی شریف کی یہ روایت حنفی حضرات کی راہ میں ایک ایسا سنگِ گراں تھی جس نے ان کی راہیں بند کر رکھی تھیں۔ وہ اگرچہ بے ثبوت ہی اس بات پر ضد کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ عرصہ کے بعد رفع الیدین کو ترک کر دیا تھا۔ لیکن وہ بہر حال یہ رٹ لگاتے ہی رہتے تھے کہ رفع الیدین حق ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اسے اپنی نماز میں اختیار کیا ہے۔ لیکن یہ اسلام کے پہلے زمانہ اور ابتدائی دور کی بات ہے جبکہ بیہقی شریف کی یہ روایت انہیں بازو سے پکڑ کر حجرہ رسولؐ میں اس وقت لے جاتی ہے جب آپ مرض الموت میں مبتلا زندگی کی آخری نماز رفع الیدین کے ساتھ ادا فرمارہے تھے اور روایت کہہ رہی تھی کہ لو

رسول اللہ ﷺ اور آپ کی نماز میں رفع الیدین کے تعلق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو- جبکہ حضورﷺ کی زندگی موت کی دہلیز پر تھی اور صورتِ حال یہ تھی کہ ؎

دمِ واپسیں برسر راہ ہے
عزیزو ! اب اللہ ہی اللہ ہے

صورت حال کی اس واضح عکاسی کے بعد بھی بات اگر کسی کی سمجھ میں نہ آسکے تو ظاہر ہے کہ یہ بات کا قصور نہیں بلکہ نیت کا فتور ہے-

حنفی بزرگ اگر اس روایت کے گھیرے کو توڑ کر نکل جانا چاہتے تھے تو انہیں چاہیے تھا کہ وہ اصولِ حدیث کی روشنی میں اس روایت کو ضعیف ثابت کرتے' اس کو ناقابلِ حجت ٹھہراتے- اس کو موضوع نہ سہی وہ مقطوع یا مُرسل ہی ثابت کرتے- اس کی غرابت کا کوئی پہلو سامنے لاتے- لیکن یہ اُن سے نہ ہو سکا- کیونکہ حدیث خود ان کے معیار کے مطابق بھی صحیح تھی ورنہ وہ اس کو اپنی کتابوں میں کیوں نقل کرتے یا نقل کی تھی تو اس پر جرح پیش کرتے اور جب تک وہ ایسا نہ کرتے- اس روایت نے ان پر بھاگ سکنے کی ساری راہیں بند کر رکھی تھیں-

اب اُن کے لئے اس حدیث کے محاصرہ سے نکل سکنے کی یہ ایک ہی صورت باقی تھی کہ وہ بیہقی کی دیوار میں نقب لگاتے اور اس روایت کو ہی چوری کر لیتے اور پھر انہوں نے درحقیقت بھی اپنی مشکل کو دُور کرنے کے لئے اسی تجویز پر عمل کیا کچھ لوگوں نے سازش کی اور چپکے سے بیہقی کے صفحات سے یہ روایت ہی چاٹ لی-

بیہقی پر یہ حادثہ کب گذرا

اب وہ شبہ تو ختم ہو چکا تھا کہ مبادا یہ سہوِ کتابت ہو کیونکہ اگر اس کا کتابت کے کسی سہو سے تعلق ہوتا تو اگلی اشاعت میں یہ غلطی دُور کر دی جاتی- لیکن ملک بھر کے طباعتی اور

اشاعتی اوارے احناف کے ہی قبضہ میں تھے - پھر بیہقی جب بھی طبع ہوئی اس روایت کے بغیر ہی طبع ہوئی اور ظاہر ہے سرقہ بالکل واضح ہے - اب مشہور دسنون (ماہ و سال کے) پیمانے سے یہ بتانا تو مشکل ہے کہ سرقہ کی یہ واردات کب ہوئی - کیونکہ جب چور کا علم نہیں کہ وہ کون تھا - ایک تھا یا کوئی گروہ تھا جن کا پتہ چلنے سے اس واردات کا صحیح زمانہ دریافت ہو سکے - البتہ اتنی بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اپنی ضرورت سے احادیث میں تحریف و ترمیم اور سرقہ بازی کا یہ کاروبار احناف نے زیادہ سے زیادہ ایک صدی قبل شروع کیا ہے کیونکہ قدیم حنفی اہل علم و خبر بزرگوں کے علاوہ تیرہویں صدی ہجری کے محقق سرتاج حنفیت حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی نے اپنی کتاب میں اس روایت کو بیہقی کے حوالہ سے نہ صرف نقل ہی کیا ہے بلکہ اس کو بنیاد استدلال بنا کر اپنے ان حنفی بزرگوں کی تردید کی ہے جو رفع الیدین کے عمل کو متروک یا منسوخ کہتے ہیں -

سچے چور

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ وہ اپنی نماز کے بعد جب دُعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو ہمیشہ ایک چور کی مغفرت کے لئے بھی ضرور درخواست کرتے - ایک دن اُن کے کسی صاحبزادے نے پوچھ ہی لیا کہ ابا جان ! یہ چور کون ہے جس کے لئے آپ اپنی نماز کے بعد پورے خشوع و خضوع سے اپنے رب سے بخشش چاہتے ہیں - آخر ایک چور کے لئے دعا میں اس التزام اور اہتمام کی ضرورت کیونکر ہے ؟

آپ نے بیٹے کی جانب دیکھا اور ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بیان کیا - بیٹا اس چور کا مجھ پر اتنا بڑا احسان ہے کہ میں عمر بھر کی دعاؤں کے باوجود اس کے احسان کا بوجھ نہیں اتار سکتا -

بات یوں ہوئی کہ عباسی خلیفہ مامون الرشید کے دور میں جب علماء سوء نے اُسے

ور فلا کر ایک فتنہ کھڑا کر دیا کہ قرآن مخلوق ہے اور خلیفہ نے اعلان کیا کہ جو کوئی اس کے خلاف عقیدہ رکھے گا اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ تاریخ میں اس فتنہ کو فتنہ خلق قرآن کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ یہ عقیدہ صریحاً کفر و شیطنت کے مترادف تھا۔ کیونکہ قرآن تو خدا کا کلام ہے اور کلام متکلم کی صفت ہوتی ہے اور متکلم جب سے ہے صفت اس کے ساتھ ہے۔ جبکہ قرآن کو مخلوق کہنے کا مطلب یہ تھا کہ قرآن خدا کی صفت نہیں بلکہ اس کا ایک فعل ہے اور ظاہر ہے فاعل پہلے ہوتا ہے اور فعل بعد میں وقوع پاتا ہے۔ اگر اس عقیدہ کو مان لیا جائے تو قرآن خدا کا کلام نہیں رہتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علمائے حق نے اس عقیدہ کو تسلیم کرنے سے انکار کیا جس کی پاداش میں سینکڑوں علمائے حق موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ مجھے بھی گرفتار کر لیا گیا۔ جیل میں سخت عقوبتوں کے سپرد رہا۔ جب خلیفہ مایوس ہوا کہ احمد اس طرح نہیں مانے گا تو اس نے حکم دیا کہ اسے ایک بار پھر تلقین کی جائے کہ وہ اپنی ضد ترک کر کے خلیفہ کا ہمنوا بن جائے۔ اگر وہ نہ مانے تو اسے سنگین صورت میں میرے حضور پیش کیا جائے۔ حکم کے مطابق عمل ہوا۔ مجھے ہاتھوں میں ہتھکڑی اور پاؤں میں ڈنڈا بیڑیوں کے ساتھ نہایت ظالمانہ طور پر بغداد کے طویل اور ہمت شکن سفر پر پیادہ دھکیلتے لے جانے لگے۔ سفر کی صعوبت سے ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ لوہے کی بیڑیوں نے ٹخنوں کو زخمی کر دیا تھا ڈنڈا چلنے میں مانع تھا لیکن سرکاری کارندے اپنی ڈیوٹی پوری وفاداری سے ادا کر رہے تھے کہ مین راستے میں ایک چور ملا جو میری طرح ہی جکڑا تھا اور اپنی پیشی بھگت کر آ رہا تھا۔

مجھے دیکھا تو سلام کر کے آگے بڑھا اور بولا امام صاحب میں ایک پیشہ ور چور ہوں اور چوری میں ہی ماخوذ ہوں۔ مال مسروقہ بھی مجھ سے برآمد ہو چکا ہے۔ لیکن میں نے اس چوری سے انکار کر دیا ہے۔ سرکاری پولیس نے اعتراف جرم کرانے کیلئے مجھے مار مار کر میرا بھرکس نکال دیا ہے۔ مجھے گھنٹوں اُلٹا لٹکائے رکھا۔ لاتوں سے مارا ڈنڈوں سے تواضع کی لیکن میں نے چوری کا اعتراف کرنے سے انکار جاری رکھا۔ پولیس نے ظلم و ستم کے سارے

حربے آزما لیئے مگر وہ لوگ مجھے اپنے جرم کے اعتراف پر آمادہ نہ کر سکے۔

اس نے نے مزید کہا امام صاحب! اگر میں پھسل بھی جاؤں اور چوری کا اعتراف بھی کر لوں تو یہ میرا شخصی نقصان ہو گا' معاشرہ میں بے وقر ہو جاؤں گا' لوگ مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے۔ میں مستقبل کی اس بدنامی سے بچنے کے لئے اپنے جھوٹ پر بھی پوری ہمت سے قائم ہوں اور کوئی ظلم مجھے میرے موقف سے ہٹا نہیں سکا۔ لیکن یاد رکھئے! آپ اُمت کے امام ہیں۔ حق گو ہیں' حق پر قائم ہیں اور حق گوئی کی پاداش میں ہی آلام و مصائب کا شکار ہیں اور اب حق کو قائم رکھنے کے لئے ہی موت کی دہلیز کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ خوب یاد رکھئے۔ میرے پھر جانے سے صرف میرا ہی نقصان ہے لیکن اگر آپ کے پائے استقلال میں کسی عقوبت یا موت کے خوف سے ذرا بھی لغزش پیدا ہوئی تو پورے عالم اسلام کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ یہ کہانی سُنا کر امام صاحب اتنا روئے کہ روتے روتے ان کی گھگی بندھ گئی۔

لیکن یہ حنفی حدیث چور تو بہت ہی بے حوصلہ اور کچے چور نکلے کہ کہ اتنی خوفناک اور عظیم چوری پر بمشکل ایک صدی تک ہی صبر کر سکے اور پٹاخنے لگ گئے کہ لاؤ بیٹھی دکھاؤ حوالہ۔ حالانکہ ایک سو برس تک تو بہت سے لوگ جی لیتے ہیں۔ اگر یہ لوگ مزید ایک صدی کا انتظار کر لیتے جبکہ اس عرصہ میں کم و بیش آٹھ نسلیں گذر چکتیں پھر ان کو پوچھنے والا کون تھا۔ لیکن آہ ۔

عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی وحشت کا رنگ
رہ گیا دل میں جو کچھ تھا شوق خواری ہائے ہائے

کتنے برے ہیں یہ اپنے بزرگوں کے جانشین کہ خود بھی رسوا ہوئے اور قبروں میں پڑے اپنے بزرگوں کے سرقہ کا بھید کھلوا کر انہیں بھی رسوا کیا یعنی ۔

خود تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے

عزیزو! ۔

اسی باعث تو قتلِ عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں بن کر

شاعر کتنی سچی بات کہہ گیا ہے۔

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے!
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

فصل دوم

حدیث بیہقی اور قدیم حنفی اصحاب علم و خبر بزرگ

تمہارے پیامی نے سب راز کھولے
خطا اس میں بندے کی سرکار کیا تھی

اس بات کو پلے باندھ لیجئے کہ بیہقی شریف کے صفحات سے اس روایت کی گمشدگی نہ ہمارے لئے وجہ تشویش ہی ہے اور نہ اس پر ہم کسی تشویش کی ضرورت ہی سمجھتے ہیں۔ بیہقی کے صفحات سے اس کی گمشدگی نہ بیہقی کو کوئی نقصان پہنچا سکتی ہے نہ روایت کے مقصد پر ہی اس سرقہ سے کوئی زد پڑتی ہے کیونکہ اس روایت کو خود اہل علم و خبر حنفی بزرگوں نے بیہقی کے حوالے سے اپنے ہاں نقل کر کے مکمل تحفظ دے رکھا ہے اور ان کے ہاں جہاں اور جس کتاب میں بھی یہ روایت درج ہوئی ہے وہی کتاب ہمارے لئے بیہقی کا حکم رکھتی ہے اور جو مفاد ہم بیہقی کے صفحات سے حاصل کر سکتے ہیں اب وہی مفاد ہمیں حنفی اصحاب علم و خبر کے خزانہ علم سے میسر ہے۔ اور ہم اپنے موقف کے ثبوت میں خود حنفی ذخیرہ علم و نظر سے یہاں دو معتبر گواہ پیش کرتے ہیں:

حضرت امام زیلعیؒ

یہ بزرگ آٹھویں صدی ہجری کی دولت ہیں اور حنفی المسلک لوگوں میں امامت کے درجہ پر فائز ہیں۔ اپنے علم و فضل کی اعتبار سے احناف میں بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں حنفی فقہ کی سب سے زیادہ معتبر سمجھی گئی کتاب ہدایہ کے شارح ہیں اور ان کی یہ شرح کمیاب بھی نہیں بلکہ بازار میں عام ملتی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں :

> ویزیل هذا التوهم یعنی دعوی نسخ مارواه البیهقی فی سننته راوه عن ابن عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا فتتح الصلوة رفع یدیه واذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع وکان لا یفعل ذالک فی السجود فما زالت تلک صلوته حتی لقی الله۔ (نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۴۱۰-۴۰۹ مطبوعہ شیش محل روڈ لاہور)

بیہقی کی اس روایت سے جو حضرت ابن عمرؓ سے وارد ہوئی ہے رفع الیدین منسوخ ہونے کا دعوٰی غلط ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو (بطور تکبیر تحریمہ) اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے۔ پھر جب رکوع کے لئے جھکتے، پھر جب رکوع سے سر اٹھاتے تو آپ پھر رفع الیدین کرتے۔ تاہم آپ سجدوں کے اندر اس عمل کو نہیں دہراتے تھے۔ آپ کی یہ نماز آپ کی زندگی کی آخری سانس تک قائم رہی۔

حضرت امام زیلعیؒ نے اس روایت کو اپنے ہم مسلک اُن اہل علم کی رائے کو مسترد کرتے ہوئے پیش کیا ہے جو کہتے ہیں کہ رفع الیدین کا عمل اسلام کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ

ہے۔ بعد میں آپ نے رفع الیدین کو منسوخ کر دیا تھا۔ آپ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ احناف کا رفع الیدین نہ کرنا اپنی جگہ ہے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ آپ نے رفع الیدین ترک یا منسوخ کر دی تھی کیونکہ عبداللہ بن عمرؓ کی اس روایت کے بموجب رفع الیدین کا عمل آپ کی نماز میں تا حین حیات جاری رہا ہے۔

غلط فہمی نہ رہے

ہمارے قارئین کہیں اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوں کہ جب حضرت ذہلیؒ نے حضور کی نماز میں رفع الیدین کی موجودگی حدیث پاک کے ساتھ بڑے زور سے ثابت کی ہے تو حضرت ذہلیؒ خود بھی رفع الیدین پر عمل کرتے ہوں گے!

لیکن ہم عرض کرتے ہیں کہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ آپ بھی دوسرے احناف کی طرح ہی اپنی نماز میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ اپنے امام کی تقلید تھی۔ کیونکہ ان کے امام حضرت ابو حنیفہؒ سے رفع الیدین ثابت نہیں اس لئے وہ اس سنت کے عامل نہیں تھے۔ لیکن وہ حدیث صحیح کے بموجب رسول اللہ ﷺ کی نماز کو رفع الیدین سے خالی نہیں سمجھتے تھے۔ اسی واسطے تو کہا گیا ہے کہ۔

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی
رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

(۲) حضرت مولانا عبدالحیؒ لکھنوی

اس روایت کو بیہقی کی روایت کے بطور تحفظ دینے والے دوسرے صاحب علم گواہ حضرت مولانا عبدالحیؒ لکھنوی ہیں۔ جنہوں نے اپنے ہاں اس روایت کو تحفظ دیا ہے اور اُسے صحیح سمجھ کر اپنے طویل اور طاقتور استدلال کی بنیاد بنایا ہے۔ یہ تیرھویں صدی ہجری کے

عظیم المرتبت حنفی بزرگ ہیں۔ حق بیان کرنے سے کوئی جھجک یا لچک کبھی روا نہیں رکھتے۔ حنفی فقہاء میں بڑی بلند حیثیت رکھتے ہیں اور حنفی علمی حلقوں میں ان کی بات سُنی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی تک کسی مہم جو اور طالع آزما قسم کے حنفی اہلِ غرض نے احادیث میں تحریف کا کام ابھی شروع نہیں کیا تھا۔

مولانا لکھنوی کا کہنا ہے کہ ہم مقلدین اگرچہ رفع الیدین کو سنت موکدہ تو نہیں سمجھتے اور اپنے امام کے مقلد ہونے کی وجہ سے اس پر عمل پیرا بھی نہیں ہیں۔ لیکن ہمارے اصحاب کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز بھی رفع الیدین سے خالی ہوتی تھی یا رفع الیدین کی حدیث منسوخ ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عمرؓ کی صحیح حدیث سے واضح ہے کہ حضور کی نماز ان کی زندگی کی آخری نماز تک رفع الیدین سے مزین تھی۔ مولانا بیہقی کی روایت پر بحث کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں :

لاشبهة فی ان ابن عمر قدروی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم حدیث الرفع بل وردفی بعض الروایات عنه قال کان رسول الله اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه و اذا رکع واذا رفع فکان لا یفعل ذالک فی السجود فما زالت تلک صلوٰته حتیٰ لقی الله (التعلیق المجد جلد اول صفحہ ۹۱ حاشیہ)

کہ حضرت ابن عمرؓ سے یہ روایت آچکی ہے بلکہ ان سے تو اور بھی متعدد صحیح روایات وارد ہوئی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز جاری کرتے تو اول (بطور تکبیر تحریمہ) رفع الیدین کرتے۔ پھر جب رکوع کے لئے جھکتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے۔ لیکن آپ رفع الیدین کا یہ عمل اپنے سجدوں میں نہیں کرتے تھے۔ آپ کی نماز ہمیشہ اسی طرح رہی یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی۔

پھر آپ نے اپنی بات یہاں تک پہنچ کر چھوڑ نہیں دی بلکہ آپ نے اپنے اصحاب کی تردید میں پانچ زبردست دلیلیں پیش کیں ہیں اور ان احادیث کی تضعیف کی ہے جو پہلے حنفی بزرگوں نے نسخ یا ترک رفع الیدین کے سلسلہ میں پیش کر رکھی ہیں۔ آپ اپنے ان اصحاب پر نہ صرف تنقید کرتے ہیں بلکہ سخت برہم بھی ہیں اور بڑے تعجب سے تحریر کرتے ہیں کہ :

ولا شک ایضاً فی انه ثبت عن ابن عمرؓ روایات الثقه فعل الرفع (حوالہ مذکور)

کہ ابن عمرؓ سے وارد ہونے والی ثقہ روایات کے بموجب اس بات میں شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ سکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز تا حین حیات رفع الیدین سے مزین رہی ہے۔ (پھر تعجب ہے کہ ہمارے اصحاب اس کے خلاف کہہ رہے ہیں۔)

سبحان اللہ کیا سچ ہے۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہِ کنعاں کا

الہدایہ کی گواہی

یاد رہے ہدایہ حنفی فقہ کی سب سے زیادہ معتبر کتاب مانی گئی ہے۔ اگرچہ علم و خبر کے اعتبار سے قاضی خان کے مصنف کو ہدایہ کے مصنف پر برتری حاصل ہے۔ لیکن احناف کے ہاں ہدایہ کو دوسری سب کتابوں پر فوقیت حاصل ہے۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ الہدایہ حنفیوں کا قرآن ہے۔ خود ہدایہ کے مقدمہ میں بھی آیا ہے کہ الھدایه کاالقران کہ ہدایہ قرآن کا مرتبہ رکھتی ہے۔

اب تک ہم نے اپنے حنفی بھائیوں کے سامنے حنفی المسلک دو بڑے اصحاب علم و

خبر کی گواہیاں پیش کی ہیں۔ لیکن ذیل میں حنفی قرآن سے گواہی پیش کرتے ہیں کہ بیہقی کے نام سے مشہور حدیث جو آج بیہقی میں نہیں بیہقی کی حدیث ہی ہے۔ ہدایہ کے حوالے کے بعد کسی بھی سچے اور انصاف دوست حنفی کو نہ کوئی شبہ رہنا چاہئے نہ اعتراض۔ دیکھئے حضرتِ شارح کس اعتماد سے تحریر کرتے ہیں کہ:

حق یہ ہے کہ حضرت ﷺ سے رفع الیدین نماز کے ہر جھکاؤ اور اٹھاؤ میں پھر صرف رکوع اور قومہ میں صحیح طور پر ثابت ہے لیکن یہ صریح نہیں ثابت ہوتا کہ آخر تک کیا آپ کا یہی طریقہ رہا ہے (ہاں البتہ) بیہقی کی روایت میں جو عبداللہ بن عمرؓ سے وارد ہوئی ہے کہ آپ کی نماز میں رفع الیدین آخر تک رہی ہے۔ یہاں تک کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ملاقی ہوئے۔ (عین الهدایہ جلد اول صفحہ ۳۸۶)

یہ توراہ چڑھی بات ہے

عزیز بھائیو! ہم نے حنفی بزرگوں اور حنفی قرآن کی گواہیاں تو آپ بھائیوں کی تسلی کے لئے پیش کی ہیں تاکہ آپ زیرِ بحث مسئلہ کو قریب سے سمجھنے کا موقع فراہم کر سکیں۔ ورنہ بیہقی کے حوالہ سے اس روایت سے استشہاد صرف انہی لوگوں تک محدود نہیں بلکہ اس روایت کو تو اہلِ علم لوگ راہ گلی جانتے ہیں اور بڑی خوبی سے جانتے ہیں۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ راہ گلی اور بازاروں کے جھگڑالو مجمع بازوں کی مصلحتیں اپنی ہیں ورنہ اب تو کسی کو خود بیہقی کی اس روایت سے علاقہ پیدا کرنے کے لئے بیہقی کی ضرورت ہی نہیں رہ سکی ہے۔ آپ اس روایت کو دراست اللبیب میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں جہاں یہ ایک چھوڑ دو سندوں سے منقول ہوئی ہے۔ حضرت علامہ ابنِ حجرؒ نے اس کو بیہقی کے حوالہ سے اپنی شہرہ آفاق کتاب تلخیص الحبیر میں درج کیا ہے۔

امام تاج الدین السبکی کی الجزو میں یہ حدیث بیہقی کے حوالہ سے درج ملتی ہے۔

آپ اس روایت کو فتح الربانی شرح مسند امام احمدؒ میں درج پا سکتے ہیں۔

حضرت علامہ شوکانی کی شہرہ آفاق تصنیف نیل الاوطار کے صفحات بیہقی کی اس روایت سے بیہقی کے حوالے سے ہی مزین ہیں۔

یہ سب کتابیں بازار میں بآسانی دستیاب ہیں کوئی جب چاہے حاصل کر کے اپنی تسلی کرے اب بیہقی کے لئے جان کھپانے کی کیا ضرورت ہے جو نقب زدہ ہے کہ اب یہاں گھر گھر بیہقیِ موجود ہے۔

جو کھویا گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں
گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
مرے اب یہاں راز داں اور بھی ہیں

ہو سکتا ہے کوئی اللہ کا بندہ اس بیہقی کو بھی تصحیح و تحقیق کے بعد شائع کر دے اور وہ بیہقی بھی دوبارہ حسنِ محفل بن سکے جس کے شنگار کو حنفی بزرگوں کی نظر کھا گئی اور زبان چاٹ گئی۔ کون جانے کہ پھر کب۔

مردے از غیب بروں آئد و کارے بکند

واضح ہو کہ حنفی بزرگوں کی نشتر خیانت سے زخمی حدیث کی بعض دوسری کتابیں پوری تصحیح اور تسلی کے بعد شائع ہو چکی ہیں۔ اللہ کرے کہ حمیدی کی طرح بیہقی کی باری بھی آجائے کہ۔

ہم نے انقلاب چرخ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

فصل سوم

دو فریقِ جنگ

رسولِ اکرمؐ اور فقہ حنفی

بڑے بھولے بھالے بڑے پارسا
ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

ہم نے جو حدیثِ رسول اور حنفی فقہ کو ایک دوسرے کے خلاف صف آراء' ایک دوسرے کے حریف اور ایک دوسرے کے خلاف فریقِ جنگ کہا تو اس میں تعجب والی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ صورتِ حال فی الواقع ہی یہی ہے۔

حدیث پاک اور حنفی فقہ میں تصادم اُسی روز جاری ہو گیا تھا جس روز فقہ حنفی نے بطور ایک الگ مسلکِ فکر کے وجود پایا اور کتاب و سُنت کی جگہ خود کو کتاب و سنت قرار دیا۔ جبکہ کتاب و سنت ایک الگ حقیقت ہے اور حنفی فقہ اس سے الگ دوسری شئے ہے اصل یہی ہے کہ ان دونوں کا باہمی تصادم کوئی غیر منطقی بات بھی نہیں ہے کیونکہ دونوں کے مفاد الگ الگ ہیں' دونوں کے مقاصد الگ الگ ہیں' دونوں کی سوچ کی راہیں الگ الگ ہیں۔ پھر یہ دونوں فریق آپس میں حلیف اور دوست بن کر کیونکر رہ سکتے ہیں۔ مفاد جب ٹکرائیں گے تو ظاہر ہے کہ تصادم ضرور ہو گا۔

آپ اگر دونوں کے تصادم کے اسباب پر بطور ایک خالص مسلمان شخص کے غور کریں گے تو حق آپ سے دامن نہیں بچائے گا۔ آپ اس کی جانب ایک قدم اٹھائیں گے تو وہ آپ کی جانب دس قدم اٹھائے گا۔ ان دونوں میں تصادم اور ان دونوں کے باہم گرنا ہموار ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ فقہِ حنفی زمینی تخلیق ہے اور انسانی فکر کا حاصل ہے' انسان کی

مرضی کے تابع ہے اور انسان کی اپنی طے کردہ ضرورتوں کی کفیل ہے۔

فقہ کی حقیقت اس کے بجز کچھ نہیں ہے کہ دین کے جس مسئلہ کے بارے میں جس کسی باباجی نے جو سوچا اس کے ماننے والے اور مداحین کے نزدیک وہ سوچ اس باباجی کی فقہ ٹھہری جبکہ حدیثِ رسول کا منبع آسمان پر ہے۔ بات آسمان سے چلتی ہے اور زمین پر پہنچ کر محمد ﷺ کی زبان الہامِ ترجمان کے ذریعہ حدیثِ رسول کے نام سے امت کے سپرد ہوتی ہے۔ حدیث اور فقہ کے اسی فرق کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے ہی امت فساد باہمی کا شکار ہو رہی ہے ورنہ بات تو بڑی باضحہ ہے۔ قرآن پاک کی واضح نص موجود ہے کہ وما ینطقُ عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی کہ محمد ﷺ اپنی خواہش یا اپنی صوابدید سے مسائل دین بیان نہیں کرتے' بلکہ ان کی بات اوپر کی تلقین اور وحی ربانی کے تابع ہوتی ہے۔

ان کا بیان دراصل ان کا اپنا بیان نہیں ہوتا بلکہ بقول شاعر ؎

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس پوری رُوداد میں محمد ﷺ کا کردار بس اتنا ہی ہے کہ ؎

اُنہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات اُنکی

اُنہی کی محفل سجا رہا ہوں چراغ میرا ہے رات اُنکی

اب آپ غور فرمایئے ایک چیز سب کچھ جاننے والے رب کے حکم سے آسمان سے اتری ہے اور ایک چیز اہلِ زمین نے اپنی سوچ سے اپنے لئے تجویز کی ہے۔ دونوں میں تطابق و توافق نام کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ جب سوچیں مختلف ہیں تو نتائج بھی مختلف ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ جب کسی حدیث کو اپنی راہ میں رکاوٹ بنتے دیکھتی ہے تو اس کے خلاف صف آراء ہو جاتی ہے۔

عزیزانِ گرامی قدر آپ تو بفضلِ تعالیٰ مسلمان ہیں- یہ بات کسی غیر مسلم کے ماننے میں بھی نہیں آسکتی کہ مسلمان لوگ جو اپنے نبی کے وضو سے اُڑنے والے چھینٹوں کو بطور تبرک اپنی چادروں میں لیتے تھے ان کی اولاد میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو اپنے نبی کی بات کو ٹوکیں گے' اُن کی راہ روکیں گے' اپنے مفاد کے لئے اُن سے لڑیں جھگڑیں گے اور اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُن سے معاندین کی طرح باتیں کریں گے- فقہ حنفی کے مصنفین کے یہ طور طریقے صرف افسوسناک ہی نہیں مقامِ عبرت بھی ہیں کہ ان کی تصنیف کردہ فقہ رسول اللہ ﷺ کو نماز سے طہارت تک اور کھانے پینے' رہنے سہنے اور حرام حلال کے مسائل کے بیان تک قدم قدم پر ٹوکتی ہے' اُن کی راہ روکتی ہے' اُن کے بیان پر گرفت کرتی ہے اور اُنہیں ٹکنے نہیں دیتی- کسی درجہ میں بھی خدا کے خوف کو روا نہیں رکھتی- بات ماننے کی نہیں تھی- مگر امرِ واقعہ یہی ہے کہ حنفی فقہ کا سلوک رسولِ اکرم ﷺ سے نہایت درجہ گستاخانہ بھی ہے اور امتی ہونے کے آداب کے خلاف بھی ہے-

آیئے ہم یہاں آپکے سامنے رسول علیہ السلام کے خلاف حنفی فقہ کے خروج اور اُن سے جنگ آرائی کے چند بغاوت اثر پہلوؤں کی نقاب کشائی کرتے ہیں-

ارشادِ رسولِ پاک ﷺ	حنفی فقہ کا حکم
۱- نماز ادا کرتے وقت پوری تسلی اور اطمینان سے رکوع کرو پھر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ کہتے ہوئے قومہ کی صورت میں) سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور پوری تسلی اور اطمینان سے کھڑے رہو- پھر اطمینان بھرا سجدہ کرو کہ تم اپنے سجدہ سے مطمئن	۱- نہ رکوع میں ہی اطمینان فرض ہے نہ قومہ میں' نہ سجدہ میں اور نہ بین السجدتین ہی کوئی اطمینان شرط ہے (ہدایہ جلد اول کتاب الصلوٰۃ) مطلب یہ ہوا کہ نماز کا وقت اگر آہی گیا ہے تو جیسے کیسے بھی یہ وقت گزار لو' اطمینان اور تسلی کے تکلف میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے-

ارشاد رسول پاکؐ

ہو جاؤ پھر سجدہ سے اٹھ کر دونوں سجدوں کے درمیان پورے اطمینان سے سیدھے ہو کر بیٹھو (بخاری و مسلم)

۲-رسول اللہ ﷺ نے شراب کے حرام ہونے کا اعلان کیا تو کسی نے سوال کیا کہ کیا شراب کا سرکہ بنا کر استعمال کیا جا سکتا ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں-(مسلم)

۳- حرام چیز بالکل حرام ہے خواہ اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ-(بخاری- مسلم)

۴- سوال کیا گیا بطور دوا کے شراب کو استعمال کر سکتے ہیں تو فرمایا ہرگز نہیں یہ بیماری کی دوا نہیں بلکہ خود بیماری ہے تاہم حرام شے بطور دوا بھی حلال نہیں ہے- (بخاری شریف)

۵- فرمایا کسی شخص کو کوئی چیز ہبہ کر کے یعنی بخش کر واپس لینے والا شخص اُس کتے کی مانند ہے جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے- (بخاری شریف)

حنفی فقہ کا حکم

(ہدایہ حصہ اول باب صفۃ الصلوٰۃ) صفحہ ۱۷۳

۲-جب شراب سرکہ بن گئی تو اب وہ حلال ہے- (یعنی اس کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے) (ہدایہ جلد چہارم کتاب الاشربہ)

مزید ارشاد

۳- شراب جب تک نشہ پیدا نہ کرے پی جا سکتی ہے- شراب کی صرف وہی پیالی حرام ہے جس سے نشہ پیدا ہو- اگر وہ نشہ پیدا نہ کرے اور اس حد تک شراب کا پینا حلال ہے (ہدایہ جلد چہارم کتاب الاشربہ)

۴- جو کی شراب، کھجور کی شراب، گیہوں کی شراب، شہد، انجیر اور جوار سے بنائی گئی شراب تو ویسے بھی حلال ہے البتہ انگور کی شراب حرام ہے لیکن اگر انگور کی شراب کو بھی اتنا پکا لیا جائے کہ انگور کا شیرہ دو تہائی جل کر ایک تہائی رہ جائے تو (دوا کے بطور) قوت حاصل کرنے کے لئے وہ بھی استعمال کی جا سکتی ہے-

۵- ہبہ کرنے والے کو اپنی چیز واپس لینے کا پورا حق ہے-(ہدایہ کتاب الہبہ)

کُتّا

واضح رہے کہ کُتّا ایک نجس جانور ہے اور فی نفسہ پلید ہے۔جو دھونے سے بھی پاک نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ کو کُتّے سے سخت نفرت تھی اور مسلم شریف کی روایت کے مطابق آپؐ نے کُتّوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا ہے۔کالے کُتّے کو تو بالخصوص شیطان کہا ہے۔

ارشاد گرامی ہے کہ جس گھر میں کُتّا ہو رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے۔روایت ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے ایک روز صبح حاضر ہونے کا وعدہ کیا لیکن وہ اپنے وعدہ کے مطابق نہ آئے۔اگلے روز ملاقات پر حضورؐ نے وعدہ خلافی کا سبب پوچھا تو جبرئیلؑ نے کہا حضورؐ میں حاضر ہوا تھا لیکن واپس چلا گیا کیونکہ اس وقت آپ کے گھر میں کتے کا چھوٹا بچہ کسی طرح داخل ہو گیا تھا۔اور جہاں کتا ہو وہاں ہم فرشتگان رحمت نہیں آتے۔

پتہ نہیں کہ حنفی فقہاء کو کتے سے اتنی محبت کیوں ہے کہ وہ اس کے لئے رسولِ خداؐ سے بھی لڑائی لڑنے نکل آئے ہیں۔انہوں نے کتے کے نجس العین ہونے سے بھی انکار کیا ہے (ہدایہ جلد اول باب للمآء) یعنی فقہا کے نزدیک کتا فی نفسہ پلید نہیں بلکہ اس کی پلیدی بھی ایسے ہی ہے جیسے کوئی حلال جانور بھی گندگی لگنے سے پلید ہو جائے اور دھونے سے پاک ہو جائے۔

حیرت ہے کہ حضرت سعدی شیرازی نے جو بات سمجھ لی وہ حنفی فقہ کے مصنفین کی سمجھ میں نہیں اتری۔سعدی فرماتے ہیں ؎

سگ بدریائے ہفت گانہ بشو
چونکہ ترشد پلید تر باشد

کہ تم خواہ کتے کو سات سمندروں میں دھوتے رہو وہ جوں جوں بھیگے گا پلید سے پلید تر ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ نے عوام کی معیشی تنگی کے سبب پیٹ کا ایندھن مہیا کرنے کے لئے شکار کے لئے کتا رکھنے کی گنجائش دے رکھی ہے' کھیتوں اور باغوں کی حفاظت کے لئے بھی یہ رعایت حاصل ہے اور اس میں بھی آپؐ نے چھوٹے چھوٹے باغ باغیچے والوں کو کتا رکھنے سے منع کر دیا تھا۔ لیکن دیکھئے اس نجس کتے کے لئے حنفی بزرگ کس طرح رسول اکرم ﷺ سے لڑائی پر نکل آئے ہیں۔

رسول پاک ﷺ کا ارشاد	حنفی فقہ کا حکم
۶۔ اگر تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو برتن کو پاک کرنے کے لئے ایک بار مٹی سے خوب طرح سے مانجھو پھر چھ بار پانی سے اچھی طرح دھو ڈالو۔ (بخاری شریف)	۵۔ صرف تین بار پانی سے دھونے سے ہی برتن پاک ہو جاتا ہے۔ (ہدایہ جلد اول کتاب الطہارت) یعنی حدیث کے بموجب سات بار دھونے اور مانجھنے کا تکلف بے وجہ ہے۔
۷۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری۔ مسلم)	۶۔ کتے کی خرید و فروخت بالکل جائز ہے کتا خواہ سدھایا ہوا ہو یا سدھایا ہوا نہ ہو ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں ایک ہی حکم میں ہیں۔ (ہدایہ جلد ۳ باب مسائل منثورہ)
مزید	**مزید چھٹی**
حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ایک روز حضورؐ کی مجلس میں کتے کی خرید و فروخت کے بارے میں بات کی تو آپؐ نے جھڑک دیا۔ (بخاری شریف)	کتے کی کھال صاف کر کے اس کا کرتہ پہن کر نماز ادا کرنا درست ہے۔ (ہدایہ جلد اول باب الماء) مزید فرمایا کتے کی کھال کا ڈول (بوکا) بنا کر کنویں سے پانی

حنفی فقہ کا حکم

نکالنا درست ہے۔ اور اس سے وضو بھی کیا جا سکتا ہے (ہدایہ جلد اول کتاب الماء)

مزید ارشاد ہے

کتے کو ذبح کر کے اس کا گوشت فروخت کرنا جائز ہے (فتاویٰ عالمگیری جلد ۳ کتاب البیوع)

ایک قدم اور آگے

ذبح کرنے سے کتے کا گوشت پاک ہو جاتا ہے۔

(ہدایہ جلد اول باب الماء الذی لا یجوز)

فرمایئے لڑائی میں کوئی کسر باقی رہ گئی ہے؟

فصل چہارم

بات چل نکلی ہے اب دیکھیں کہاں تک پہنچے

یاد رہے حنفی بزرگوں کی یہ تخریب کاری اور احادیث رسول میں تحریف و ترمیم ایک بیہقی تک ہی محدود نہیں رہ سکی۔ کیونکہ نفس کی ضرورتیں تو ہر روز بڑھتی رہتی ہیں۔ پھر جوں جوں حنفی بزرگوں کو ضرورت پڑی انہوں نے اپنی چھری تیز ہی رکھی ہے۔ گناہ کی وادی میں اترتے ایک جھجک ہی حائل ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص اس وادی میں بشرح صدر اور رغبت سے ایک قدم اٹھا لیتا ہے تو پھر اس کے لئے اگلی راہ بہت آسان ہو جاتی ہے۔ ٹھیک ایسے ہی جب حنفی بزرگ گناہ کی وادی میں ایک بار اترے تو پھر بڑھتے ہی چلے گئے اور اپنی ہر ضرورت بے دھڑک پوری کی ہے۔

پھر خواہ مستدرک الحاکم ہو یا ابو عوانہ' بیہقی ہو یا ابن ابی شیبہ' ابوداؤد ہو یا مسند حمیدی۔ انہوں نے حسبِ ضرورت سب کو ہی ڈسا ہے لیکن ہم یہاں بطور نمونہ مشتے از خروارے صرف مسند حمیدی تک ہی اپنی بات محدود رکھیں گے۔ ورنہ یہاں صورت حال کچھ ایسی ہی ہے کہ ؎

تو ذرا چھیڑ تو دے تشنہ مضراب ہے ساز
نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لئے

مسند حمیدی

حضرت امام حمیدیؒ حضرت امام بخاری جیسے امیر المحدثین بزرگ کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ امت کے اندر بڑی شہرت کے مالک ہیں' عظیم محدث ہیں' ان کا جمع کردہ ذخیرہ حدیث مسند حمیدی کے نام سے اب دستیاب ہے۔ اگرچہ اس سے قبل وہ کمیاب ہی نہیں بلکہ تقریباً نایاب تھا احادیث کی اسناد کے باب میں یہ مجموعہ بخاری اور مسلم کے لئے ایک طاقتور معاون اور رہنما کی حیثیت رکھتا ہے اور احادیث رسول کی جمع و ترتیب میں یہ مجموعہ ایک قیمتی دستاویز کے بطور جانا پہچانا جاتا ہے۔ اس مجموعہ احادیث میں حنفی فنکاروں نے ہاتھ کی صفائی کے جو کرتب دکھائے ہیں اور جس بیدردی سے اپنے ایمان کی جانب پیٹھ دے کر اس کو ایک قصاب کی حیثیت سے اپنا معمول بنایا ہے۔ اس پر صرف اُنہی کا ضمیر ندامت اور خفت محسوس نہیں کرتا ہوگا بلکہ حق یہ ہے کہ ان کی فنکاری کے انکشاف سے ہر شریف اور سچے حنفی کا سر بھی شرم سے جھک جاتا ہے۔ رفع الیدین کے باب میں حضرت ابن عمرؓ سے وارد ہونے والی مشہور حدیث صحاح ستہ اور دوسری بہت سی کتب حدیث کے طریقہ پر حضرت حمیدیؒ نے بھی اپنے ہاں نقل کی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو (بطور تکبیر تحریمہ) اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں تک بلند کرتے۔ پھر جب رکوع کا

ارادہ کرتے تو پھر پہلے کی طرح ہی اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں تک بلند کرتے۔ ایسے ہی جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو پھر اس عمل کو دُہراتے۔

تاہم آپ یہ رفع الیدین کا عمل سجدوں کے اندر نہیں کرتے تھے۔ یہ کتاب جیسا کہ ہم عرض کر آئے ہیں تقریباً نایاب ہی تھی لیکن احناف اہل علم اس کتاب میں وارد ایک حدیث کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی رفع الیدین سے کھلے عام انکار کرتے تھے جبکہ حنفی بزرگوں کے جواب میں اہل حدیث کے رہوار قلم کے لئے زمین قرطاس کی تنگی، دل گرفتگی کا موجب تھی۔ کیونکہ مسند حمیدی کو تو اہل حدیث اہل علم احادیث صحیحہ کا ایک مجموعہ مانتے تھے۔ لیکن بد قسمتی سے احناف کے جواب میں اس کی عدم دستیابی راستہ روکے تھی۔

یہاں تک کہ گوجرانوالہ کے ایک پُر عزم اور جواں ہمت بوڑھے اہل حدیث عالم اور عظیم محقق حضرت مولانا خالد گرجاکھی کے عزم جواں نے سخت تلاش و تجسس سے اصل مسند حمیدی تک رسائی حاصل کر لی اور متعلقہ صفحہ کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں ملک بھر میں مسلکی اخبارات اور اپنے ماہنامہ کے ذریعہ جگہ جگہ پھیلا دیں۔ جس کے ساتھ ہی حنفی اصحاب ادعا کے لب ڈھیلے پڑ گئے اور قلم خشک ہو گئے۔

مولانا گرجاکھی نے اپنی اس دریافت کی صحت کو چیلنج کرنے والوں کے لئے ایک انعامی رقم کا اعلان بھی کیا تھا۔ ان کی یہ للکار برسوں ملک کے ایوان ہائے علم میں گونجتی رہی لیکن کسی حنفی صاحب علم نے مولانا کو جھٹلانے کی جرأت نہ کی۔

اور اب تو اللہ کے فضل سے حمیدی کا اصل نسخہ پوری تصحیح و تصدیق کے ساتھ کراچی کے ایک مشہور اشاعتی ادارہ نے شائع کر دیا ہے جو احناف مجمع بازوں کے لئے ایک مستقل ندامت کا ذخیرہ بن رہا ہے۔

دیدہ دلیری کی انتہا

ذیل میں ہم مسند حمیدی کے اصل مصدقہ مطبوعہ نسخہ اور مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی حنفی کے مار فنکاری کے ڈنک چشیدہ زخمی اور محرف شکل میں شائع کردہ مسند حمیدی میں درج رسول اکرمﷺ کی رفع الیدین کے بارے میں ایک حدیث کا تقابلی جائزہ اپنے قارئین کی خدمت میں بالعموم اور اپنے انصاف دوست اور نیک دل حنفی بھائیوں کی خدمت میں بالخصوص پیش کر کے خدا کے نام پر اُن سے انصاف کے طالب ہیں۔

اصلی نسخہ مُسند حمیدی کی عبارت	حنفی ناشر مولانا حبیب الرحمٰن کی شائع کردہ عبارت
رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو رَفَعَ یَدَیْہِ حَزْوَ منکبیہِ اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں تک بلند کرتے۔ وَاِذَا اَرَادَ اَنْ یَّرْکَعَ اور جب رکوع کے لئے جھکنے کا ارادہ کرتے تو پھر اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک بلند کرتے وَبَعْدَ مَایَرْفَعُ رَاسَہٗ مِنَ الرَّکُوعِ اور پھر جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو پھر پہلے کی طرح ہی رفع الیدین کرتے۔	رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو رَفَعَ یَدَیْہِ حَذْوَ منکبیہِ اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں تک بلند کرتے تھے۔ وَاِذَا اَرَادَ اَنْ یَّرْکَعَ اور جب رکوع کے لئے جھکنے کا ارادہ کرتے۔ وَبعد مایرفع راسہٗ من الرکوع اور اس کے بعد جب رکوع سے سر اٹھاتے فَلَا یرفع تو رفع الیدین نہیں کرتے تھے

یعنی ظالم محرف نے کلمہ فلا یرفع اپنے پاس سے داخل کر کے مثبت کو منفی یعنی ہاتھ اٹھاتے تھے کو ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے سے بدل کر اپنی عاقبت اور اپنے پیرو کاروں کے ایمان کو برباد کر دیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

ہے کوئی انصاف پسند اور انصاف دوست حنفی بھائی جو اس ظلم کے خلاف احتجاج کرے اور حدیث رسولؐ میں جھوٹ ملا کر اپنے غلط مذہب کو صحیح ثابت کرنے والے خائن اور فریب کار کے خلاف اظہار نفرت کرے اور ایسوں کو ترک کر کے اپنی راہ سیدھی کرے۔

یہاں ہم ان دونوں نسخوں کی اصل عبارت بذریعہ فوٹو سٹیٹ پیش کرتے ہیں۔

قارئین خود ملاحظہ کریں اور اپنے رب کا خوف دل میں رکھ کر انصاف کریں۔

نسخہ ظاہریہ کے مخطوطہ کا فوٹو

حاصل کردہ حضرت مولانا خالد گرجاکھی صاحب

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(اسلام کی امانت صفحہ ۳۱)

حنفی ناشر مولانا اعظمی صاحب کے زیر اہتمام مسند حمیدی کے

مطبوعہ نسخہ کا فوٹو

جس کی سند اور متن دونوں غلط ہیں۔

٦١٤— حدثنا الحميدى قال. ثنا الزهرى قال: اخبرنى سالم بن عبد الله
عن ابيه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه ... اذا افتتح الصلوٰة رفع
يديه حذو منكبيه، و اذا اراد ان يركع وبعد ما يرفع رأسه من الركوع
فلا يرفع ولا بين السجدتين"

اسلام کی امانت صفحہ ۳۱

فصل پنجم

ہدایہ شریف

زباں پر بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

ہدایہ فقہ حنفی کی سب سے زیادہ معتبر کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہ چھٹی صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ مصنف کا نام علی بن ابی بکر ہے۔ برہان الدین لقب ہے اور مرغیناں کی رہنے والے ہیں۔ اور اگرچہ اس تصنیف سے قبل حنفی فقہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا تھا۔ بالخصوص قدوری جو ہدایہ سے ایک سو برس قبل لکھی گئی اور بعد میں لکھی جانے والی کتابوں کا تو شمار ہی مشکل ہے۔ ان کتابوں میں تقریباً ڈیڑھ درجن کتابیں بڑی ضخیم اور حنفی مکتب فکر میں اہمیت کی حامل سمجھی گئی ہیں۔ جیسے فتاویٰ قاضی خان، طحاوی شرح وقایہ کنزء فتاویٰ بزازیہ، فتح القدیر، بحر الرائق در مختار اور فتاویٰ عالمگیری۔ لیکن احناف کے نزدیک ہدایہ کا مرتبہ ان اگلی پچھلی ساری کتب فقہ کے مقابلے میں زیادہ وقیع ہے۔

مقامِ ہدایہ

ہدایہ کے مقام اور مرتبہ کا اندازہ کرنے کے لئے خود ہدایہ کے مقدمہ میں درج یہ شعر کفایت کرتا ہے ۔

الهداية كالقرآن قد نسخت
ما صنفوا قبلها من كتب

کہ ہدایہ بالکل قرآن کی مانند ہے۔ اس کی تصنیف سے وہ ساری کتابیں منسوخ ہو گئیں جو دین کے مسائل پر اس سے پہلے لکھی جا چکی تھیں۔

یعنی جس طرح قرآن پاک کے نزول سے پہلی تمام آسمانی اور الہامی کتابیں تورات' زبور' انجیل اور صحفِ انبیاء منسوخ ہو چکے ہیں ٹھیک ایسے ہی ہدایہ کی تصنیف سے قبل دین کے بارے میں جو کچھ بھی قلم و قرطاس کی زینت تھا سب منسوخ ہوا۔

ظاہر ہے کہ ہدایہ جب قرآن کا حکم ہی رکھتی ہے تو اس کو قرآن کی طرح ہی ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ ہونا چاہیئے اور جس طرح قرآن پاک کے اندر کوئی شک و تردد والی بات موجود نہیں ہے۔ ہدایہ کا دامن بھی ایسے ہی ہر قسم کے شک و تردد' جھوٹ اور جعلسازی سے پاک ہونا چاہیے۔

لیکن افسوس ہے کہ ہدایہ اس معیار پر پوری نہیں اُترتی۔

اس کتاب میں نہ صرف مقطوع مرسل ضعیف اور موضوع روایات کی بھرمار ہے بلکہ ہدایہ کے مصنف نے رسول علیہ السلام کے نام سے اپنی مرضی کے مطابق خود حدیثیں گھڑ کر بھی اپنی کتاب میں درج کی ہیں۔ وہ اپنی ضرورت سے عربی الفاظ کی جمع و ترتیب خود کرتا ہے اور پھر اُسے حدیثِ رسول کہہ کر حوالہ قلم کر دیتا ہے۔

ہدایہ کا مصنف رسول حق پر جھوٹ لگانے میں اتنا زیادہ دلیر ہے کہ آپ اس کی دلیری کی مثال فقہ کی کسی دوسری کتاب میں نہیں پائیں گے۔ بات لمبی ہوتی ہے اس لئے ہم کسی تفصیل مین پڑے بغیر مصنف ہدایہ کی صرف تین ہی خود ساختہ اور جعلی حدیثیں پیش کر کے غور و فکر کا فریضہ اپنے حنفی بھائیوں کے سپرد کر دیں گے کہ

عاقل کو بس ایک حرف ہے تحقیق کا کافی

ایک مفروضہ جعلی حدیث

ہدایہ کے مصنف کہتے ہیں: والذی یروی من الرفع محمول علی الابتداء کذا نقل عن ابن زبیر رضی اللہ عنہا۔ کہ رفع الیدین کے باب مین

جو روایات وارد ہوئی ہیں وہ اسلام کے ابتدائی زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر سے منقول ہے (عین الھدایہ جلد اول صفحہ ۳۸۳)

عبداللہ بن زبیر سے یہ ارشاد کس نے نقل کیا اور ان کا یہ ارشاد کہاں سے نقل ہوا ہے۔ یہ بات نہ مصنف نے بتائی ہے نہ کوئی شارح ہی بتا سکا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مصنف نے اپنے موقف کو قوی کرنے کے لئے عبداللہ بن زبیرؓ کو ذریعہ بنایا ہے جبکہ عبداللہ بن زبیرؓ اثباتِ رفع الیدین کے قائل تھے۔ خود شرح ہدایہ میں ہے کہ :

ابن جوزیؒ نے تحقیق میں طعن کیا ہے کہ حنفیہ ابن زبیرؓ اور ابن عباسؓ سے رفع الیدین کا نسخ (منسوخ ہونا) ثابت کرتے ہیں حالانکہ ان دونوں سے رفع الیدین کے (اثبات میں) مضبوط روایت موجود ہے۔ جیسا کہ ابوداؤد میں میمون مکی سے وارد ہوا ہے۔ یہ دونوں رفع الیدین کے قائل تھے پھر ان سے نسخ کے روایت منسوب کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ (عین الھدایہ شرح ہدایہ' شائع کردہ قانونی کتب خانہ لاہور جلد اول صفحہ ۳۸۶)

اصل یہی ہے کہ ہدایہ کے مصنف نے ابن زبیرؓ کے نام سے ایک جعلی روایت ترتیب دے لی ہے جس کا حدیث کے ذخیرہ میں کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔

دوسری خود ساختہ جعلی حدیث

ہدایہ کے مصنف تحریر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی کہ جس نے کسی پرہیز گار اور متقی عالم کی اقتدا میں نماز ادا کی اس نے گویا نبی ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ (ہدایہ جلد اول باب الامامت صفحہ ۱۳۲' عین الھدایہ شرح ہدایہ شائع کردہ قانونی کتب خانہ کچہری بازار لاہور جلد اول صفحہ ۴۴۴)

اب ہم کسی سے کیونکر کہیں کہ حدیث کے نام سے یہ فریب کاری مصنف ہدایہ کے اپنے ذہن کے پیداوار ہے اور ہم یہ کہنے کی ضرورت بھی کیوں سمجھیں جب خود احناف کے ہاں بھی حدیث کے نام سے یہ جعلی عبارت جھوٹ اور خلاف واقعہ ہے۔

شارح ہدایہ لکھتے ہیں یہ حدیث ذخیرہ حدیث میں کسی نے نہیں پائی۔ حنفی بزرگ ابن ہمام کہتے ہیں کہ اس حدیث کے بارے میں اللہ سبحانہ' تعالیٰ کو ہی علم ہوگا۔(فتح القدیر جلد صفحہ ۲۴۶) حنفی بزرگ حضرت ملا علی قاری نے اس کو موضوع یعنی بالکل جھوٹی روایت کہا ہے (عین الہدایہ جلد صفحہ ۴۴۴) خود ہدایہ کے شارح نے بہ ندامت اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس روایت کو حدیث نہیں کہنا چاہئے۔(عین الہدایہ جلد ا صفحہ ۴۴۴)

تیسری خود ساختہ اور جعلی حدیث

مصنف ہدایہ تحریر کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

من ترك الاربع قبل الظهر لم تناله شفاعتي (ہدایہ صفحہ ۱۵۴ عین الہدایہ جلد اول صفحہ ۵۷۲ باب ادراک الفریضہ)

کہ جس شخص نے ظہر کی نماز سے پہلی چار سنتیں چھوڑ دیں۔ قیامت کے روز اُسے میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔

اور ہم کہتے ہیں کہ حدیث رسول کے نام سے مصنف ہدایہ کا یہ عظیم فریب ہے جو اُسنے دوسروں کو دیا اور یہ صورت بالکل قرآن کی اس آئیہ کریمہ کے مطابق ہے جہاں فرمایا:

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہ یہ لوگ خدا اور اس کے بندوں کو دھوکہ دے رہے ہے۔

اور حق یہ ہے کہ یہ جملہ رسولِ کریم کی ذات پر بہتان ہے جھوٹ ہے اور مصنف ہدایہ کا خود ساختہ ہے۔ ذخیرہ حدیث میں اس کا کہیں نشان نہیں پایا جاتا۔

گھر کی گواہی

ہدایہ کا مترجم اور شارح لکھتا ہے کہ یہ روایت بے اصل ہے اور ذخیرہ حدیث میں اس کا کہیں وجود نہیں ملتا۔ (عین الہدایہ جلد اول صفحہ ۵۷۲)

جھوٹوں کی تو خیر اس دنیا میں کوئی کمی نہیں' یہاں ایک سے ایک بڑھ کر جھوٹا' دھوکہ باز اور فریب کار مل سکتا ہے۔ لیکن جس کتاب کو قرآن کی مثل قرار دیا جائے اس میں جھوٹ کی موجودگی قیامتِ صغریٰ سے کم نہیں۔ یقیناً یہ امر حنفی بھائیوں کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہی ہے۔ کہ وہ اپنے مستقبل کی فکر کریں۔ انہوں نے پوری دیانت داری سے اپنے مستقبل کو جس کتاب کے سپرد کر رکھا ہے وہ اُنہیں اُخروی خسارہ کے سوا کچھ مہیا نہیں کر رہی۔ اس کی راہ دوسری ہے اور جنت کی راہ الگ ہے۔ حیرت ہے کہ حدیث پاک کو ترک کر کے اُسے اختیار کیا جائے جو سراسر گمراہی ہے۔ یہاں سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ۔

مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

اور حنفی بھائیوں سے دریافت کیا جائے کہ عزیزو!۔

آن را کہ خود گم ست کرا رہبری کند

ایک الگ فصل

چار فقہی امام اور اہل حدیث

مقلد بھائیوں کی خصوصی توجہ کے لئے

آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

اہل سنت مسلمانوں کے چار فقہی امامان گرامی قدر حضرت امام ابو حنیفہؒ حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں اہلحدیث کا عقیدہ

بالکل واضح ہے لیکن افسوس ہے کہ حنفی حلقوں میں اکثر ہی بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ بعض متشدد حنفی حلقوں نے اپنے مفاد سے مسلمانوں کو اہلحدیث سے دور رکھنے کے لئے یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ اہلحدیث ان فقہی آئمہ کا احترام نہیں کرتے ان سے عناد روا رکھتے ہیں اور اُن سے نفرت کرتے ہیں۔ جبکہ یہ بات کسی درجہ میں بھی صحیح نہیں ہے۔

اہل حدیث ان چاروں آئمہ فقہ سے نہ صرف محبت رکھتے ہیں بلکہ حسب ضرورت ان کے علم و خبر سے استفادہ بھی کرتے ہیں ان کی پرہیزگاری ان کے اتقا کے معترف ہیں اور ان کو خدام دین حق سمجھتے ہیں اور اُن میں سے کسی ایک کا نام سن کر بھی رحمتہ اللہ علیہ کہنا اپنے لئے واجب جانتے ہیں۔ لیکن بات اتنی ہے کہ وہ اُن کے علم و اتقا کے باوجود اُنھیں کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں معیار حق نہیں سمجھتے کہ حق کا معیار کتاب و سنت ہی ہیں اُمت کا کوئی فرد معیار حق نہیں ہے۔

اہل حدیث کا چاروں اماموں کے باہمی اختلاف اور اُن کے پیروکاروں اور مقلدین کے باہمی جھگڑوں سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ اس میں ہرگز فریق نہیں بنتے اہل حدیث ان میں سے کسی ایک کی تقلید یا اس کی ذات سے وابستہ ہو کر رہ جانے کی بجائے اُن میں سے جس کسی کی بات بھی قرآن پاک اور حدیثِ رسول کے ترازو میں پوری اُترتی ہے اس پر قرآن اور حدیث کی طرح ہی ایمان رکھتے ہیں۔ اُن کی نیکیوں اور نیک مساعی پر اللہ تعالیٰ سے ان کے درجات کی بلندی کے لئے دعا گو ہیں اور اُن کی بشری کوتاہیوں پر اپنے رؤف و رحیم رب سے عفو کے طالب ہے۔

فرقوں کا فساد باہمی

حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ محدث دہلوی کے مطابق مسلمانوں کے اندر فقہی مذاہب اور شخصی تقلید کی بنیاد چوتھی پانچویں صدی ہجری کی بات ہے اس سے قبل کوئی

مسلمان کسی خاص بزرگ سے وابستہ ہو کر نہیں رہتا تھا بلکہ ہر کوئی اپنی ضرورت سے جس عالم کو پاتا اُسی سے مسئلہ دریافت کر لیتا تھا۔ پھر جب لوگ اپنے اپنے خاص امام کے لئے تشدد کرنے لگے اور اس بات کا عقیدہ رکھنے لگے کہ حق صرف وہی ہے جو اُن کے امام نے کہا ہے اور اس دلیل سے وہ دوسرے ہر کسی کو مسترد کر دینے لگے تو یہی مرحلہ ہے جب مسلمانوں میں فرقہ بندی کی بنیاد پڑی اور وہ اپنے اپنے امام کے لئے دوسروں سے گتھم گتھا ہونے لگے لڑنے جھگڑنے لگے یہاں تک کہ بات ایک دوسرے کی تکفیر تک پہنچ گئی مولانا روم نے انہی حالات کی عکاسی کی ہے جب فرمایا۔

دین حق را چار مذہب ساختند　　رخنہ در دینِ نبی انداختند

جبکہ اہلحدیث کو مقلدین کے ان جھگڑوں سے کبھی تعلق نہیں رہا وہ پہلے روز سے ہی کتاب و سنت کے گرد جمع تھے اور آج بھی اُن کا یہی مقام ہے۔

اہل حدیث سے عناد کی وجہ

ہم یہ بات عرض کر چکے ہیں کہ اہل حدیث چار آئمہ کے پورے احترام کے باوجود معیار حق صرف کتاب و سنت کو ہی سمجھتے ہیں اور ضرورت کے وقت امت کے کسی بزرگ کی جانب رجوع کرنے کے بجائے کتاب و سنت کی جانب ہی رجوع کرتے ہیں اُنہی کو معیار حق سمجھتے ہیں اور اُنہی کو حجت مانتے ہیں جبکہ مقلد بھائی قرآن و حدیث پر اپنے امام کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

یہی بنیادی امر ہے جو مقلد بھائیوں کے ہاں اہل حدیث سے عناد روا رکھنے کا موجب بنتا ہے ورنہ اہل حدیث کا اور کوئی گناہ نہیں ہے اور بات وہی ہے کہ۔

اس مُنہ پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا

اہل حدیث کا موقف

اہل حدیث کے موقف کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث پاک ہے جہاں ارشاد ہوا

تَرَكْتُ فِيكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْ مَاتَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَ سُنَّتَ رَسُوْلِهِ - کہ میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جبتک تم ان دونوں سے چمٹے رہو گے ہرگز کبھی گمراہ نہیں ہو سکو گے یہ دو چیزیں ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری اس کے رسول کا طریقہ ہے۔

پس اہلحدیث نے اسی فرمانِ رسول کے مطابق اور انہی خطوط پر اپنی زندگی استوار کر رکھی ہے اس کے علاوہ ان کی کوئی سوچ نہیں ہے یعنی وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتے کہ

اصلِ دین آمد کلام اللہ معظم دوشتن --- پس حدیثِ مصطفےٰ پر جانِ مسلم دوشتن

معلوم نہیں وہ اتنی سے بات پر احناف کے عناد کا ہدف کیوں بن گئے۔

ایک حقیقت بیّنہ

اہلِ حدیث کی اس دلیل کا کسی کے پاس کیا جواب ہے کہ امامانِ فقہ رحمھم اللہ اجمعین اپنے تمام تر تقوی تمام تر تورع اور تمام تر علم و خبر کے باوجود انسان ہیں اور انسان خطا کار ہے پھر کیا ان بزرگوں سے خطا کا امکان نہیں ہے؟ بلا شبہ اللہ کا نبی بھی انسان ہوتا ہے اور اس سے بھی خطا کا صدور ممکن ہے لیکن نبی سے وقوع پانے والی خطا کی آسمان سے اصلاح کر دی جاتی ہے کیونکہ وحی کا سلسلہ جاری ہوتا ہے اور اب جبکہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد آسمان سے وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اب اگر کوئی عالم یا امام خطا کرے گا تو وہ ہمیشہ خطا ہی رہے گی کیونکہ آسمان سے اس کی اصلاح کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔ پھر جو شخص ایک غیر

نبی اور خطاکار انسان کی بلا شرط پیروی کرے گا تو ظاہر ہے کہ وہ بھی ہمیشہ خطا پر ہی رہے گا۔ اصلیت اس کی نگاہ سے اوجھل ہی رہے گی۔ اس لئے اہلحدیث اگر اُمت کے کسی بزرگ کو اپنی منزل نہیں سمجھتے یا اُسے معیارِ حق قرار نہیں دیتے بلکہ کتاب و سنت کو ہی اپنی منزل اور اپنا مرجع سمجھتے ہیں تو اس میں غلطی کہاں واقع ہوئی ہے۔

تصویر کا ایک اور رُخ

محمد ﷺ بحر العلوم ہیں جن کا سینہ انوار قدسیہ اور علوم الٰہیہ کا خزینہ ہے اور علوم و اخبار اپنے تمام ظاہری اور باطنی محاسن کے ساتھ جن کے حضور دم بخود اور دست بستہ ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ چاروں فقہی امام اسی مرکز انوار سے ہی مستفاد ہیں اور ویسے بھی۔

بابا کے ہاں سے کون لایا۔۔۔۔ جس نے پایا یہیں سے پایا

اگر ہم ان آئمہ کو دریائے علم قرار دیں تو امر واقعہ یہی ہے کہ دریائے ابو حنیفہؒ دریائے مالکؒ دریائے شافعیؒ اور دریائے احمد بن حنبلؒ کا منبع یہی بحر محمدی ہی ہے۔ لیکن اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ طرح طرح کی گندی زمینوں پر سینکڑوں ہزاروں میل تک بہنے والے دریاؤں میں بہت کچھ باہر سے شامل ہو جاتا ہے گرد و غبار ان کے رنگ کو موثر ہوتے ہیں پانی گدلا ہو جاتا ہے ان میں غلاظت بھی مل جاتی ہے لوگ گندے کپڑے دھوتے ہیں پلید جسم لے کر نہاتے ہیں طہارتیں کرتے ہیں چارپائے اُن میں پیشاب پاخانہ کرتے ہیں انسان اور حیوان ان میں ڈوب جاتے ہیں جن کی لاشیں ان کے پانیوں میں گلتی ہیں اور پتہ نہیں کیا کیا کچھ مزید بھی اُن میں مل جاتا ہے جبکہ سمندر خواہ وہ محیط عالم ہی ہو اپنے تمام تر طوفانوں اور مدوجزر کے باجود اپنی جگہ قائم ہے۔ اور اس کی صفائی اور پاکیزگی میں کوئی خارجی عنصر موثر نہیں ہوتا۔

یہ ٹھیک ہے کہ پانی کے وفور اور بہتات کی وجہ سے دریا ان تمام غلاظتوں سے ملوث

ہونے کے باوجود ناپاک نہیں ہوتا لیکن اُس کی صفائی اور شفافیت بہر حال خارجی عناصر سے متاثر ہوتی ہے اور وہ سمندر کی طرح صاف و شفاف نہیں رہتا ایسے میں اگر کوئی دریاؤں کے گدلے پانی سے بچ کر بلاواسطہ محمدی سمندر تک ہی جا پہنچتا ہے اور اپنی ضرورت وہیں سے پوری کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ایک محبوب امر ہے کوئی اس کو معیوب کیوں جانے بات اگر آپ کی سمجھ میں آسکے اور آپ بات میں وزن بھی پائیں تو پھر کیوں نہ آپ بھی اہلحدیث کے ہم سفر بن کر کتاب و سنت کے اُسی چشمہ صافی پر پہنچ جائیں جہاں کا پانی صاف بھی ہے شفاف بھی ہے اور ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک بھی ہے اللہ تعالیٰ آپ کی سوچ کو سیدھی سمت رکھیں آپ کی رہنمائی فرمائیں اور آپ کے حامی و ناصر ہوں آمین۔

مخلص

عبدالرحمٰن خلیق مصنف کتاب ہذا

تمتمہ

ایک شکائیت کے جواب میں

ایک نیک دل مقلد بھائی کا کہنا ہے کہ آپ کی کتاب ۱۲ مسائل اس نوع کی کتابوں میں ایک کامیاب ترین کتاب ہے۔ انداز نگارش کی سنجیدگی اور دلائل کی معقولیت ضرور موثر ہے اور اس کو مطالعہ کرنے والا کوئی مخالف بھی اس کو پڑھ کر رنجیدہ ہونے کے بجائے سوچ میں پڑ جاتا ہے۔

لیکن لفظ مقلد کی بحث میں آپ کا قلم آپ کے معمول کی سنجیدگی سے ہموار نہیں رہ سکا اور مقلد کے معنی بیان کرنے میں کچھ تشدد کا عمل دخل پا گیا ہے اور اس بحث کا مطالعہ کرنے والا کوئی بھی مقلد شخص اُسے مطالعہ کرتے وقت یوں محسوس کرتا ہے جیسے اُن کی توہین کی جا رہی ہو۔

ایک ایک لفظ کے کئی معنوی ہوتے ہیں پھر کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ بھی لفظ مقلد کے معنی مویشی اور حیوان کے بجائے کوئی دوسرے آبرومندانہ معنی تلاش کر لیتے جو پڑھنے والے کو اپیل کر سکتے لیکن آپ نے اس بحث میں از اول تا آخر ایک ہی نقطہ نظر کو اپنا معمول بنائے رکھا ہے اور اصرار کیا ہے کہ مقلد ڈھور ڈنگر کو ہی کہتے ہیں۔

جواباً گذارش ہے کہ ہم کسی مسلمان کی توہین کے خیال سے بھی اپنے رب سے ہزار بار عفو کے طالب ہیں اور یہ بات ممکن بھی کیونکر ہے جب ہم آپ تک محبت کا پیغام لے کر پہنچے ہیں تو آپ کی توہین کا تصور بھی کرتے۔

مشکل یہ ہے کہ الفاظ کے معنی الفاظ کے ہی تابع ہوتے ہیں ہماری اپنی خواہش یا پسند کے تابع نہیں ہوتے ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ واللہ باللہ ہم نے اس پوری بحث میں اپنی طرف سے ایک لفظ کا بھی اضافہ نہیں کیا کوئی تجاوز روا نہیں رکھا اور اس میں کسی مداخلت نے راہ نہیں پائی ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ عربی لغت سے حرف بحرف نقل کیا ہے۔

مقلد ایک عربی لغت ہے اور عربی لغت کے پورے ذخیرے میں اس لفظ کے معنی سوائے مویشی حیوان اور ڈھور ڈنگر کے دوسرے کوئی موجود ہی نہیں ہیں اگر کوئی حنفی صاحب علم بزرگ عربی لغت سے مقلد کے معنی سوائے مویشی کے کوئی دوسرے دریافت کر سکیں تو ہم ان کے مشکور ہوں گے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ اس بحث میں پڑتے ہم خود بھی پریشان تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ ہمارے مقلد بھائیوں کو ہمارے ذریعہ کسی بالواسطہ رُخ سے بھی اذیت پہنچے لیکن صرف آپ کے احساس عزت نفس کو تحریک کرنے کے لئے ہی یہ مجبوری قبول کرنا پڑی اور اس امید پر اس جسارت کی جرأت کی کہ شاید کسی کی غیرت کو تحریک ہو اس کا ضمیر بیدار ہو جائے اور وہ مویشی بنا رہنے سے انکار کر دے لیکن یہاں یہ ایک بات آپ سے پوچھنے والی بھی ہے کہ آپ جو اس لفظ کے ہلکے پھلکے معنی تلاش کرنے کے لئے فکر مند ہیں تو آپ کو اس لفظ سے اتنا

پیار کیوں ہے جو آپ کو انسانی برادری کی صفوں سے اٹھا کر بھیڑ بکریوں اور گائے بھینسوں کے ریوڑ میں لا کھڑا کرے واضح رہے کہ اس لفظ کے معنی تو تبدیل نہیں ہوں گے کہ اس کے درحقیقت ہی یہی معنی ہیں آپ کا بخت اگر ساتھ دے تو خود آپ کو ہی اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنا ہو گی کہ آبرومندی کا راستہ یہی ہے اللہ تعالیٰ آپ کی رہنمائی فرماویں بھائی!

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گوئم

عثمانؓ اور معاویہؓ کے بعد

سبائی نژاد گروہی مورخین کی نشتر قلم کا تیسرا بڑا نخچیر

عمرو بن العاصؓ

جس کی تاریخی عظمت گروہی شاطروں، نسلی مفاد پرستوں اور سیاسی طالع آزماؤں کی سفلی اغراض کی نذر ہو گئی۔

مولانا حکیم عبدالرحمن خلیق ؒ

کے قلم حقیقت رقم سے ایک اور دستاویزی کتاب
مصنف نے اس کتاب میں عمروؓ کے گرد بنے دام مکر و تزویر کا ایک ایک تار توڑ پھوڑ ڈالا ہے

عنقریب شریک بزم ہو رہی ہے انشاءاللہ

ناظم دارالکتب رحمانیہ بدوملہی ضلع نارووال

شمائل مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صوری و معنوی ظاہری اور باطنی محاسن پر مشتمل ایک مقدس دستاویز جیسے اختصار اور سند کی صحت کی پیش نظر صرف صحیح مسلم شریف کی روایات کی روشنی میں ہی ترتیب دیا گیا ہے۔

از قلم

حکیم عبدالرحمن خلیق رحمتہ اللہ علیہ

انشاءاللہ جلد شریک محفل ہوگی

رابطہ:

نیر اقبال شجاع ناظم دارالاشاعت رحمانیہ' بدو ملہی ضلع نارووال۔

مدرسہ تعلیم الاسلام (رجسٹرڈ)

یہ مدرسہ گذشتہ اڑتیس برس سے دین مبین کے لئے سرگرم ہے اور شہر بدوملہی کا یہی ایک مدرسہ ہے جس نے یہاں قرآن کریم کو ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پڑھانے کی ابتداء کی۔ اس مدرسہ میں طلبہ اور طالبات کے الگ الگ حلقے قائم ہیں جہاں بچوں اور بچیوں کو ناظرہ قرآن پاک ترجمہ و تفسیر قرآن پاک حفظ القرآن اور حدیث کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے۔

مدرسہ تعلیم الاسلام للبنات کے نام پر ایک کنال رقبہ پر ایک نئی عمارت کھڑی کر دی گئی ہے جس پر تقریباً دس لاکھ روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ عمارت کی دوسری منزل مکمل ہوتے ہی بیرونی بچیوں کی رہائش اور طعام کا بندوبست کیا جائے گا۔ انشاء اللہ اہل ثروت حضرات سے مدد کی اپیل ہے۔

الداعی الخیر

ڈاکٹر اختر اقبال تبسم

ناظم مدرسہ تعلیم الاسلام' بدوملہی۔

دفاع صحابہؓ کے موضوع پر اس صدی کی اہم ترین دستاویزی کتاب

امیر المومنین معاویہؓ حصہ دوم

تحریر حکیم عبد الرحمٰن خلیقؒ

یہ کتاب مولانا ابو اعلیٰ مودودی صاحب کی اصحاب دشمن اور شیعہ نواز کتاب خلافت وملوکیت کے جواب میں لکھی گئی ہے جسے مولانا نے اپنی سیاسی اغراض سے شیعہ کی حمایت حاصل کرنے کے لئے لکھا تھا اور جس میں مولانا نے شیعہ کی ہی زبان میں اخص اصحاب رسول کو سخت سب وشتم کا نشانہ بنایا اور امہات المومنین کی کردار کشی کی جس نے مسلمانوں کے دل چھلنی کر دیئے

امیر المومنین معاویہؓ حصہ دوم میں

مصنف نے اصحاب رسول ﷺ اور امہات المومنین کے خلاف مولانا کی پھیلائی ہوئی تاریخی گمراہیوں اتہامات سیاسی گالیوں اور عقل فریب سخن سازیوں کا پردہ بدلائل صحیحہ اور بہ شواہد بینہ نہایت خوبی سے چاک کر دیا ہے اور اصحاب رسول پر اڑائے ہوئے مولانا کے کیچڑ کو دھو ڈالا ہے

نوٹ

صفحات ۷۳۶ لکھائی چھپائی عمدہ نفیس سفید کاغذ مضبوط ڈائی دار سنہری جلد قیمت ۱۲۰ روپے تو ڈاک خرچ سمیت ۱۴۵ روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج کر طلب فرمائیں وی پی طلب نہ کریں کتاب کے دونوں حصے یکجا طلب کرنیکی صورت میں آپکو ۱۹۵ کے بجائے صرف ۱۸۰ روپے بھیجنے ہونگے

ناظم دار الاشاعۃ بدوملہی ضلع نارووال (پنجاب)
0436 - 810055 - 810015